ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ
حجاب
کراچی
aanchalpk.com aanchalnovel.com
قیمت 70/= روپے
URDU TUBE
www.urdutubes.com
Digitized by Google

ماہنامہ حجاب کراچی

بیاد: زیب النساء، فرحت آراء

مدیراعلیٰ	مشتاق احمد قریشی
مدیرہ	قیصر آراء
نائب مدیرہ	سعیدہ نثار
معاون مدیر	ندا رضوان / عثمان عبداللہ
گروپ ایڈیٹر	طاہر احمد قریشی

جلد	03
شمارہ	11
ستمبر	2018

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

Digitized by Google

اس شمارے میں

ابتدائیہ

بات چیت — مدیرہ — 10
حمد — بہزاد لکھنوی — 11
نعت — ریاض الدین — 11

ملاقات

راؤ رفاقت علی — ایڈمن پینل — 12

سلسلہ وار ناول

میرے خواب زندہ ہیں — نادیہ فاطمہ رضوی — 18
عشق دی بازی — ریحانہ آفتاب — 74
شبِ آرزو تیری چاہ میں — نائلہ طارق — 128

مکمل ناول

نہ کوئی آسمان — افشاں علی — 44

ناولٹ

میری عید پاکستان — انعم خان — 106

افسانے

مشکل سفر منزل آسان — سلمیٰ غزل — 38
چشم سرمہ سا — فریدہ فرید — 94
فارمولا — نظیر فاطمہ — 158
دل کا امیر — سمیہ عثمان — 162
وصلِ تنہائی — عنبر فاطمہ — 170
راہِ عمل — عائشہ پرویز صدیقی — 184
عشق میرا ایمان — ام اقصیٰ — 186
شہادت گہہ الفت — خدیجہ جلال — 196

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

Digitized by Google

سرورق: مہوش آفتاب ..... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

جیسا میں نے دیکھا	رفاقت جاوید	200	حسن خیال	جوہی احمد	213
بزم سخن	سمیہ عثمان	202	ہومیو کارنر	طلعت نظامی	221
کچن کارنر	زہرہ جبین	204	دوست کا پیغام آئے	ملیحہ احمد	223
عالم میں انتخاب	نزہت جبین ضیأ	207	ٹوٹکے	خدیجہ احمد	225
شوخیٔ تحریر	ہماذوالفقار	210	کترنیں	ادارہ	000

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

بات چیت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ستمبر ۲۰۱۸ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

گزشتہ ماہ مملکتِ خداداد پاکستان میں ایک ساتھ پے در پے کئی اہم واقعات رونما ہوئے' سب سے پہلے نئے پاکستان کا نعرہ لگانے والوں نے وطنِ عزیز کی تقدیر بدلنے کے عہد کے ساتھ مسندِ اقتدار سنبھال لی ہے' اس کے فوری بعد جشنِ قیامِ پاکستان کی تقریب اور پھر عیدالاضحیٰ کی مبارک ترین تقریب جو حج بیت اللہ سے جڑی ہوئی ہے۔ پے در پے تقریبات کو اہلِ وطن آنے والے حکمرانوں کے لیے نیک شگون تصور کررہے ہیں' انہیں امید ہے کہ شاید اللہ سبحان وتعالیٰ نئے آنے والوں کے ذریعے پاکستانی عوام کی مشکلات اور وسائل کو حل کردے' اللہ کرے کہ اہلِ پاکستان واقعی اپنی مشکلات اور مسائل کو نئے آنے والوں کے ذریعے حل کرسکے' وزیراعظم پاکستان مقرر ہونے پر وزیراعظم جناب عمران خان نے جو دس نکات بیان کیے ہیں یقیناً وہ ملک وملت کے حالات میں بہتری کی نوید سنا رہے ہیں' ہماری دعا ہے کہ اللہ کرے کہ وہ اپنے اس بیان کردہ نکات پر مکمل طور پر عمل پیرا ہوسکیں۔

تمام اشاعتی ادارے پریشان ہیں کہ ملک میں ہونے والی اس بڑی تبدیلی کے باوجود اخبارات وجرائد میں استعمال ہونے والا سامان نیوز پرنٹ' روشنائی اور دیگر سامان کی قیمتیں آسمان سے باتیں کررہی ہیں۔ نیوز پرنٹ جو چند سال پہلے تک بیس روپے سے پچاس روپے فی کلو دستیاب تھا اب تقریباً ایک سو دس اور ایک سو بارہ روپے کلو مل رہا ہے۔ فی الحال اس کا کوئی حل دور دور تک نظر نہیں آرہا۔ نئی حکومت نے ان تمام مشکلات کے باوجود ہر قسم کی امپورٹ پر مزید ٹیکس عائد کرنے کی بات کی ہے کیونکہ ملکی ایکسپورٹ میں کمی کو پورا کرنے اور زرمبادلہ کو بچانے کے لیے ان کے خیال میں ایسا کرنا ضروری ہے۔ کاغذ کی گرانی کے باعث بہت سے کم اشاعت والے اخبارات وجرائد نے اپنی اشاعت روک دی ہے۔ بڑے اخبارات وجرائد بھی پریشان ہیں کہ اس گرانی کا تدارک کیسے کیا جائے۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ آگے آنے والے وقت میں اپنی اشاعت کیسے برقرار رکھی جائے گی۔ تمام قاری بہنوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنے بھرپور تعاون سے اس مشکل وقت میں حوصلہ اور مدد فراہم کریں تاکہ آپ کے یہ ماہنامہ آنچل' حجاب اور نئے افق اپنی اشاعت برقرار رکھ سکیں۔ نومبر کا شمارہ حجاب کا سالگرہ نمبر ہوگا۔ تمام بہنیں جلد از جلد اپنی تحریریں اور نگارشات ارسال کردیں۔ آیئے اب چلتے ہیں اس ماہ کے حجاب کی جانب جہاں مصنفین کی تحریریں ستاروں کی مانند جھلملا رہی ہیں۔

اب آیئے چلتے ہیں آپ کے اس ماہ کے حجاب کی جانب۔

سلمیٰ غزل، افشاں علی، فریدہ فرید، انعم خان، نظیر فاطمہ، سمیہ عثمان، عنبر فاطمہ، عائشہ پرویز صدیقی، ام اقصیٰ، خدیجہ جلال۔

دعاگو

قیصر آرا

Digitized by Google

حمد

پایا نہ جب سہارا اے دو جہاں کے مالک
میں نے تجھے پکارا اے دو جہاں کے مالک

مغموم ہوں بدل دے اب تو مسرتوں سے
تقدیر کا ستارا اے دو جہاں کے مالک

طوفاں کی تیزیوں میں جب ڈگمگائی کشتی
تو نے دیا سہارا اے دو جہاں کے مالک

مخلوق کی اذیت مخلوق کی مصیبت
تجھ کو ہے کب گوارا اے دو جہاں کے مالک

گر دور نا خدا ہے، شامل تری عطا ہے
ہر موج ہے کنارا اے دو جہاں کے مالک

حقا ہمارے بگڑے کاموں کو ہے بناتا
ادنیٰ ترا اشارہ اے دو جہاں کے مالک

دنیائے بندگی میں بہزاد نے ہمیشہ
سجدہ تجھے گزارا اے دو جہاں کے مالک

بہزاد لکھنوی

نعت

کب بگڑی بناؤ گے کب در پہ بلاؤ گے
امید ہے عاصی کو سرکار ﷺ بھاؤ گے

کب آئے گا وہ لمحہ کب آئے گی وہ ساعت
اک بار کبھی آقا ﷺ جب خواب میں آؤ گے

جس چہرۂ انور پر رہتی ہے نظر رب کی
کب ایک جھلک اس کی عاصی کو دکھاؤ گے

چھوٹا سا ہے منہ میرا پر بات بڑی سی ہے
کیا آپ مرے دل کی بستی بھی بساؤ گے

اے کاش ریاض آئے مژدہ یہ مدینے سے
سرکار ﷺ بلاتے ہیں تم نعت سناؤ گے

ریاض الدین سہروردی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT

Digitized by Google

ملاقات

ایڈمن پینل

یہ تو ایک مختصر تعارف تھا اب بڑھتے ہیں آپ کی سوالوں کی طرف اور مزید راؤ رفاقت علی کے بارے میں جانتے ہیں۔

ایمن نور

اس بار انٹرویو کے لیے جس ممبر کو منتخب کیا ہے' ان کا نام گروپ کے لیے کسی بھی طرح سے نیا نہیں ہے۔ راؤ رفاقت علی طویل عرصے سے آنچل' حجاب اور نئے افق کے گروپ کے علاوہ پیجز پر بھی اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے نبھا رہے ہیں۔

راؤ رفاقت علی کا تعلق پنجاب کے ضلع لودھراں کی تحصیل دنیا پور سے ہے۔ جہاں انہوں نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۳ کو جنم لیا۔ دنیا پور پنجاب میں اسکول و کالجز کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر ہے۔ ان کی تعلیم الیکٹریکل ایسوسی ایٹ انجینئر ہے جو انہوں نے خانیوال کے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کالج آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی خانیوال سے حاصل کی۔ ایڈمن شپ کی ذمہ داریاں یہ ۲۰۱۴ سے بخوبی نبھا رہے ہیں۔

آنچل کی لکھاری سباس گل کے گروپ سے شروعات کی اور پھر وقت کے ساتھ بہت سے گروپس و پیجز کے ایڈمن بنے' اور اب ۲۰۱۶ء میں آنچل گروپ و پیجز کے ایڈمن پینل میں بطور ایڈمن اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔

سوال: انٹرویو کے لیے منتخب ہو کر کیسا لگ رہا ہے بھائی؟

جواب: آنچل ایک بہت مشہور اور ادب کی صنف میں ایک بڑا نام ہے اور اس ادارے کی بدولت میرا انٹرویو ہو رہا ہے تو میرے لیے بہت خوشی کی بات ہے۔

سوال: آپ اپنے مشاغل بتائیں' فارغ وقت میں کیا کرتے ہیں؟

جواب: نیٹ سے اسلامی کتب سرچ کرنا اور پڑھنا۔ نیوز پیپر پڑھنا کبھی کبھار ڈرامہ بھی دیکھ لیتا ہوں جو اچھا لگے۔ حال ہی میں ''سنو چندہ'' ڈرامہ دیکھا' بہت ہی اچھا تھا۔

سوال: مستقبل کے ارادے بتائیں؟

جواب: مستقبل کو لے کر تو ہر ایک شخص کے بہت سے ارادے ہوتے ہیں۔ اچھی جاب کے ساتھ لائف سیٹ ہو۔ ہم تو بس کوشش کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ ہم اسی طرف چلے جاتے ہیں جہاں ہماری روزی لکھی ہوتی ہے۔

Digitized by Google

عنامتہ سفیان

سوال: اسلام علیکم بھائی! کبھی سوچا ہے کہ کاش خود بھی لکھتا؟

جواب: وعلیکم السلام! جی ہاں بہت بار سوچا لیکن وقت کی قلت کی وجہ سے کوشش ہی نہیں کر پاتا اور مجھے نہیں لگتا کہ میں لکھ سکتا ہوں کیونکہ یہ کام بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔

سوال: کبھی کسی رائٹر سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے؟

جواب: شہباز اکبر الفت بھیا سے دو بار مل چکا ہوں، بہت ہی نفیس، ملنسار اور خوش اخلاق ہیں۔ لکھتے بہت اچھا ہیں شہباز بھیا۔

سوال: پسندیدہ ناول اور وجہ پسند کرنے کی؟

جواب: وقت کی قلت کی وجہ سے میں ڈائجسٹ نہیں پڑھتا۔

صدف آصف

سوال: بطور ایڈمن آپ کو کن کن رائٹرز کے ساتھ کام کرنا اچھا لگتا ہے؟

جواب: بطور ایڈمن مجھے صائمہ اکرم چوہدری، سباس گل، نزہت جبیں ضیاء، صدف آصف کے ساتھ کام کر کے بہت اچھا لگا اور اب عریشہ سہیل، ماورا طلحہ، صبا ایشل اور حنا اشرف ان رائٹرز کے ساتھ بطور ایڈمن بھی کام کر رہا ہوں بہت ہی خوش اخلاق ہیں۔

طیبہ عنصر

سوال: بہت ساری لڑکیوں کے درمیان بطور ایڈمن آپ کو کام میں دقت تو نہیں ہوتی ہے؟

جواب: میرا رشتہ ان سے بھائیوں جیسا ہے اور یہ سب پیاری بہنیں میری بہت ہیلپ کرتی ہیں کبھی انکار نہیں کرتی جس کی وجہ سے مجھے بطور ایڈمن کام کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

سوال: آپ کو کس کس مصنفہ کا انداز تحریر پسند ہے اور کس وجہ سے؟

جواب: سوچا تھا دوسرے سوال کا جواب دینے کے لیے کچھ ناولز پڑھ لوں پھر جواب دوں گا مگر وقت نہ ہونے کی وجہ سے پڑھ نہیں سکا، اس لیے معذرت۔

سوال: برادر آپ کے خیال میں اس گروپ میں کس کی کارکردگی بطور ایڈمن آپ کو متاثر کن لگتی ہے اپنے علاوہ؟

جواب: اس گروپ میں بطور ایڈمن سب کی کارکردگی سے متاثر ہوں، سب اپنا اپنا کام بخوبی کرتے ہیں میرے علاوہ۔

اسوار شاہ

سوال: لکھاریوں کی دنیا میں رہتے ہوئے کبھی کہانی لکھنے کا خیال آیا اور کس لکھاری کو بہت پڑھا؟

جواب: جی ہاں بہت بار سوچا لیکن وقت کی قلت کی وجہ سے کوشش ہی نہیں کر پاتا اور مجھے نہیں لگتا کہ میں لکھ سکتا ہوں کیونکہ یہ کام بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔

سوال: اتنی خواتین میں اکلوتا ہونا کیسا لگتا ہے جب کوئی بحث یا گروپ کے متعلق فیصلہ کرنا ہو؟

جواب: مجھے یہ میری پیاری بہنیں اکلوتا محسوس ہونے ہی نہیں دیتی کوئی بھی کام ہو یا مشورہ ہم سب مل جل کر کرتے ہیں اور بحث والا کام تو آج تک ہوا ہی نہیں۔ میں تو کہتا ہوں ایسی ایڈمن ٹیم میں نے آج تک نہیں دیکھی، بہت ہی سلجھی ہوئی اور خوش اخلاق۔

سوال: کس ممبر کی پوسٹس زیادہ پسند ہیں؟

جواب: جو ممبر اچھی پوسٹنگ کرے ان سب کی پسند ہیں۔

نسرین اختر نینا

سوال: آپ کو کس قسم کی پوسٹ پسند ہیں اور انہیں ایک بار میں ہی اپروو کرتے ہیں؟

جواب: ایسی پوسٹس جس میں کسی کو تنقید کا نشانہ نا بنایا گیا ہو۔ اسلامی پوسٹس بحوالہ اچھی شاعری وغیرہ۔

عنایہ گل

سوال: اپنی کوئی عجیب یا انوکھی خواہش بتائیں؟

جواب: عجیب تو کوئی خواہش نہیں ہاں البتہ لاڈلی خواہش ضرور ہے وہ ذرا پرسنل ہے۔

سوال: بچپن کیسا گزرا شرارتی تھے یا معصوم۔

جواب: بچپن تو بہت پیارا اور شرارتوں بھرا گزرا؟

سوال: اگر خود کو ایک جملے میں یا ایک لفظ میں بیان کرنا ہو تو وہ جملہ کیا ہوگا؟

جواب: اب یہ تو میرے احباب ہی بتا سکتے ہیں کہ میں کتنے جملوں لائنوں یا لفظوں میں بیان ہو سکتا ہوں لیکن میں تو خود کو معصوم اور پیار بھرا پاگل ہی کہہ دیتا ہوں۔

فاطمہ عبدالخالق

سوال: مجھے یاد ہے جب میں آنچل اور نئے افق باقاعدگی سے پڑھتی تھی تو راؤ رفاقت کا نام ضرور ہوتا تھا شاعری میں مگر اب یہ نام نظر نہیں آتا سو شاعری نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: بہت بہت شکریہ آپ نے ہمیں یاد رکھا۔ ان میں کچھ شاعری میری خود کی ہوتی تھی اور کچھ انتخاب ہوتے تھے بس پھر جاب میں ایسے الجھے کہ سب بھول گئے وقت ہی نہیں ملتا کہ کچھ اور کر سکیں۔

سوال: رفاقت ادبی چپقلش کا کبھی سامنا ہوا ادبی گروپ کے ایڈمن ہونے کی بنا پر کیونکہ اکثر ایسا ہو جاتا ہے تو اس پہ آپ کا ردعمل؟

جواب: ابھی تک تو ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا

ہمارے ساتھ اگر آیا بھی تو چپ سادھ لیں گے کیونکہ ایک چپ سو کو ہراتی ہے اور ہاں کہیں ایسا لگا کہ یہاں بولنا چاہیے تو وہاں بولنا بھی لازم ہے۔

رانا علی رضا

سوال: راؤ صاحب جیسا کہ آپ کے مختصر تعارف سے پتا چلا کہ آپ ماشاء اللہ الیکٹریکل انجینئر ہو تو میرا پہلا سوال یہ ہے کہ اِس ترقی یافتہ، تیز رفتار اور بہت مصروف پریکٹیکل زندگی میں آپ ادب کے لیے وقت کیسے نکال پاتے ہیں؟

جواب: جہاں دل کی بات آجائے وہاں وقت

سحر نو کے قافلے

علم اور قلم ہی وہ طاقت ہیں جو انقلاب لانے کی صلاحیت رکھتے ہیں خواہ یہ انقلاب فرد کی انفرادی زندگی میں آئے یا معاشرے کی سطح پر رونما ہو۔ ابھی کل کی بات لگتی ہے جب ادارہ آنچل کی جانب سے ایک اور معیاری جریدے حجاب کا آغاز کیا گیا جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ گھر داری میں مصروف خواتین کی تفریح کے ساتھ ساتھ ذہنی تربیت کا بھی ایسا اہتمام ہو کہ طبع نازک پہ گراں نہ گزرے۔ پروردگار کا احسان عظیم ہے کہ ہماری اس کاوش کو عوامی سطح پر قبولیت کی سند ملی۔

ہمیں بہترین لکھاریوں اور ذہین قارئین کا ساتھ نصیب ہوا جنہوں نے ہماری اس کاوش و محنت میں ہمارا ساتھ دیا۔ ہمیں نہ صرف سراہا بلکہ مزید حوصلہ دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ادارے کے تمام ساتھی بھی قابل تعریف ہیں جن کی شبانہ روز محنت ہر ماہ آپ کے ہاتھوں میں جگمگاتی ہے۔ حجاب نے کامیابی کے تین سال مکمل کر لیے ہیں اور چوتھے سال میں قدم رکھ دیا ہے اس موقع پر ہم نے قارئین کے لیے ایک سروے کا اہتمام کیا ہے جس کے سوالات درج ذیل ہیں۔

۱:۔ حجاب کی کس تحریر کی بدولت آپ کی شخصیت میں مثبت تبدیلی رونما ہوئی۔

۲:۔ حجاب کی تحریروں میں شامل کوئی ایسا کردار جس میں آپ کو اپنی جھلک محسوس ہوئی۔

۳:۔ خواتین کی اکثریت گھریلو موضوعات پر مبنی تحریریں پسند کرتی ہے تو آپ کیا سمجھتی ہیں کہ حجاب کی تحریروں کا کینوس وسیع ہونا چاہیے یا جس ڈگر پر گامزن ہے وہی بہتر ہے۔ کیا آپ تبدیلی کے حق میں ہیں۔

۴:۔ آپ کو حجاب کا کون سا سلسلہ پسند ہے اور کیوں؟

۵:۔ آپ نے حجاب کو دیگر پرچوں سے کس طرح مختلف پایا۔

ان سوالات کے جواب ہمیں 20 اکتوبر تک ارسال کر دیں۔

نوٹ:۔ ای میل کرنی والی بہنیں سروے حجاب ضرور لکھیں۔

infohijab@aanchal.com.pk

Digitized by Google

میسر آ ہی جاتا ہے' ادب کی بات ڈیوٹی کے بعد یا آرام کے وقت جو وقت میسر آ جاتا ہے وہ میں الیف بی پر آ جاتا ہوں۔ ویسے بھی آج کل میں لمبی چھٹی پر ہوں۔

سوال: ایمان نور کے سوال کے جواب میں آپ نے لکھا کہ آپ سنو چندا ڈرامہ بہت شوق سے دیکھتے ہیں' اس کا مطلب آپ رومینٹک ڈرامے دیکھنا پسند کرتے ہیں تو کیا آپ خود بھی ایک رومینٹک طبیعت کے مالک انسان ہیں سنو چندا کے علاوہ آپ کو کون کون سے پاکستانی ڈرامے پسند ہیں' چند ایک کے نام ضرور بتایئے گا' من مائل اور صدقے تمہارے تو آپ نے ضرور دیکھے ہوں گے؟

جواب: میں وہ ڈرامہ دیکھتا ہوں جس کا نام پڑھ کر مجھے لگے کہ یہ ڈرامہ دیکھنا چاہیے اور سنو چندہ ان چند ایک ڈراموں میں سے ہے۔ رومینٹک ڈرامہ دیکھنے سے بندہ رومینٹک تو نہیں ہوتا' مجھے کامیڈی ڈرامے پسند ہیں اور سنو چندہ ایک پر مزاح ڈرامہ بھی تھا۔ انوکھا لاڈلا' عنایہ تمہاری ہوئی اور چھت دیکھے ہوئے ہیں۔

سوال: ادب کے علاوہ فارغ وقت آپ کیسے گزارتے ہیں' یعنی آپ کے مشاغل کیا ہیں؟

جواب: فارغ وقت میں اسلامی کتب اور نیوز پیپر وغیرہ پڑھتا ہوں۔

زرناب علی

سوال: اپنی زندگی کا کوئی ایسا لمحہ جسے یاد کر کے اب بھی شرمندگی ہوتی ہو۔

جواب: ایک بار میں نے اپنے استاد کو خود کا بڑا بھائی بن کر فون کیا اور اچھی خاصی چھٹیاں لے لی چھٹیاں گزارنے کے بعد جب اسکول گیا تو استاد جی نے اچھی خاصی کلاس لی اور تب مجھے پتہ چلا کہ استاد جی کو تو کال کے دوران ہی معلوم ہو گیا تھا میرا' میں آج بھی استاد جی سے ملتا ہوں تو مجھے وہ واقعہ یاد آتا ہے تو مجھے بہت شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔

ظہیر شیخ

سوال: بطور ممنون حسین اس گروپ میں کیسا محسوس ہوتا ہے؟

جواب: ممنون حسین سے تو کہیں زیادہ ایکٹو ہوں میں اور اس گروپ میں آ کر بہت اچھا محسوس ہوتا ہے لائک اے فیملی۔

تسلیم شیخ

سوال: آپ کو جب غصہ آتا ہے تو کیا کرتے ہیں؟

جواب: مجھے جب غصہ آتا ہے تو ضبط کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور پھر خاموشی سے تنہائی اختیار کر لیتا ہوں۔

سوال: ماں جی سے ڈر لگتا ہے یا بابا سے؟

Digitized by Google

جواب: بابا سے ڈر لگتا ہے اور ویسے ڈر کی بات نہیں ہے بس احترام کرتے ہیں ماں اور بابا کا اور خود سے بڑے کا چاہے جو بھی ہو۔

سوال: اپنی ایک اچھی اور ایک بری عادت بتائیں؟

جواب: اچھوں کے ساتھ اچھا رہتا ہوں یہ اچھی عادت ہے۔ کسی کو جلدی معاف نہیں کر پاتا یہ بری عادت ہے۔

بات کرنے والے۔

سوال: بچپن کی کوئی ایسی شرارت جس پہ بہت ڈانٹ پڑی ہو؟

جواب: ایسے تو بہت سی شرارتیں ہیں لیکن بچپن میں کرائے بازی بہت کرتا تھا آئے دن کسی نہ کسی بچے کے ساتھ جھگڑا اور آئے دن مجھے بہت ڈانٹ پڑتی تھی۔

راؤ رفاقت علی سلجھے ہوئے انسان اور دوسروں کے کام آنے والوں میں سے ہیں۔ ان کی بہت سی خوبیوں سے ابھی ہم ناواقف ہیں کیونکہ وقت کی کمی کے باعث انہوں نے محفل برخاست کردی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ انہیں ترقی و کامیابی عطا فرمائے' آمین۔

دعا ہاشمی

آپ کا تعارف پڑھ کر آپ کی شخصیت کے بہت سے پہلو سامنے آئے ماشاءاللہ اب ذرا اپنی کسی خامی کی نشاندہی کردیں؟

جواب: کسی کو جلدی سے معاف نہیں کر پاتا یہ بری عادت ہے۔

حنا اشرف (کوٹ ادو)

سوال: کھانے میں سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟

جواب: جو مل جائے وہی لیکن من پسند بریانی ہے۔

سوال: آپ کا پسندیدہ رنگ کون سا ہے؟

جواب: پسندیدہ رنگ پنک اور بلیک۔

سوال: کس طرح کے لوگ پسند ہیں؟

جواب: خوش اخلاق منافقت سے پاک اور سیدھی

قسط نمبر 34

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

سونیا کامیش کے کردار پر کیچڑ اچھالتی میڈیا کے ذریعے اس بات کو سب میں پھیلا دیتی ہے۔ ہر کوئی کامیش کے حوالے سے مختلف شکوک کا شکار نظر آتا ہے ایسے میں ساحرہ یہ سب دیکھ کر شاکڈ رہ جاتی ہے۔ سونیا کا رویہ اور یہ الزامات اسے بے حد مشتعل کر دیتے ہیں جب ہی اسے فراز کی سچائی پر یقین آ جاتا ہے اور وہ شرمندگی سے اسے گلے لگا لیتی ہے کامیش اور فراز دونوں کو سنبھالتے سونیا کو بھول جانے کا کہتے ہیں دوسری طرف کامیش بھی اسے طلاق کے پیپرز بھیج کر ہمیشہ کے لیے اس تعلق کو ختم کر دیتا ہے۔ ابرام لالہ رخ سیماریہ اور فراز کے متعلق تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد کسی قدر مطمئن نظر آتا ہے ماریہ بھی ابرام کو تمام سچائی سے آگاہ کرتی معافی مانگ لیتی ہے ایسے میں وہ فراز اور لالہ رخ کی دوستی کے حوالے سے اپنے شکوک کا بھی تذکرہ کرتی ہے جس پر وہ لالہ رخ سے بات کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ لالہ رخ ابرام کی بات سن کر خاموش رہ جاتی ہے اور ماریہ سے خود بات کرنے کا ارادہ کرتی ہے۔ ساتھ ہی وہ ابرام کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیتی ہے کہ فراز اور اس کے درمیان ایسی کوئی کمٹمنٹ نہیں ہے ابرام کو لالہ رخ کی سادگی اور انداز بے حد پسند آتے ہیں جب ہی وہ اپنے جذبوں کا اظہار کر بیٹھتا ہے اس کے بے باک انداز پر لالہ رخ بھڑک جاتی ہے جبکہ فراز لالہ رخ کو سمجھانے کی سعی کرتا ہے۔ فراز کامیش کے رشتے کے حوالے سے اپنے والدین کے ہمراہ لالہ رخ کے گھر آتا ہے تاکہ مہر بینہ اور کامیش کی بات کو آگے بڑھایا جا سکے۔ عنایہ کی اچانک ملاقات شاہ دل سے ہو جاتی ہے شاہ دل اس سے محبت کا اظہار کرتا حمیرا کی رحلت کے متعلق بتاتا ہے اور اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ عنایہ اس کے فیصلے پر بے حد خوش نظر آتی ہے۔ شاہ دل کے والد کی طبیعت اچانک بگڑ جاتی ہے اور انہیں اسپتال لے جانا پڑتا ہے جہاں فوری علاج میسر آنے پر ان کی حالت قدرے بہتر ہو جاتی ہے اور وہ شاہ دل کو اپنے ماضی سے آگاہ کرتے اپنی بیوی الویرہ اور اپنی گمشدہ بچی معصومہ کا تذکرہ کرتے ہیں کہ کس طرح خاندان سے بغاوت کرتے انہوں نے یہ قدم اٹھایا تھا الویرہ کی موت کے بعد ان کی بیٹی کا کچھ پتا نہیں چلتا ایسے میں وہ اپنے طور پر تلاش کرنے کی سعی کرتا ہے اور تایا کے پرانے ملازم سے بھی معلومات حاصل کرتا ہے جن کے کہنے پر وہ اس بچی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس ملازم کے ذریعے یہ جان کر شاہ دل بے حد خوش نظر آتا ہے کہ اس نے وہ بچی ایک بے اولاد جوڑے کو دی تھی اور اس شخص کا نام مومن جان تھا اور وہ لوگ مری جا رہے تھے یہ معلومات معصومہ کی کھوج میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور وہ اسے تلاش کرنے کے لیے آمادہ نظر آتا ہے۔ باسل اپنی ماں کی حالت پر بے حد متفکر نظر آتا ہے ایسے میں خاور حیات کے ساتھ بھی اس کا رویہ بے حد تلخ ہو جاتا ہے جب ہی اسپتال میں حورین بار بار لالہ رخ کو پکارتی ہے اور اچانک فراز کے ساتھ لالہ رخ اسپتال پہنچتی ہے تو نرس اسے حورین کے پاس لے جاتی ہے حورین اسے اپنی بیٹی سمجھتی ہے اور اس کی حالت میں کافی بہتری آ جاتی ہے جبکہ باسل اور فراز لالہ رخ کو تمام حقیقت سے

Digitized by Google

آگاہ کردیتے ہیں۔ سمیر شاہ بزنس کے حوالے سے ناروے پہنچتے ہیں وہاں اتفاقاً احتشام کو دیکھ کر چونک جاتے ہیں اور اسے پکارتے ہیں جبکہ احتشام جو کہ اب ایڈم کے نام سے جانا جاتا ہے اس نام کی پکار پر چونک کر مڑتا ہے اور سمیر کو دیکھ کر شاکڈ رہ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁.....❁.....❁

احتشام بے یقینی سے سمیر شاہ کو دیکھ رہا تھا۔ گزرے ماہ و سال کی اذیت انگیز لمحات میں اس نے اپنے اس دوست کو یادداشت سے کبھی فراموش نہیں ہونے دیا تھا۔

"سمیر میرے یار تم.....!" اس لمحے فرط جذبات میں گھر کر احتشام کی آواز رندھ سی گئی پھر دوسرے ہی پل احتشام نے سمیر کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا' دونوں دوست جذبات و احساسات میں گھرے نجانے کتنی ہی دیر یوں ہی ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے رہے تھے۔ "سمیر مجھے یقین نہیں آرہا کہ اس وقت تم میرے سامنے ہو یار۔" احتشام سمیر سے الگ ہوتے ہوئے مسرت و انبساط کے ساتھ تحیر آمیز لہجے میں کہتے ایک بار پھر سمیر سے لپٹ گئے' سمیر کے لبوں پر بھی بے حد جاندار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بھی احتشام کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے' چند ثانیے اسی پوزیشن میں کھڑے رہنے کے بعد سمیر نے آہستگی سے پوچھا۔

"احتشام تم کہاں چلے گئے تھے یار؟ دنیا کی اس بھیڑ میں تم تو ایسے گم ہوئے کہ پھر کبھی ملے ہی نہیں۔" سمیر کے شکوہ کناں لہجے کو محسوس کر کے احتشام ایک جھٹکے سے اس سے علیحدہ ہوئے پھر انتہائی تلخی سے گویا ہوئے۔

"میں واقعی کھو گیا تھا سمیر..... تم سب سے بہت دور چلا گیا تھا' بس میرے دوست جہاں جہاں میرے قدم بڑھتے گئے میں انجان راستوں پر چلتا ہی چلا گیا۔" سمیر شاہ نے احتشام کو بغور دیکھا۔

"تمہیں تو آگے بڑھنے کا بہت جنون تھا ناں' احتشام تم تو خود ہی گم ہونا چاہتے تھے اور تم گم ہو بھی گئے مگر میں آج بھی تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ کچھ رشتے تمہاری ذات سے منسلک تھے' جو تم سے بے حد پیار کرتے تھے۔ ویسے کتنے بہادر ہو ناں تم احتشام' ایسے بے لوث اور انمول رشتوں کو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے کھو دیا جو تمہیں دیکھ کر جیتے تھے۔" سمیر شاہ آج بھی سچ بات منہ پر کہنے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ احتشام کی طرز زندگی پر انہیں ہمیشہ ہی غصہ آتا تھا اور احتشام میں آج غصہ نہیں بلکہ ندامت و شرمندگی کا گہرا احساس کہیں سے بیدار ہوا تھا' احتشام مہر بہ لب کھڑے بس یک ٹک اسے دیکھتے رہے۔

"تم ایسی ہی بے فکری اور آزاد زندگی گزارنا چاہتے تھے ناں احتشام' تمہیں تمہاری من پسند زندگی تو مل گئی مگر رشتوں کے معاملے میں تم بالکل تہی دامن رہ گئے' کنگال ہو گئے بالکل کنگال۔" احتشام پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے آج ہی اسے اپنے رشتوں کے بکھر جانے کا احساس ہوا ہو۔

❁.....❁.....❁

وہ ایک مسمریزم کی کیفیت میں گھری نرس کے ہمراہ بیڈ نمبر چار کی جانب آئی جہاں ایک نسوانی وجود منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا جب ہی نرس اس کے قریب جھک کر بولی۔

"آپ پلیز آنکھیں کھولیے لالہ رخ یہیں پر ہے۔" حورین کے کانوں میں جب نرس کے جاں افزا الفاظ پڑے تو اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور انتہائی بے تابانہ انداز میں بولی۔

"مم..... میری لالہ آ گئی؟" لالہ رخ بے اختیار اس عورت کے قریب آئی جب کہ حورین نے تیزی سے بستر سے

Digitized by Google

اٹھنے کی کوشش کی تو لالہ رخ جلدی سے بولی۔

"آپ پلیز اٹھیے نہیں آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" مگر حورین تو جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی تھی اس نے جھپٹ کر لالہ رخ کو اپنے سینے سے لگایا اور اس پل حورین کو یوں لگا جیسے برسوں تڑپتی ممتا کو ایک دم سے قرار آ گیا ہو۔

"لالہ میری بچی میری جان تم آ گئیں اپنی مما کو معاف کر دینا۔ میری گڑیا آپ کی مما بہت مجبور تھیں اب آپ ہمیشہ میرے پاس رہو گی ناں ورنہ آپ کی مما مر جائے گی۔" بولتے ہوئے وہ زار و قطار رو بھی رہیں جب کہ لالہ انتہائی ناسمجھی کی حالت میں گومگوں سی کھڑی دھیرے دھیرے حورین کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد حورین بے ہوش ہو گئی تو لالہ رخ بری طرح گھبرا گئی جب کہ قریب کھڑا ڈاکٹر فوراً حورین کے پاس آیا اور اس کا چیک اپ کرنے کے بعد بولا۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے کچھ گھنٹے بعد انہیں مکمل ہوش آ جائے گا آپ اب باہر جائیے۔" جواباً لالہ رخ اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے نکل آئی۔

❁.....❁.....❁

شاہ دل نے مری جانے کے لیے رختِ سفر باندھ لیا تھا جب کہ زرینہ اور اماں یہ سوچ کر فکر مند ہو رہے تھے کہ اتنے بڑے شہر میں شاہ دل بھلا کس طرح معصومہ کو ڈھونڈے گا اسفند یار ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر آ چکے تھے اور شاہ دل نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی بیٹی اور اپنی بہن کو ضرور ڈھونڈ کر لائے گا جواباً اسفند یار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور انہوں نے فرطِ جذبات میں گھر کر اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا تھا۔ شاہ دل کی تیاری مکمل تھی جب ہی زرینہ دروازے پر دستک دے کر اس کے کمرے میں چلی آئی۔

"بھائی اس واقعے کو تو برسوں گزر گئے ہیں مری جا کر ایک نومولود بچی کو تلاش کرنا تو بہت مشکل ہے۔" وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنساتے ہوئے بولی تو شاہ دل بے ساختہ مسکرا دیا۔

"ڈھونڈنے سے تو اللہ بھی مل جاتا ہے زری تم دیکھنا ان شاء اللہ ہمیں ہماری بہن ضرور مل جائے گی۔" زرینہ نے اس لمحے شاہ دل کو بغور دیکھا پھر سر ہلاتے ہوئے پورے جذب سے بولی۔

"اللہ آپ کے یقین کو یوں ہی قائم رکھے آمین۔" پھر وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی اور ذہن میں در آنے والی سوچوں کے ساتھ یوں ہی ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی صرف چند دنوں میں اس کی زندگی انتہائی حیرت انگیز انکشافات کی زد میں آ گئی تھی۔ اماں کے علاوہ بابا کی زندگی میں کسی اور عورت کا موجود ہونا جو ان کا پہلا عشق تھا پھر بابا کی ایک اور بیٹی کا ہونا جو تا حال گمشدہ اور لاپتہ تھی شاید زندہ بھی تھی یا..... اس سے آگے زرینہ سوچنے سے پہلے ہی اپنے ذہن کو جھٹک دیا کرتی تھی۔ پھر معاً اسے زرتاشہ کا خیال آیا جس نے دو تین مرتبہ اس کے بابا کی خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کیا تھا مگر وہ اس قدر ڈسٹرب تھی کہ محض اتنا بتا کر کہ وہ ٹھیک ہیں اسے ٹال دیا تھا کیوں کہ ان دنوں وہ حد سے زیادہ ذہنی دباؤ کا شکار تھی اس وقت وہ تھوڑا پُرسکون ہوئی تو اسے زرتاشہ سے بات کرنے کا خیال آیا پھر کچھ سوچ کر اس نے زرتاشہ کو کال ملائی تھی۔

❁.....❁.....❁

لالہ رخ گم صم سی بیٹھی تھی جب کہ فراز شاہ اس پل کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا وہ آئی سی یو سے جونہی باہر آئی باسل اور خاور انتہائی بے تابی سے اس کی سمت لپکے۔

"م..... میری مام اب کیسی ہیں؟" باسل حیات ہکلا کر بولا تو لالہ رخ سنبھل کر بولی۔

"وہ اب ٹھیک ہیں ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ کچھ گھنٹوں بعد انہیں مکمل ہوش آ جائے گا۔" یہ سن کر باسل اور خاور حیات کے چہروں پر جیسے زندگی لوٹ آئی تھی۔

Digitized by Google

"او میرے اللہ کا بہت بہت شکر ہے۔" باسل بے ساختہ اپنا سر اوپر کی جانب اٹھا کر بولا' جب کہ خاور حیات باہر آتے ڈاکٹر کی طرف بڑھ گئے تھے' باسل حیات نے فراز شاہ اور لالہ رخ کی سوالیہ نگاہیں خود پر مرکوز پا کر بے ساختہ کہا۔

"آپ دونوں میرے ساتھ کینٹین چلئے میں سب کچھ بتاتا ہوں۔" پھر وہ تینوں ہاسپٹل کے کینٹن میں آن بیٹھے اور باسل نے ہر بات دونوں کے سامنے پوری سچائی سے بیان کر دی تھی۔ فراز شاہ یہ سن کر اندر سے بے پناہ دکھی ہوا تھا۔ وہ بھی حورین کو بہت پسند کرتا تھا۔

یقین نہیں آ رہا باسل..... بظاہر ہمہ وقت مسکرانے اور ہر دم ہنسنے ہنسانے والی حورین آنٹی اندر سے کس قدر شکستہ اور پژمردہ ہوں گیں کاش ان کی بیٹی زندہ ہوتی۔ فراز نے باسل کے کندھے پر ہاتھ رکھا جو غم کی تصویر بنا اسے دیکھ رہا تھا۔

"خاور انکل نے آنٹی کے ساتھ بالکل بھی ٹھیک نہیں کیا' ایک تین سال کی معصوم اور نادان بچی کو ایک ماں سے جدا کرنا بہت سنگین گناہ ہے باسل۔" لالہ رخ بھی تمام باتیں سن کر دکھی ہوئی تھی نجانے کیوں اسے اپنے دل پر بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا۔

"میرے خیال میں اب ہمیں چلنا چاہیے فراز۔" وہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تو فراز بھی باسل سے الوداعی کلمات کہتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

❁.....❁.....❁

سمیر اور احتشام کے ہمراہ اپنے ہوٹل سے قریب پارک میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ آسمان پر موجود سورج اس پل اپنے زوال کی تیاریوں میں مصروف عمل تھا' جب کہ اڑتے پنچھی تیزی سے اب اپنے ٹھکانوں کی جانب گامزن تھے' احتشام اس لمحے فضاء میں اڑتے پرندوں پر نگاہیں جمائے نجانے کن سوچوں میں مستغرق تھے' سمیر بغور اس کے چہرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے' پھر کافی دیر بعد ایک ہنکارہ بھرتے ہوئے بڑے عجیب سے لہجے میں گویا ہوئے۔

"پچھلی رات کا مسافر جا چکا ہے' احتشام تم کہیں اس کی تلاش میں تو نہیں ہو؟" احتشام کے چہرے پر ماہ و سال کی تھکن کے آثار سمیر شاہ بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

"مسافر کا تو کام ہی جانا ہوتا ہے' وہ کتنے دن ہمارے پاس ٹک سکتا ہے۔" احتشام سمیر کی بات پر چونکے بنا سپاٹ لہجے میں بولے' پھر چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد سمیر کی جانب رخ موڑ کر کہا۔

"جانتے ہو سمیر میں ایک بھٹکے مسافر کی طرح نگری نگری پھر تا رہا ہوں مگر....." وہ کچھ دیر قدرے ٹھہرے پھر دوبارہ اپنا سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولے۔ "مگر مجھے میری منزل کبھی نہیں ملی' ہر بار کسی جگہ ٹھہر کر اسے اپنی منزل سمجھ کر پڑاؤ ڈالا لیکن وہ عارضی ثابت ہوا' میں پھر اس امید پر آگے نکل پڑا کہ شاید اس بار مجھے میری منزل مل جائے مگر ہر بار مجھے ناکامی اور نامرادی کا ہی منہ دیکھنا پڑا' سمیر اب مزید مجھ سے چلا نہیں جاتا یار' تیرا دوست اب تھک گیا ہے' اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں' سکون چاہتا ہوں۔" سمیر انہیں تاسف بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے پھر طنزیہ لہجے میں بولے۔

"اپنے لیے یہ راستہ تم نے خود چنا تھا احتشام' ماں باپ کے دلوں کو دکھا کر بھلا کس بدبخت کو منزل ملی ہے جو تمہیں مل جاتی۔" احتشام خاموش نگاہوں سے دیکھتے رہے' پھر کچھ دیر بعد سامنے کی جانب نگاہ مرکوز کیے کہنے لگے۔

"لندن آنے کے فقط چند دن بعد میرا سارا جوش و خروش سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا' خاور کے دوست ریاض نے مجھے پیسے نہ دینے کی بناء پر اس بوسیدہ سی مختصر سی جگہ سے نکال باہر کیا۔ جہاں مجھ جیسے بارہ لڑکے وہاں پہلے ہی قیام پذیر تھے میں نے بے پناہ پریشان ہو کر بڑی دقتوں سے خاور کو فون کیا' اس نے مجھے کافی تسلیاں دیں اور مجھے اپنے ایک دوسرے دوست اسد ارباب کے پاس بھیج دیا۔ اسد ارباب نے مجھے جیسے اپنا شاہی مہمان بنا لیا تھا' میں اپنے خوابوں کی تکمیل پا کر بے پایاں خوش تھا' اپنی خوشی میں مگن میں نے ایک بار بھی اماں ابا اور حورین کے بارے میں نہیں سوچا پھر ایک دن خاور کا میرے

پاس فون آیا کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے مجھے اس بات پر قائل کرلیا کہ میں حورین کو طلاق بھجوادوں۔"

"واٹ.....!" سمیر شاہ جو انتہائی انہماک سے احتشام کی روداد سن رہے تھے اس بات پر ششدر رہ گئے۔ "ک..... کیا مطلب احتشام کیا خاور نے تمہیں ایسا کرنے کو کہا تھا؟"

"ہاں سمیر خاور نے مجھ سے کہا کہ تم کیوں بلاوجہ اس ناگوار بوجھ کو اپنے سر پر لیے پھر رہے ہو جسے زبردستی تمہارے والدین نے تمہارے سر لاد دیا ہے اور سمیر میں بھی کون سا حورین سے کوئی لگاؤ رکھتا تھا۔ یہ سچ تھا کہ مجھے بھی حورین کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لہٰذا میں نے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں کی اور حورین کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے نکال باہر کیا۔" سمیر انہیں انتہائی استہزائیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے پھر بے حد کٹیلے لہجے میں بولے۔

"ہوں..... تمہاری دلچسپی تو صرف دولت و عشرت میں تھی ناں پھر تمہیں حورین بھابی کی وفائیں اور محبتیں کیسے دکھائی دیتیں۔" پھر قدرے توقف کے بعد سمیر ہنوز لہجے میں استفسار کرتے ہوئے بولے۔ "چلو مانا احتشام کہ تمہیں حورین بھابی کی کسی بھی خوبی نے متاثر نہیں کیا مگر..... کیا تمہیں اپنی اولاد کی بھی رتی برابر پروا نہیں تھی جو تمہارے ہی وجود کا حصہ تھی۔" احتشام نے حیران نظروں سے سمیر کو دیکھا پھر دھیرے سے انتہائی آہستگی سے بولے۔

"جب میں اپنے والدین کو ہی فراموش کر گیا جنہوں نے مجھے پال پوس کر اتنا بڑا کیا تھا تو پھر اس چند دن کی بچی کی میرے نزدیک کیا اہمیت ہوتی۔" سمیر شاہ نے تاسف بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا جواب مزید کہہ رہے تھے۔

"مجھے صرف اپنے خواب پیارے تھے اور ان کی تکمیل کے لیے میں ہر حد پار کرنے کے لیے تیار تھا حورین کو طلاق دینے کے کچھ ہی دنوں بعد اسد نے مجھے اپنے گھر سے یہ کہہ کر چلتا کردیا کہ وہ کچھ عرصے کے لیے کینیڈا جارہا ہے اس نے میری ایک نہ سنی اور مجھے دروازے کے باہر کھڑا کردیا میں نے خاور سے رابطہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر اس نے میرے کسی خط اور فون کا جواب نہ دیا اور پھر ایک طوفانی رات میں جب بارش اور خون کو منجمد کردینے والی سردی سے بچنے کے لیے ایک ریسٹورنٹ کی سیڑھیوں پر اپنے پھٹے ہوئے کورٹ میں سکڑا سمٹا بے یار و مددگار بیٹھا تھا تب ہی میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ اگر زندہ بچا تو ایسی اذیت ناک زندگی سے چھٹکارا پانے کے لیے میں کسی بھی چیز کا سودا کرلوں گا پھر وہ رات جو بے پناہ تکلیفوں اور ذلتوں سے مزین تھی گزری تو صبح میں نے مندی مندی آنکھوں سے ایک خوب صورت سی عورت کو اپنے سر پر کھڑا پایا بخار اور بھوک کی شدت سے مجھ پر نقاہت طاری تھی وہ عورت جو اس چھوٹے سے ریسٹورنٹ کی مالک تھی وہ مجھے اندر لے گئی مجھے گرم کپڑے فراہم کیے کافی اور سینڈوچ کے بعد بخار کی ٹیبلٹ دی میں وہاں بنے ایک کمرے میں لمبی تان کر سو گیا وہ عورت میرے لیے فرشتہ بن کر آئی تھی۔" کہتے ہوئے احتشام انہیں لمحوں میں کھو گئے تھے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ دوبارہ بولے۔

"وہ عورت جس کا نام جیکولین تھا ایک شدت پسند عیسائی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی وہ خود بھی مسلمانوں کو پسند نہیں کرتی تھی مگر پھر بھی ہماری اچھی دوستی ہوگئی تھی جیکولین نے مجھے اپنے ہی ریسٹورنٹ میں مناسب کام دینے کے ساتھ ساتھ وہیں پر میری رہائش کا بندوبست کردیا جیکولین میرا ہر طرح سے خیال رکھتی تھی وہ بھی دوسری عورتوں کی طرح میری مردانہ وجاہت اور خوب صورتی سے بہت متاثر تھی پھر اس کے یہی متاثرانہ جذبات جلد ہی گہری پسندیدگی میں ڈھل گئے۔ وہ بھی شادی شدہ تھی مگر اس کا شوہر اسے چھوڑ کر جاچکا تھا اپنے بیٹے کے ہمراہ وہ ایک اچھے علاقے میں اپارٹمنٹ میں رہائش پذیر تھی جب جیکولین نے مجھ سے ایک دن اپنے جذبوں کا اظہار کیا تو گویا میری مراد بر آئی جیکولین اچھی خاصی مالدار عورت تھی اور پھر مجھے لندن میں رہنے اور اپنی من پسند زندگی گزارنے کے لیے ایسی ہی عورت کی ضرورت تھی۔ میں نے فوراً سے پیشتر اسے ہاں میں جواب دے دیا تھا مگر شادی کرنے کے لیے اس نے ایک شرط رکھی تھی اس

Digitized by Google

کے عوض وہ مجھے سب کچھ دینے کو تیار تھی۔" احتشام خاموش ہوئے جب یہ خاموشی طول پکڑنے لگی تو سمیر شاہ نے قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

"خاموش کیوں ہو گئے احتشام..... جیکولین نے ایسی کون سی شرط رکھی تھی جسے بتاتے ہوئے آج تمہاری زبان ساتھ نہیں دے رہی، میں جانتا ہوں تم دولت کے عوض ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو گئے ہو گے۔" ایک بار پھر سمیر شاہ کے لب و لہجے سے طنز و ملال کے رنگ جھلکے تھے، احتشام نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا اس پل ان کے چہرے پر ناقابل بیان تاثرات رقم تھے ندامت پچھتاوا دکھ رنج انہوں نے ایک بار پھر اپنا سر جھکا دیا اور کہنے لگے۔

"ایمان....." یک دم ماحول میں سکوت طاری ہوا سمیر نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

"ک.....! کیا مطلب احتشام؟"

"احتشام نہیں میرے دوست ایڈم۔"

"واٹ.....!" وہ حیرت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہاں سمیر..... لوگ مجھے ایڈم کے نام سے جانتے ہیں۔" انہوں نے ایک ہنکارہ بھر کر کہا اور پھر جیسے ہر بات سمیر کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

"کوئی انسان اس حد تک بھی گر سکتا ہے، صرف کاغذ کے چند نوٹوں کے عوض وہ اپنے ایمان کو بھی بیچ دے اور احتشام آخر تمہارے ماں باپ نے تمہیں کس چیز سے محروم رکھا تھا۔" پھر وہ احتشام کے کوٹ کی جیب سے الکوحل کی بوتل جو انہوں نے دکان سے خریدی تھی اسے نکالتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں بولے۔

"صرف ان چیزوں کے عرض تم نے اپنے مذہب کا سودا کر دیا اسے بیچ دیا اف احتشام یہ تم نے کیا کر دیا اپنی آخرت کو اس عارضی دنیا پر قربان کر دیا۔" آخر میں سمیر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

لالہ رخ فراز کے ساتھ ہاسپٹل سے واپس گھر آ گئی تھی۔ وہاں جو کچھ بھی ہوا تھا اس کی وجہ سے لالہ رخ کا دل و دماغ انتہائی بوجھل اور مضمحل سا ہو گیا تھا۔ امی اور زرتاشہ کو مختصراً بتا کر وہ اپنے کمرے میں آرام کرنے کی غرض سے آ گئی تھی مگر مہرو اس کے چہرے کو اچھی طرح پڑھ گئی تھی، جب ہی وہ اس کے پیچھے چلی آئی تھی اور تھوڑی سی حجت کے بعد لالہ رخ اسے سب کچھ بتاتی چلی گئی تھی۔ مہرو بھی یہ سب سن کر گم صم سی ہو گئی تھی۔ اسے بھی حورین نامی خاتون سے انتہائی ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔ جب کہ خاور حیات کو اس نے اچھا خاصا بھلا برا کہا تھا لالہ رخ نے اگلے دن باسل حیات کو فون کر کے اس سے حورین کی طبیعت پوچھی تھی اور اس نے بتایا تھا کہ صبح ہی ڈاکٹرز نے حورین کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا تھا اس کی طبیعت قدرے سنبھل گئی ہے۔ آج لالہ رخ نے طبیعت بوجھل ہونے کے سبب آفس سے چھٹی کی تھی۔ اس وقت وہ اپنے بستر پر کسلمندی سے لیٹی ہوئی تھی۔ جب ہی ابرام کی کال اس کے سیل فون پر آئی۔

"مجھے آپ سے اس قدر وعدہ خلافی کی امید نہیں تھی لالہ رخ۔" ابرام کی گمبھیر اور دلکش آواز ابھری تو لالہ رخ کے دل کی دھڑکنیں پل بھر کے لیے منتشر ہوئیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کا، میں نے کون سی وعدہ خلافی کی ہے مسٹر ابرام؟" وہ اچھی خاصی تپ کر بولی تو ابرام بڑے مزے سے گویا ہوا۔

"اچھا..... اب اگر میں آپ کو کچھ کہوں گا تو آپ فوراً برا مان جائیں گی۔ میں نے تو کان پکڑے جو کبھی آپ کے بارے میں کچھ کہا بھی تو..... ویسے کیا آپ اپنے ہزبینڈ کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کریں گی، جب وہ آپ کے حسن اور

Digitized by Google

نزاکت کی تعریف کرے گا۔"

"واٹ..... یہ آپ کس طرح کی باتیں کررہے ہیں مسٹر ابرام؟ آپ اچھے خاصے ال ممنرڈ اور نان سیریس انسان ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ بے چارا تو گیا کام سے آپ تو اس سے بھی ہر وقت لڑتی ہی رہیں گی۔" ابرام کی بات پر لالہ رخ نے موبائل کو کان سے ہٹا کر اسے گھورا پھر اپنے اشتعال پر کافی دقتوں سے قابو پا کر کٹیلے لہجے میں بولی۔

"کیا آپ نے مجھے یہی فضول اور بے سروپا باتیں سنانے کے لیے فون کیا ہے؟ میرا وقت بہت قیمتی ہے میں فون بند کررہی ہوں او کے۔" وہ لائن کاٹنے ہی والی تھی کہ اسی دم ابرام کی عجلت بھری آواز سنائی دی۔

"مس لالہ رخ ایکچولی میں آپ سے یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ آپ فراز اور ماریہ سے کب بات کریں گی۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ میٹری جلد سے جلد حل ہوجائے دونوں اپنی زندگیوں کے لیے کوئی بہتر فیصلہ کرلیں۔" اس بار ابرام کے لب و لہجے میں سنجیدگی تھی۔ لالہ رخ بھی جیسے الرٹ ہوگئی تھی پھر سہولت سے گویا ہوئی۔

"ٹھیک ہے مسٹر ابرام میں شام کو آ کر ماریہ سے بات کرتی ہوں۔" جب کہ ابرام نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے او کے کہہ کر فون بند کردیا تھا۔

❁.....❁.....❁

شاہ دل نے عنایہ کو تمام تر حقائق سے آگاہ کردیا تھا۔ وہ بھی یہ سب سن کر بہت حیران ہوئی تھی۔ اس نے بھی شاہ دل کی بہن کو ڈھونڈنے کے لیے اس کی ہر طرح سے مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا شاہ دل نے اپنے اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے مری کے مضافاتی علاقوں میں مومن جان نامی شخص کو ڈھونڈنے کا عمل شروع کردیا تھا جب کہ عنایہ کے والد نے بھی اپنے تعاون کا بھرپور یقین دلاتے ہوئے وہاں کے پرانے رہنے والے لوگوں سے چھان بین کروائی تھی۔ مری کے جی پی او نے گیارہ اشخاص کی نشاندہی کی تھی جن کے نام مومن جان تھے۔ عنایہ کے والد دانش صاحب اور شاہ دل نے فوراً سے پیشتر ان سب کو بلایا تھا اور اللہ رکھا سے پہچان کروائی تھی مگر اس وقت شاہ دل سخت مایوس ہوا جب اللہ رکھا نے ان سب کو بغور دیکھ کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں چھوٹے صاحب..... ان سب میں وہ شخص نہیں ہے جس کے حوالے میں نے بچی کی تھی۔" دانش صاحب ان تمام لوگوں کو فارغ کرنے کے بعد شاہ دل سے مخاطب ہوئے۔

"بیٹا ہمت سے کام لو اللہ نے چاہا تو بہت جلد تمہیں تمہاری بہن مل جائے گی۔" عنایہ نے اپنے والد صاحب کو شاہ دل کے بارے میں سب کچھ بتادیا تھا اور یہ بھی کہ وہ اپنی زندگی کا ساتھی صرف اور صرف شاہ دل کو بنائے گی۔ دانش صاحب کو بھی اپنی بیٹی کا انتخاب پسند آیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ان کی بیٹی کی خوشی تھی اور اس سے زیادہ انہیں اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔

❁.....❁.....❁

سمیر شاہ بوجھل دل اور اعصاب سمیت پاکستان واپس آگئے تھے۔ احتشام سے ہوئی حادثاتی ملاقات اور پھر اس کی زندگی کے متعلق جان کر ان کا دل افسوس و تاسف کی گہرائیوں میں ڈوب گیا تھا۔ وطن واپس آتے ہوئے احتشام ان سے آخری ملاقات کی تھی۔

"سمیر تو بھی مجھے چھوڑ کر جارہا ہے یار خدا کے واسطے میرے دوست تُو تو مجھے تنہا نہ کر اب مجھ سے تنہا نہیں رہا جاتا۔" احتشام روہانسی آواز میں بولے جب کہ اس پل سمیر شاہ کا دل کسی نے مٹھی میں بھینچ میں لیا تھا۔ احتشام نے انہیں یہ بھی

Digitized by Google

بتادیا تھا کہ جیکولین سے بھی اس کی ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی اور اسے بھی ہمیشہ انہوں نے اپنی پدرانہ شفقت اور توجہ سے محروم رکھا تھا کیونکہ وہ تو اس وقت عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ جیسے انہوں نے اپنا سب کچھ یہاں تک کہ اپنا ایمان گنوا کر حاصل کیا تھا۔

"احتشام..... تم اپنی فیملی کی طرف واپس لوٹ جاؤ اپنی بیٹی کو اپنا مان اپنی محبت دو اور جیکولین اور اپنے گھر کی ذمہ داریوں کو سمجھ کر انہیں پورا کرنے کی کوشش کرو۔" سمیر اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے بولے تب ہی احتشام نے ماریہ کے مسلمان ہوجانے اور پھر اس کی گمشدگی کی روداد انہیں سنائی تھی۔ جسے جان کر سمیر شاہ قدرت کے اس حسین فیصلے پر ششدر رہ گئے تھے کہ کس طرح اللہ نے ایک مسلمان گھرانے کی لڑکی کو کسی دوسرے مذہب کا پیروکار ہونے کے باوجود اس کے حقیقی مذہب سے اس کی پہچان کروادی تھی مگر اچنبھے کی بات تو یہ تھی کہ احتشام نے سمیر سے حورین اور لالہ رخ کے متعلق ایک بار بھی نہیں پوچھا جب کہ احتشام کی اس معاملے میں خاموشی پر انہوں نے بھی ان دونوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا البتہ احتشام نے جلد پاکستان آنے کا وعدہ کر کے سمیر سے اس کا ایڈریس اور فون نمبر لے لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

باسل حیات نے احمر یزدانی کو ساری روداد سنا ڈالی تھی یا پھل میں اس دن لالہ رخ گویا اس کی مام کی زندگی بن کر آئی تھی۔ اسے پہلے ہی لالہ رخ بہت اچھی اور ڈیسنٹ سی لگی تھی مگر اس واقعہ کے بعد تو وہ اس کا احسان مند ہوگیا تھا۔ احمر آج باسل کے گھر حورین سے ملنے آیا تھا اس کی طبیعت کافی بہتر تھی مگر اس دن لالہ رخ سے ملاقات وہ بالکل فراموش کر گئی تھی۔

"احمر آج میری مام ہمارے ساتھ ہیں تو صرف لالہ رخ کی وجہ سے فراز بھائی اگر وقت پر انہیں نہ لے آتے تو نجانے کیا ہوجاتا۔" یہ کہتے ہوئے باسل نے بے اختیار ایک جھرجھری لی تو احمر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نرمی سے رکھ کر سہولت سے بولا۔

"اللہ نے بہت کرم کیا ہے باسل اور مجھے پورا یقین ہے کہ آنٹی ان شاء اللہ بہت جلد صحت یاب ہوجائیں گی۔" جواباً باسل نے اثبات میں سر ہلایا' پھر کچھ سوچ کر قدرے توقف کے بعد بولا۔

"احمد لالہ رخ کی شخصیت میں عجیب سی کشش ہے' انہیں دیکھ کر ہمیشہ مجھے اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔ ان کا دھیمے انداز میں بات کرنا کسی بات میں مسکرانا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ پتہ ہے جب وہ مسکراتی ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھیں بھی مسکرانے لگتی ہیں۔ احمر لالہ رخ کی آنکھیں بالکل مام جیسی ہیں' ان کی آنکھیں بھی مسکرانے لگتی ہیں۔" وہ بہت دلچسپی سے باسل کی بات سن رہا تھا جو مزید کہہ رہا تھا۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ کاش یہی مام کی وہ کھوئی ہوئی بیٹی ہو' مجھے یقین ہے احمر کہ مام اپنی بیٹی کو پا کر بالکل ٹھیک ہوجائیں گی۔" اس وقت وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے محو گفتگو تھے جب ڈور بیل بجنے پر ملازم تھوڑی دیر بعد باسل کے پاس آیا۔

"چھوٹے صاحب کوئی این ڈی صاحب آئے ہیں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" باسل یہ نام سن کر چونکا۔

"این ڈی....." باسل زیر لب بڑبڑایا پھر احمر کو دیکھ کر متعجب سا ہو کر بولا۔

"یہ این ڈی کون ہے میں تو اس نام کے کسی بندے کو نہیں جانتا۔" احمر نے کچھ سوچا پھر سہولت سے بولا۔

"تم جا کر ان سے ملو۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی جان پہچان والا ہو۔" باسل نے اثبات میں سر ہلایا' پھر ملازم کو انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھانے کی ہدایت کر کے کچھ دیر بعد اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر بولا۔

"تم بھی میرے ساتھ چلو۔" جواباً احمر بھی باسل کے ہمراہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہ جب وہاں پہنچے تو ایک بہت گریس فل ادھیڑ عمر کی شخصیت کو وہاں موجود پایا۔ ان دونوں کو اندر آتا دیکھ کر وہ دھیمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر اپنی

Digitized by Google

نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنا تعارف کروانے پر انہیں معلوم ہوا کہ وہ بزنس کی دنیا میں کافی بڑا نام رکھتے ہیں' پھر مسٹر این ڈی باسل کی استفہامیہ نگاہوں کو محسوس کر کے اپنے یہاں آنے کا مقصد بتانے سے پہلے احمر کو دیکھ کر ہچکچائے تو باسل فوراً سے پیشتر گویا ہوا۔

"سر آپ بلا جھجک جو بھی بات کرنا چاہتے ہیں وہ کیجیے۔ یہ میرا بہت اچھا اور بھروسہ مند دوست ہے۔" مسٹر این ڈی نے اس بات پر اثبات میں سر ہلایا۔ پھر سنجیدگی سے کہنے لگے۔

"میرا نام نجم الدین ہے' میں آپ کے نانا کا پڑوسی تھا۔" یہ سن کر باسل بری طرح چونکا۔ آج پہلی بار اس کی مام کا کوئی جان پہچان والا یہاں آیا تھا' جو مزید کہہ رہے تھے۔

"حکیم صاحب اور ہمارے گھرانے کے درمیان بہت اچھے مراسم تھے۔ میری مرحومہ ماں آپ کی نانی کے پاس اکثر و بیشتر آیا کرتی تھیں' جب کہ حورین میری بہنوں جیسی تھیں' ان دنوں میں اپنا کیریئر بنانے کے لیے سخت مشقت میں مصروف تھا اور یہی دن و رات کی محنت اور میرے ماں کی دعائیں رنگ لے آئی تھیں' میرا انتہائی چھوٹے پیمانے میں شروع کیا کاروبار تیزی سے چلنے لگا تھا۔ پھر ہم نے وہ محلہ چھوڑ دیا اور ایک اچھے علاقے میں شفٹ ہو گئے' حورین کی احتشام سے شادی....." وہ یک دم خاموش ہوئے پھر ہچکچاتے ہوئے بولے۔

"آپ احتشام سے واقف ہیں؟" جواباً باسل نے انتہائی بے چینی سے پہلو بدل کر اثبات میں سر ہلایا۔

"میں ان کے بارے میں سب جانتا ہوں سر آپ کیا کہہ رہے تھے؟" اس لمحے باسل حیات کے لہجے میں عجلت کے ساتھ ساتھ اضطراب کے رنگ بھی بخوبی نمایاں تھے۔

"میں نے اپنے والدین کے ہمراہ حورین اور احتشام کی شادی میں بھی شرکت کی تھی' پھر میں اپنے کاروبار میں بے طرح مصروف ہو گیا تھا' تقریباً چند سالوں بعد حورین مجھے مارکیٹ میں ملی تھی اس کی اجاڑ صورت دیکھ کر مجھے اس کی طلاق کا پتہ چلا تھا' پھر اس مختصر ملاقات کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد ایک دن میرے پاس حورین کا فون آیا تھا وہ بے پناہ گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کی شادی خاور حیات جو احتشام کا دوست تھا' اس سے کر دی گئی تھی اور خاور نے اس کی بیٹی کو اس کی ملازمہ کی بے اولاد بیٹی کے حوالے کر دیا ہے۔" یہ سن کر باسل کو اپنا دل کسی تیز دھار آلے سے کٹتا ہوا محسوس ہوا' احمر بھی اپنی جگہ دم سادھے بیٹھا رہا۔ "اس نے مجھ سے روتے ہوئے التجا کی کہ میں لالہ رخ کے پیچھے مری جاؤں اور وہاں جا کر یہ تسلی کر کے آؤں کہ وہ لوگ جو اس کی بچی کو لے گئے ہیں۔ وہ کیسے ہیں اور یہ کہ وہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہیں' میں تمام کام ترک کر کے فوراً مری بھاگا تو وہاں معلوم ہوا کہ لینڈ سلائیڈنگ کے حادثے میں کافی جانیں لقمہ اجل بن گئیں اور ان لوگوں میں وہ بدنصیب جوڑا بھی تھا جنہوں نے لالہ رخ کو گود لیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کی شان دیکھو اس حادثے میں لالہ رخ بالکل سلامت رہی تھی۔"

"واٹ.....!" باسل انتہائی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور حیرت سے نجم الدین کو دیکھتے ہوئے تقریباً ہکلاتے ہوئے بولا۔

"تو.....تو.....اس کا مطلب ہے کہ مام کی بیٹی زندہ ہے؟" جواباً انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو باسل بے جان سا ہو کر صوفے پر ڈھے گیا' اس انکشاف نے احمر کو بھی اندر سے پوری طرح ہلا دیا تھا۔ باسل کو اس لمحے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نزع کے عالم میں اچانک زندگی کی نوید سنا دی گئی ہو' باسل کی دعائیں مستجاب ٹھہری تھیں۔

"اس دن خوش قسمتی سے لالہ رخ کو اس کی پڑوسن اپنے گھر لے گئی تھی اور وہ گھر معجزانہ انداز میں حادثے سے بچ گیا تھا۔ ان خاتون نے لالہ رخ کو انتہائی محبت اور اپنائیت سے اپنے سینے سے لگا کر ہمیشہ کے لیے اسے اپنی بیٹی بنانے کا

فیصلہ کرلیا تھا۔ جس کی ایک نومولود بیٹی بھی تھی' مجھے وہ دونوں میاں بیوی بہت شریف اور بھلے لگے' میں وہاں سے مطمئن ہوکر لوٹا تھا۔ میں نے اسی وقت حورین کو فون کرکے یہ بتانا چاہا تو اس کا نمبر بند ملا' پھر میں نے بارہا مرتبہ اسے کال ملائی مگر شاید اس کا نمبر مستقلاً بند ہوچکا تھا۔ میں اس کے گھر کا پتہ بھی نہیں جانتا تھا۔ کچھ عرصہ مجھے یہ سب یاد رہا' پھر دنیا کے جھمیلوں میں گھر کر میں بھی مصروف سے مصروف تر ہوتا چلا گیا۔ میں کافی عرصہ آسٹریلیا میں رہا' ابھی کچھ سال پہلے ہی جب پاکستان آیا تو ایک پارٹی میں حورین کو دیکھ کر چونک اٹھا' وہ خاور حیات کے سنگ مجھے بہت خوش اور مکمل نظر آئی' میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر خاور کو دیکھ کر میرے قدم سست پڑ گئے۔" نجم الدین خاموش ہوئے تو احمر نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا' اس وقت وہ بے حد عجیب سی کیفیت سے گزر رہا تھا احمر نے بڑی نرمی سے اس کا شانہ تھپتھپایا' دونوں مسٹر این ڈی کے بولنے کے منتظر تھے پھر کچھ دیر بعد وہ دوبارہ بولے۔

"میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ خاور حیات کو لالہ رخ کے وجود سے سخت نفرت ہے' حورین کو خوش حال اور پُرسکون دیکھ کر میں نے خود ہی اس سے نہ ملنے کا فیصلہ کیا' مجھے لگا کہ اگر میں نے اسے لالہ رخ کے بارے میں کچھ بتایا تو کہیں اس کی خوشیوں کو گہن نہ لگ جائے' میں سمجھا کہ وہ لالہ رخ کی موت کو قبول کرکے اب اپنی زندگی میں بہت آگے بڑھ گئی ہے کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اس حادثے کی خبر حورین اور خاور کو پہنچ گئی ہوگی مگر اس دن جب میں اپنے دوست کی عیادت کی غرض سے ہاسپٹل پہنچا تو وہاں اپنے پہلو سے خاور حیات کو ڈاکٹر کے ہمراہ گزرتے اور حورین کی کنڈیشن پوچھتے سنا تو میں بری طرح چونک اٹھا تھا۔ میں نے ڈاکٹر صلاح الدین سے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرکے حورین کی بابت دریافت کیا تو تب مجھے معلوم ہوا کہ بظاہر جھیل کی مانند پُرسکون اور مطمئن دکھائی دینے والی حورین نے اپنے اندر کتنے بڑے طوفان کو چھپائے رکھا ہے۔" باسل کے اندر جیسے دھماکے ہورہے تھے اب وہ بے اختیار مسٹر این ڈی کو دیکھ رہا تھا جو اس گھرانہ کے افراد کے نام بتا رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

شام کے اس سہانے پہر فراز شاہ اپنے اپارٹمنٹ کی بالکنی سے سورج کے غروب ہونے کا نظارہ کرتے ہوئے ساتھ ساتھ کافی کی چسکیاں بھی لے رہا تھا جب ہی ماریہ بڑی خاموشی سے اس کے پہلو میں آ کر کھڑی ہوئی۔ فراز نے رخ موڑ کر دیکھا تو آف وائیٹ ٹراؤزر میں گرین رنگ کی کرتی پہنے وہ کچھ سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ تب ہی فراز نے ابرام کی بابت پوچھا تو وہ ہولے سے بولی۔

"بروا اپنے بیڈ روم میں ہیں' وہ بہت جلد واپس لندن جانے والے ہیں۔" ماریہ کی بات پر فراز نے کچھ توقف کے لیے سوچا پھر رسانیت سے بولا۔

"تمہاری مام کی ناراضگی ابھی بھی برقرار ہے۔ آئی ہوپ کہ ابرام وہاں جا کر انہیں تمام سچویشن سے آگاہ کرکے انہیں راضی کرنے کی کوشش کرے گا۔" ماریہ نے بغور ایک نگاہ اس دشمن جان کو دیکھا' جو اس کے دل کی کیفیت سے انجان کتنے مست و مگن انداز میں زندگی گزار رہا تھا' جب کہ ماریہ کی تو جان فراز سے جدا ہونے کے خیال سے سولی پر ٹنگی ہوئی تھی' ماریہ نے خاموشی سے اپنی کافی کا کپ ہونٹوں سے لگایا اور ایک گھونٹ بھر کر دھیرے سے بولی۔

"میرے خیال میں فراز اب مجھے بھی یہاں سے چلے جانا چاہیے۔" فراز جو بڑے خوش گوار انداز میں باہر دیکھ رہا تھا' ماریہ کی غیر متوقع بات سن کر وہ بے ساختہ چونک کر اسے دیکھنے لگا' جس کے چہرے پر اس پل بلا کی سنجیدگی تھی۔

"کیا مطلب؟ میں تمہاری بات نہیں سمجھا ماریہ۔" وہ کافی الجھ کر بولا' جب ہی ماریہ ایک گہری سانس بھرتے ہوئے ہنوز لہجے میں گویا ہوئی۔

Digitized by Google

"فراز آپ نے میرے لیے جو کچھ بھی کیا ہے اس احسان کا بدلہ میں اپنی جان دے کر بھی نہیں چکا سکتی۔ آج جو میں اپنے حقیقی دین پر چل کر ایک صاف ستھری اور پُرسکون زندگی گزار رہی ہوں اس کا سارا کریڈٹ بلاشبہ صرف اور صرف آپ کی ذات کو ہی جاتا ہے اگر اس وقت آپ میری مدد نہیں کرتے تو شاید آج میں زندہ نہیں ہوتی آپ میرے سب سے اچھے دوست ہیں اور مجھے آپ کی دوستی پر ہمیشہ فخر رہے گا۔" فراز مگ سائیڈ پر رکھ کر اپنے دونوں بازو سینے پر فولڈ کیے بغور اسے دیکھتا اور سنتا رہا۔ ماریہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئی پھر دوبارہ سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں ہمیشہ آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں فراز آپ کی زندگی کو مکمل اور آسودہ دیکھنے کی خواہش مند ہوں۔ لہٰذا اب میں مزید آپ کو اپنی ذمہ داریوں کے جال میں قید نہیں رکھنا چاہتی اسی لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مجھے آپ اور لالہ رخ کے درمیان سے اب ہٹ جانا چاہیے۔"

فراز ماریہ کے آخری جملے پر چونکا جب کہ ماریہ اپنے دانتوں سے نچلے ہونٹ کو کاٹتے ہوئے اب باہر دیکھنے لگی تھی دونوں کے درمیان اس پل گہری خاموشی چھا گئی تھی ماریہ اپنے اندر ہوتی ٹوٹ پھوٹ پر بمشکل کنٹرول کیے اپنے آنسو اندر ہی اندر پی رہی تھی جب ہی اس دم ڈور بیل بجی اور ماریہ کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ کچھ دیر بعد لالہ رخ اس کے سامنے تھی جب کہ فراز کسی گہری سوچ میں گم تھا لالہ رخ نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر گلا کھنکھار کر شوخی سے بولی۔

"کیا ماریہ کے بارے میں سوچ رہے ہو؟" اس پل فراز بڑی زور سے چونکا اور بے ساختہ بولا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" جواباً لالہ رخ زور سے ہنس دی۔

"تمہارے چہرے پر اتنا بڑا بڑا ماریہ جو لکھا ہے۔" وہ ہنوز لہجے میں بولی تو فراز دوسرے ہی لمحے بے پناہ جھنجھلا کر کہنے لگا۔

"پتہ ہے یہ احمق لڑکی کیا کہہ کر گئی ہے وہ سمجھ رہی ہے کہ ہم دونوں میں کوئی کمٹ منٹ ہے محترمہ کہہ گئی ہیں کہ میں آپ اور لالہ رخ کے راستے سے ہٹ جانا چاہتی ہوں۔" فراز کو اس پل ماریہ پر بے تحاشا تاؤ آ رہا تھا نجانے وہ کیا اول فول بول کر چلی گئی تھی۔

"اچھا تو تم نے اس کی غلط فہمی کیوں نہیں دور کی۔"

"مجھے اس سے کیا وہ کچھ بھی سوچے۔" وہ بددل ہوا۔

"واقعی تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" لالہ رخ نے اس لمحے بغور اسے دیکھا۔

"آف کورس مجھے کیا فرق پڑے گا وہ جہاں جانا چاہتی ہے چلی جائے۔"

"تم اسے جانے دو گے؟" اس نے فوراً پوچھا۔ "فراز وہ تمہارے نکاح میں ہے۔" لالہ رخ زچ ہوئی۔

"وہ نکاح عارضی تھا۔"

"نکاح عارضی کوئی نہیں ہوتا اس کے تین بول نہ صرف دو اجنبیوں کے درمیان ایک مضبوط رشتہ استوار کرتے ہیں بلکہ دل کے ساتھ ساتھ ان کی روحوں کو بھی جوڑ دیتے ہیں۔" فراز نے اسے الجھ کر دیکھا۔

"پلیز لالہ یہ تم بڑے بوڑھوں والی باتیں مت کرو تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یہ نکاح کن حالات اور شرائط کی بنیاد پر ہوا تھا۔"

"فراز جب حالات بدل چکے ہیں تو ان شرائط کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو لالہ؟" اس نے اچنبھے سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو لالہ رخ نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر رسانیت سے بولی۔

"فراز ماریہ بہت سویٹ لڑکی ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ تمہارے لیے ایک بہترین لائف پارٹنر ثابت ہوگی تم

اس رشتے میں حقیقی رنگ بھر کر اپنی زندگی کو خوب صورت بنا سکتے ہو۔" فراز نے لالہ رخ کو پُرسوچ نگاہوں سے دیکھا پھر کافی الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"مگر لالہ......"

"اُفوہ فراز......اگر مگر کچھ نہیں، تمہیں کسی نہ کسی لڑکی سے شادی تو کرنی ہے ناں تو پھر ماریہ کیوں نہیں۔"

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے یہ سب بے حد آسان ہوگا۔" فراز جل کر بولا تو لالہ رخ نے فوراً سے پیشتر کہا۔

"تمہارے ڈیڈ کو میں راضی کرلوں گی فراز، بس تم اپنے دل کو آمادہ کرلو۔" فراز نے اسے تادیبی نگاہوں سے دیکھا پھر بنا کچھ کہے اس کے پہلو سے نکلتا چلا گیا، جب کہ وہ اسے پیچھے سے آوازیں دیتی رہ گئی پھر چڑ کر بولی۔

"اُف ان موصوف کے تو مزاج ہی نہیں مل رہے۔" ابھی اسے وہاں ٹھہرے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ابرام وہاں چلا آیا وہ فراز کو جاتا دیکھ چکا تھا اس کا مطلب تھا کہ لالہ رخ نے اس سے بات کرلی تھی ابرام ریلنگ کے پاس آ کر خاموشی سے کھڑا ہوا اس کے ملبوس سے اٹھتی کلون اور پرفیوم کی دلفریب مہک لالہ رخ کے اطراف میں پھیل گئی تھی، وہ اس کی آمد اور خوشبو سے تھوڑا الجھی مگر پھر سر جھٹک کر اسے دیکھ کر بولی۔

"میں نے فراز سے بات کی ہے، مجھے یقین ہے کہ فراز بہت جلد اپنی زندگی کے بارے میں کوئی پازیٹو فیصلہ کرلے گا البتہ میں ماریہ سے ابھی بات نہیں کروں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ فراز پہلے اس رشتے کو اپنے دل کی پوری آمادگی کے ساتھ قبول کرلے پھر وہ خود ماریہ سے بات کرے۔" ابرام نے اس کی بات کو سنا پھر تائیدی انداز میں سر ہلا کر کچھ دیر بعد بولا۔

"میں نیکسٹ ویک لندن جارہا ہوں۔" لالہ رخ کو یہ سن کر خفیف سا جھٹکا لگا مگر دوسرے ہی پل اس نے اپنے آپ کو سرعت سے سنبھال لیا۔

"اوکے۔" کہہ کر وہ وہاں سے جانے کو پلٹی ہی تھی کہ ابرام کی گمبھیر آواز نے اسے بے ساختہ ٹھہرنے پر مجبور کردیا۔

"جیسکا مجھ سے ہمیشہ شکوہ کرتی تھی کہ میں اپنا دل اس کے حوالے کیوں نہیں کرتا، مجھے اس کی باتیں انتہائی بچکانہ اور فضول لگا کرتی تھیں، میں اس بات کو بالکل نہیں مانتا تھا کہ کوئی شخص ہمیں اتنا بھی اچھا لگ سکتا ہے کہ اس کی خاطر ہم اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوجاتے ہیں، اس کی قربت اور چاہت حاصل کرنے کے لیے ہر لحہ تڑپتے رہتے ہیں۔" لالہ رخ اس کی جانب رخ موڑ کر بغور اسے سننے لگی۔

"جب جیسکا کی ڈیمانڈز میں شدت آنے لگی تب میں نے اس سے یوں ہی کہہ دیا کہ ایسی فیلنگز جب میں کسی لڑکی کے لیے محسوس کروں گا تو تمہیں اس سے ضرور ملواؤں گا۔" پھر وہ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"مگر جیسکا آج زندہ ہوتی تو میں اسے تم سے ملواتا اور بتاتا کہ وہ لڑکی مجھے آج مل گئی ہے جس کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ میرا ابھی دل دھڑکنے لگا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ بڑی نرمی سے اس کے چہرے پر آئے شریر بالوں کو بڑی محبت اور وارفتگی سے اپنی انگلیوں سے ہٹاتے ہوئے کان کے پیچھے کرنے لگا جب کہ لالہ رخ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اس کی حسین آنکھوں میں مجھے اپنی زندگی مسکراتی دکھائی دیتی ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا بولا۔ "اس کی مغرور ناک مجھے میری حد میں رکھتی ہے اور اس کے ہونٹ......" جیسے ہی ابرام کی پُرحدت انگلیوں نے اس کے لبوں کو چھوا لالہ رخ جیسے گہری نیند سے بیدار ہوئی اس نے انتہائی سرعت سے ابرام کے ہاتھ کو جھٹکا مگر دوسرے ہی لمحے ابرام نے بڑی سہولت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما اور سیدھا اپنے دل پر رکھ کر جذبات سے مہکتے لہجے میں بولا۔

"میرا دل اس کی زلفوں کے جال میں پھنس گیا ہے مگر وہ بہت بے رحم لڑکی ہے۔" پھر دوسرے ہی پل لالہ رخ نے اسے پوری طاقت سے پیچھے دھکیلا اور وہاں سے بھاگتی ہوئی نکل گئی۔

Digitized by Google

میں اس سے بھلا کہاں ملی تھی
بس خواب میں خواب دیکھتی تھی
سایہ تھا کوئی کنار دریا
اور شام کی ڈوبتی گھڑی تھی
کمرے میں چھپا ہوا تھا جنگل
چڑیا نہیں دور بولتی تھی
لپٹی ہوئی دھند کی ردا میں
اک زرد گلاب کی کلی تھی

آج مہرو کی مایوں تھی اور لالہ رخ کل سے چھپ چھپ کر کئی بار رو چکی تھی اُسے گزشتہ شام ابرام کی بے باکی اور اپنی بے بسی مسلسل رولا رہی تھی۔ نجانے وہ دل ہی دل میں کتنی بے شمار گالیاں اسے دے چکی تھی مہرو زرتاشہ اور امی اس کی آنکھوں کے سرخ ڈوروں کو مہرو کی جدائی سے محمول کر رہے تھے۔ انہوں نے فلیٹ کی چند خواتین اور زرینہ کو انوائیٹ کیا تھا شام کو فراز ساحرہ کے ہمراہ مہرو کی بری کا سامان لے آیا تھا جب کہ لالہ رخ کا موڈ جانے کیوں بہت زیادہ آف تھا فراز اسے کئی بار جھنجلاتے ہوئے دیکھ چکا تھا جو لالہ رخ جیسی ٹھنڈے مزاج کی لڑکی کی شخصیت کا بالکل بھی خاصا نہیں تھا فراز نے موقع دیکھ کر اسے جالیا تھا۔

"کیا بات ہے لالہ تم اتنی الجھی الجھی سی کیوں ہو کوئی ٹینشن ہے کیا؟" لالہ رخ نے اسے ایک نگاہ دیکھا پھر چڑ کر بولی۔

"اوہ فراز آپ سب تو میرے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں آخر کیا بات ہوئی ہے۔" اس سے پہلے مہرو اور زرتاشہ بھی اس سے کئی بار اس کے موڈ آف ہونے کی بابت پوچھ چکی تھیں لہٰذا اس پل اس کا جھنجلانا کچھ غلط بھی نہیں تھا۔ فراز نے بے حد حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا تو وہ فوراً ہی موضوع بدل گئی۔ "آپ میری چھوڑیے اپنی بتائیے کہ کیا فیصلہ کیا؟" لالہ رخ اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ تو فراز کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"قارگاڈ سیک لالہ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ آج تو تمہارا ہر انداز ہی نرالا ہے۔ ویسے ابرام تمہارے بارے میں شاید ٹھیک ہی کہتا ہے۔"

"کیا کہتا ہے وہ ایڈیٹ انسان؟" وہ بھنویں اچکا کر بولی۔ "وہ شخص انتہائی اول درجے کا فضول اور..... اور فضول ترین انسان ہے۔" اسے مناسب لفظ ادا کرنے کو نہ ملے تو بے حد تنک کر بولی۔ "مجھے وہ شخص زہر سے بھی زیادہ برا لگتا ہے ہونہہ نجانے خود کو سمجھتا کیا ہے میں دو منٹ میں اس کی طبیعت درست کر دوں گی وہ ابھی لالہ رخ کو جانتا نہیں ہے۔"

"لالہ..... ابرام نے تم سے کچھ کہا ہے کیا؟" فراز نے سنجیدگی سے استفسار کیا تو یک لخت لالہ رخ کو اپنی حماقت کا احساس ہوا اس نے برق رفتاری سے خود کو سنبھالا اور دوسرے ہی لمحے کھسیانی سی ہنسی ہنستے ہوئے بولی۔

"نہیں وہ بھلا مجھ سے کیا کہے گا اتنی ہمت نہیں ہے اس کی ورنہ میں اس کا سر نہ توڑ دوں۔" فراز نے اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔

"آر یو شیور.....؟" لالہ رخ فوراً سے پیشتر بولی۔

"آف کورس شیور فراز چلو آؤ باہر چلتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے نکلی تو فراز وہیں کھڑا کچھ سوچنے لگا تھا۔

ماریہ اور ابرام دونوں ڈنر سے فارغ ہونے کے بعد ادھر ادھر کی باتوں کے دوران کافی سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے کہ اسی پل کال بیل کی آواز پر ابرام تیزی سے اپنی نشست سے اس طرح اٹھا جیسے اسے کسی کے آنے کا انتظار ہو وہ کھانے کے دوران بھی بار بار اپنی کلائی میں بندھی گھڑی کو دیکھ رہا تھا۔ جب کہ ماریہ کے پوچھنے پر اس نے اسے ٹال دیا تھا' ماریہ نے اس وقت بھی کافی حیرت سے ابرام کی عجلت کو دیکھا اور پھر کچھ ہی لمحوں بعد جو شخصیت اس کی نگاہوں کے سامنے آئی اسے دیکھ کر ماریہ ششدر رہ گئی وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی' پھر کچھ دیر انہیں بھونچکا سی ہو کر دیکھنے کے بعد سرعت سے ان کی جانب بڑھی اور ان کے سینے سے لگ گئی۔

''مام آپ یہاں......! او گاڈ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ میری مام میری نظروں کے سامنے کھڑی ہیں یہ...... یہ کوئی خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے۔'' وہ بے قراری سے کہتی ان سے لپٹ گئی۔ ''او...... مام آئی مس یو آلاٹ' میں آپ کو کتنا یاد کرتی تھی آپ کو بتا نہیں سکتی۔'' جیکولین بالکل سپاٹ سی کھڑی رہیں۔

''مام پلیز مجھے معاف کر دیجیے آئی سوئیر میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔'' کہتے ہوئے وہ جیکولین کے پیروں کو پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی اور زار و قطار رونے لگی' کچھ دیر تو جیکولین یوں ہی ساکت کھڑی رہیں پھر جھک کر ماریہ کو بازوؤں سے تھام کر اٹھایا اور دوسرے ہی لمحے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

''مام کی جان...... میں نے بھی آپ کو بہت مس کیا۔'' جیکولین کپکپاتی آواز میں بولی تھیں۔

باسل حیات نے فی الحال مسٹر این ڈی سے ہوئی ملاقات اور اس حقیقت سے کہ لالہ رخ زندہ ہے خاور حیات کو لاعلم ہی رکھا تھا۔ اب وہ احمر کے ساتھ سر جوڑے اس نہج پر سوچ رہا تھا کہ وہ اس عورت کو کیسے تلاش کرے' جس کا انہیں صرف نام ہی معلوم تھا' جب ہی احمر بول پڑا۔

''یار باسل ایسا کیوں نہ کریں کہ ہم اسی لالہ رخ سے اس کے پیرنٹس کا نام پوچھ لیں ہوسکتا ہے کہ اس کی والدہ کا نام پارس بیگم ہی ہو۔'' باسل نے پُرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

''یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا' چلو میں ابھی اور اسی وقت انہیں فون کرتا ہوں۔'' وہ عجلت بھرے انداز میں بولا۔ اور پھر اس نے لالہ رخ کا نمبر ملایا' بیل جاتی رہی مگر اس نے کال ریسیو نہیں کی' اس نے کئی بار ڈائل کیا مگر ہر بار اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا' معاً اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تو اس نے فوراً سے پیشتر زرتاشہ کو کال ملائی' چند ہی منٹوں میں زرتاشہ لائن پر تھی۔

''خیریت تو ہے ناں باسل صاحب آپ نے اس وقت فون کیا؟'' وہ متعجبانہ لہجے میں بولی تو باسل پل بھر کے لیے گڑبڑایا پھر خود کو سنبھالتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

''جی زرتاشہ بالکل خیریت ہے' دراصل احمر نے مجھ سے کال کروائی ہے' زرینہ فون نہیں اٹھا رہی تھی تو اس نے کہا کہ آپ سے پوچھ لوں۔'' احمر نے یہ سن کر اس کے کندھے پر زوردار مکا رسید کیا۔

''او اچھا انیچولی آج مہرو کی مایوں تھی' تا تو زری یہیں رک گئی ہے ذرا بزی بھی تھی۔'' زرتاشہ مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تو باسل سہولت سے بولا۔

''او کے نو پرابلم زرتاشہ آپ کا فل نیم کیا ہے۔'' باسل نے اس پل اپنے لہجے کو سرسری رکھا تھا۔

''میرا فل نیم زرتاشہ امیر ہے' زرتاشہ امیر علی۔'' وہ معروف سے انداز میں بولی جبکہ اس لمحے زرتاشہ کے ادا کیے گئے

Digitized by Google

لفظوں کی بازگشت اس کے اطراف میں زور و شور سے ہونے لگی۔ "اور آپ کی مدر کا کیا نام ہے۔" وہ گم صم سا ہو کر بولا۔

"ان کا نام پارس ہے پارس امیر علی اچھا باسل صاحب اب میں فون رکھتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ رابطہ منقطع کر گئی تھی جبکہ باسل ساکت کھڑا رہ گیا تھا احمر نے اس کی کیفیت سے قدرے خائف ہو کر اس کے بازو کو جھنجھوڑا تو یک لخت اس کا سکتہ ٹوٹا تو وہ تڑپ کر بولا۔

"احمر وہ..... وہ مل گئیں وہ لالہ رخ ہی مما کی بیٹی ہیں ان کی لالہ رخ ہیں احمر لالہ رخ مل گئی..... وہ مل گئی مما کی بیٹی لالہ رخ ہی ہے۔" وہ اس پل بے پناہ عجیب سی کیفیت سے دوچار ہوا کبھی ہنس دیتا کبھی رونے لگتا یہ دیکھ کر احمر کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

فراز لالہ رخ کے گھر سے آ کر سیدھا کامیش کے روم میں چلا آیا وہ اس وقت کچھ ضروری فائلز چیک کر رہا تھا فراز کو دیکھ کر اس نے فائل بند کر کے ایک طرف رکھی فراز نے مسکراتے ہوئے اپنا سیل فون اس کی جانب بڑھایا تو اس نے استفہامیہ نگاہوں سے پہلے فون کو پھر فراز کو دیکھا۔

"اس میں مہرو کی تصویریں ہیں جو میں نے صرف تمہارے لیے کھینچی ہیں دیکھ لو برادر تمہارے بھائی نے چاند کا ٹکڑا تمہارے لیے ڈھونڈا ہے۔" فراز کے شوخ انداز پر کامیش دلکشی سے مسکرایا اور فون کو نظر انداز کر کے بولا۔

"میں ان میڈیم کو شادی والے دن ہی دیکھ لوں گا مگر تم مجھے یہ بتاؤ کہ جو چودھویں کا چاند تم نے سب سے چھپا کر رکھا ہوا ہے اسے کب لوگوں کے سامنے لے کر آؤ گے۔" کامیش کو اس پل فراز نے فہمائشی نگاہوں سے دیکھا پھر بے پروائی سے بولا۔

"او کم آن کامیش یہاں میرا کیا ذکر تم بس اپنی سناؤ۔" کامیش جو کاؤچ پر ریلیکس سے انداز میں بیٹھا تھا یک دم سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

"میرے بھائی شاید آپ یہ بات بھول رہے ہیں کہ آپ مجھ سے بڑے ہیں اور اصولاً تو آپ کی پہلے شادی ہونی چاہیے تھی۔ مگر چلو خیر اب دوسری بار بھی میری ہی شادی پہلے ہو رہی ہے تو کم از کم تم مما اور ڈیڈ کو ماریہ کے بارے میں بتاؤ تو سہی۔"

"ارے یار..... کامیش اب پلیز تم بھی شروع مت ہو جانا وہاں اسی بات کو لے کر لالہ رخ نے میرا دماغ خراب کیا ہوا ہے۔" فراز قدرے بیزاری سے بولا تو کامیش نے چند ثانیے اسے بغور دیکھا پھر بڑی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"فراز جانتے ہو ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت نیک عورت ہوتی ہے خوش نصیب ہے وہ مرد جس کی بیوی باکردار باعصمت اور باوقار ہو ماریہ بھابی میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم موجود ہیں انہیں کھونے کی غلطی کبھی مت کرنا فراز ورنہ ساری عمر پچھتاؤ گے۔" فراز کامیش کو محض دیکھتا رہ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

وہ بستر پر اپنی آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی جب مہرو دھم سے اس کے قریب آ کر بیٹھی۔

"یا وحشت مہرو تم آرام سے بھی تو بیٹھ سکتی تھیں ناں تم کبھی نہیں سدھرو گی۔" لالہ رخ انتہائی چڑ کر بولی پیلے مالیوں کے سادہ سے شلوار سوٹ میں اس کے وجود سے اٹھتی ابٹن اور تیل کی مہک میں بسی مہرو اس پل کافی خوش دکھائی دے رہی تھی۔ اس وقت وہ اتنی معصوم اور خوب صورت لگ رہی تھی کہ لالہ رخ یک ٹک اسے دیکھتی رہی پھر دوسرے ہی لمحے اس نے مہرو کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

"مہرو میں بہت خوش ہوں اللہ کرے تجھے ڈھیروں خوشیاں نصیب کرے تیری گود میں موٹے گول گپلو بچے کھیلیں تو....."

"اچھا بس بس باقی دعائیں بعد میں دے دینا پہلے اس بندے کا نام بتاؤ جس نے میری لالہ کو اتنا تنگ کر کے رکھا ہوا ہے۔" مہرو اس کے سینے سے لگی بڑے مزے سے بولی تو لالہ رخ جیسے کرنٹ کھا کر اس سے الگ ہو کر انتہائی تحیر کے عالم میں اسے دیکھ کر ہکلا کر بولی۔

"ک..... کیا مطلب مہرو.....!" تب ہی مہرو ہنوز لہجے میں بولی۔

"اب میرے سامنے اداکاری کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں' پہلے تو میں ہی یہی سمجھی کہ یہ نیر مابدولت کی جدائی میں بہائے جا رہے ہیں مگر پھر جلد سمجھ میں آ گیا کہ اس کے پیچھے تو کوئی اور راز ہے اب سیدھے طریقے سے فر فر بتاؤ ورنہ....." وہ قصداً بات ادھوری چھوڑ کر اسے خونخوار انداز میں دیکھنے لگی جب ہی لالہ رخ ہتھیار ڈالتے ہوئے اپنا سر جھکاتے روہانسی ہو کر بولی۔

"مہرو وہ بہت کمینہ ہے اور انتہائی بدتمیز اور بے ادب بھی۔" یہ سن کر مہرو نے بڑی بردباری سے سر ہلایا۔

"میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ اس ایڈیٹ کا خون پی جاؤں' نجانے خود کو سمجھتا کیا ہے۔" وہ ایک بار پھر کلسنے لگی تھی۔

"ہوں..... کون ہے وہ؟"

"ماریہ کا بھائی ابرام۔" لالہ رخ تیزی سے بولی تو مہرو نے آنکھیں مٹکا کر اسے دیکھا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ اس نے تم سے کیا کہا؟" وہ سقراط بنتے ہوئے اپنی شہادت کی انگلی ٹھوڑی پر رکھ کر بولی تو لالہ رخ بری طرح جھنجھلا گئی' پھر اس نے مہرو کی آنکھوں میں شرارت اور مسکراہٹ کو دیکھا تو اپنا تکیہ زور سے اس کے سر پر دے مارا۔

"دفع ہو جاؤ تم یہاں سے سمجھیں۔" جواباً مہرو کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا تھا۔

❁.....❁.....❁

باسل نے اگلی صبح سمیر شاہ سے رابطہ کیا اور انہیں باہر کسی کافی شاپ میں بلا کر تمام حقائق سے آگاہ کر دیا۔ سمیر شاہ تو کافی دیر باسل کو انتہائی بے یقین انداز میں دیکھتے رہے۔ پھر بے پناہ مسرت آمیز لہجے میں بولے۔

"باسل کیا واقعی یہ سب سچ ہے' یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ لالہ رخ زندہ ہے ورنہ تو اس کی موت ہمارے دلوں کا ناسور بن گئی تھی' کیا وہی لڑکی جو فراز کی گرل فرینڈ ہے لالہ رخ ہے؟" انہوں نے بے یقینی سے پوچھا۔

"جی انکل مام کی کھوئی ہوئی لالہ رخ اور میری بہن۔" اس پل باسل کے لب و لہجے میں لالہ رخ کے لیے محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا محسوس ہو رہا تھا۔

"باسل یہ تو معجزہ ہو گیا ہماری لالہ رخ ہمیں مل گئی' وہ ہمارے ہی درمیان تھی اور ہم اسے پہچان نہیں پائے۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولے پھر کافی دیر ان دونوں کے درمیان اسی ٹاپک پر گفتگو جاری رہی۔

"بیٹا کل کامیش کی شادی ہے میں اس فنکشن سے فارغ ہو کر حورین بھابی کی طبیعت کو دیکھ کر ہی یہ خوش خبری سناؤں گا کیونکہ وہ ابھی بیمار ہیں' کہیں اتنی بڑی خوشی ان کی صحت کے لیے زحمت نہ بن جائے۔" سمیر شاہ سنجیدگی سے بولے تو باسل نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔

❁.....❁.....❁

کامیش آفس آیا تو مری تھانے سے ایس پی فیصل بخاری نے رپورٹ بھیجی کہ ہٹو کے مرڈر اور مہرینہ پر دست درازی کرنے والے ملزم داور حبیب نے دو دن پہلے خودکشی کر لی ہے۔ وہ ملک سے فرار ہو کر ملائیشیا چلا گیا تھا جہاں کچھ عرصے

پہلے اس کا بہت ہی سنگین کار ایکسیڈنٹ ہوا تھا جس میں وہ اپنی دائیں ٹانگ اور ایک آنکھ سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جانے کے سبب ہمیشہ کے لیے معذور ہوگیا تھا' ملک دلاور کو اس حادثے کی اطلاع مل گئی تھی' وہ فوراً اپنے بیٹے کے پاس پہنچا تھا جو کافی عرصے سے ہاسپٹل میں زیر علاج تھا' اذیتوں اور تکلیفوں سے پُر زندگی کا ہر لمحہ اسے اپنے گزشتہ کیے گئے مظالم کی یاد دلاتا تھا' وہ دھاڑیں مار مار کر روتا تھا' اپنے ظلم کا شکار ہوئے لوگوں کا نام لے لے کر وہ چلا چلا کر معافیاں مانگتا تھا' مگر چہار سو صرف بے بسی اور لاچاری تھی۔ اس نے اس عبرت انگیز زندگی سے چھٹکارا پانے کے لیے خودکشی کرلی تھی' یوں مہرینہ اور بنٹو کیس کی فائل اب بند ہوگئی تھی۔ کامیش تاسف بھری کیفیت میں بیٹھا قدرت کے اس عظیم انتقام کی بابت سوچ رہا تھا' جس نے معصوم جانوں کے خون کا کیا خوب انتقام لیا تھا۔ صحیح کہا تھا کسی نے کہ اللہ کی چکی آہستہ چلتی ہے مگر باریک پیستی ہے۔ آج بنٹو اور اس جیسے اور مظلوموں کو انصاف مل گیا تھا' کامیش نے یہ اطلاع لالہ رخ کو پہنچائی تو اسے سن کر وہ چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش اور ساکت سی کھڑی رہ گئی تھی' پھر اس نے امی زرتاشہ اور مہرو کو بھی سب کچھ بتا دیا تھا' اس لمحے کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی تھی' پھر سب سے پہلے مہرو بولی۔

''لالہ کیا آج ناشتے کی ہڑتال ہے؟ افوہ پلیز یار جلدی کرو' مجھے بہت سخت بھوک لگ رہی ہے۔'' وہاں بیٹھے تمام نفوس مہرو کی آواز پر چونکے' جب کہ لالہ رخ ہنستے ہوئے اٹھ کر بولی۔

''ابھی لائی ہوں ناشتہ پیٹو رانی۔'' پھر زرتاشہ مہرو سے اپنے کپڑوں کے حوالے سے بات کرنے لگی جو اسے آج مہرو کی شادی میں پہننے تھے۔

❁......❁......❁

ابرام نے یہاں ماریہ اور فراز سے ملنے کے بعد جیکولین سے رابطہ کرکے ماریہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا' جسے سن کر وہ بالکل خاموش ہوگئی تھی' جب ہی ابرام لجاجت آمیز لہجے میں بولا تھا۔

''پلیز...... ماریہ کو معاف کردیجیے مام' وہ اپنی مرضی کی زندگی جی رہی ہے' اسے اپنی زندگی گزارنے دیجیے وہ آپ سے بے تحاشا محبت کرتی ہے' آپ کو ہر وقت یاد کرتی ہے' اس کی ہر خوشی آپ کے بنا ادھوری ہے۔ آپ اسے قبول کرکے اس کی خوشیوں کو مکمل کردیجیے۔'' جیکولین نے ابرام کی بات سن کر خاموشی سے فون بند کردیا تھا۔ پھر کچھ دنوں بعد دوبارہ ابرام نے اسے فون کیا تو وہ یہ بات بخوبی جانتا تھا کہ مام بھی ماریہ کے لیے اندر ہی اندر تڑپ رہی ہیں مگر باہر سے بظاہر انہوں نے بے حسی اور سختی کا خول چڑھا رکھا ہے' بلآخر ایک دن برف پگھل ہی گئی' اس نے ماریہ کا ایڈریس لے کر بہت جلد پاکستان آنے کا مژدہ سنایا' یہ سن کر ابرام کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور پھر کل رات ہی وہ اچانک ماریہ کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی' جب کہ ماریہ کو ابرام نے محض سرپرائز دینے کے خیال سے کچھ نہیں بتایا تھا ماریہ ناشتے سے فراغت کے بعد جیکولین کے ساتھ بیٹھی تھی۔ جب ادھر ادھر کی باتوں کے بعد جیکولین پُرسوچ انداز میں ماریہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

''ماریہ ڈیئر مجھے تمہاری زندگی کے حوالے سے ایک بہت اہم اور خاص بات بتانی ہے۔'' اس پل ابرام نے بھی اپنی ماں کو چونک کر دیکھا' جب ہی جیکولین ابرام کی جانب رخ پھیر کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ابرام...... میں نے تم سے وعدہ لیا تھا کہ تم ماریہ کو اس کے باپ کی حقیقت کبھی نہیں بتاؤ گے۔'' ابرام پزل سا ہوگیا۔

''ہاں ماریہ میں نے تمہارے لندن سے چلے جانے کے بعد تمہارے باپ کی سچائی ابرام کو بتادی تھی مگر اس وقت میں بہت غصے میں تھی' میں نے ابرام کو اپنے کیے گئے وعدے کا پابند کردیا تھا کہ وہ تمہیں کچھ نہ بتائے مگر اب مجھے لگتا ہے کہ تمہیں تمہارے باپ کی حقیقت معلوم ہونی چاہیے ورنہ یہ تمہارے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔'' ماریہ کچھ نا سمجھتے

Digitized by Google

ہوئے حیران ہو کر کبھی ابرام کو دیکھ رہی تھی تو کبھی جیکولین کو جب ہی وہ ایک گہرا سانس بھر کر بولیں۔

"ایڈم جو تمہارا باپ ہے اس کا نام ایڈم نہیں بلکہ احتشام ہے احتشام حالم۔" ماریہ جیکولین کے منہ سے انتہائی غیر متوقع بات سن کر ہک دک سی بیٹھی رہ گئی "احتشام" وہ بمشکل زیر لب بڑبڑائی پھر انتہائی ہراساں نگاہوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے بڑی دقتوں سے بولی۔

"احتشام نام تو مسلم ہے مام تو بھلا ڈیڈ کا نام یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" جیکولین نے ایک نظر اس کے زرد چہرے کی جانب دیکھا پھر تیزی سے بولتی چلی گئیں۔

"اس لیے کہ وہ خود بھی مسلم ہے ایک مسلمان گھرانے کا مسلمان بیٹا جس نے دولت اور عیاشوں کے عوض میرے کہنے پر اپنے مذہب کو چھوڑ دیا تھا۔" اس پل جیکولین کے لب و لہجے میں احتشام کے لیے تحقیر و حقارت کے رنگ بخوبی چھلک رہے تھے۔

"کیا.....!" ماریہ اس انکشاف کو سن کر بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مام یہ..... یہ..... آپ کیا کہہ رہی ہیں بھلا ڈیڈ مسلم کیسے ہو سکتے ہیں او میرے اللہ یہ سب کیا ہے میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" ماریہ نے بے یقینی سے جیکولین کو دیکھا۔

"مام اس بات کا کیا مطلب ہے آپ مجھے کھل کر سب کچھ بتایئے۔" ماریہ بے پناہ الجھ کر بولی۔ جب ہی ابرام اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے رسانیت سے بولا۔

"دیکھو ماریہ حقیقت بہت تلخ ہے تم پلیز ہمت سے کام لو اور اسے برداشت کرنے کی کوشش کرو کیوں کہ سچائی سے منہ موڑنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے اوکے۔" جواباً ماریہ نے ابرام کو خالی خالی نگاہوں سے دیکھا پھر خود پر قابو پاتے ہوئے قدرے مضبوط لہجے میں بولی۔

"بتایئے مام میں سب کچھ سننے کو تیار ہوں۔" جیکولین اسے سب کچھ بتاتی چلی گئی جب کہ حقیقت جان کر ماریہ کا دل چاہا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دے کہ ایک مسلمان گھرانے سے تعلق ہونے کے باوجود اس نے اپنی زندگی کے اٹھارہ سال کسی غیر مذہب کی تقلید کرتے ہوئے گزارے اور جب اللہ پاک نے خود آگے بڑھ کر اسے اس کے اصل سے ملوایا تو کتنی صعوبتیں اسے برداشت کرنا پڑیں۔ اسے اس پل اپنی ماں پر بھی بے تحاشہ غصہ آیا جس کی خود غرضی اور مطلب پرستی کے سبب اس کے نام نہاد مسلمان باپ سے اس کا مسلم نام بھی چھین لیا تھا۔

"احتشام کی شاید اپنی پہلی بیوی سے کوئی بیٹی بھی پیدا ہوئی تھی ایک بار اس نے اس کا تذکرہ کیا تھا۔" ماریہ اور ابرام دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ جب ہی جیکولین کی پُر سوچ آواز ابھری اس دم ماریہ اور ابرام نے بے حد چونک کر اسے دیکھا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

Digitized by Google

مشکل سفر منزل آسان

سلمیٰ غزل

اپنے سامنے دور جدید کی مسکراتی چہچہاتی بلبل کو دیکھ کر عالیان نے اسے پہچاننے سے انکار کردیا تھا۔ اس کے حسن کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چندھیا گئیں تھیں۔ سلیولیس ٹی شرٹ ٹائٹ جینز اور اس پر غضب ڈھاتا دھوپ کا چشمہ ماتھے پر ٹکا تھا اور خوب صورت سنہری بال اس کے شانوں پر لہراتے بے حد خوب صورت لگ رہے تھے۔

"ہیلو عالیان۔" اس کے سکتے کو نمرہ کی کھنکھناتی ہوئی آواز نے توڑا۔

"السلام علیکم!" اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے شائستگی سے سلام کیا تو نمرہ نے ہنستے ہوئے ایک خوب صورت پھولوں کا ہار اس کے گلے میں ڈال دیا۔

"آنٹی، انکل کہاں ہیں؟" اس نے ہار کو گلے سے اتارتے ہوئے سوال کیا۔

"یار..... یہاں ایئر پورٹ پر بیٹھنے کی تو کوئی جگہ ہے نہیں، اس لیے میں نے انہیں گاڑی میں ہی چھوڑ دیا۔ کھڑے کھڑے تھک جاتے۔" اس نے ٹرالی کے ساتھ چلتے ہوئے جلدی سے کہا اور وہ حیرت سے اس خوب صورت پھولوں کی لچکدار ڈالی کو دیکھنے لگا۔ جو پانچ سال میں کتنا بدل گئی تھی۔

آنٹی انکل بڑی گرم جوشی سے ملے اور اس کی آنکھیں کسی اور کو ڈھونڈنے لگیں۔ اس نے۔ بے قراری سے روا کے بارے میں پوچھنا چاہا لیکن پھر جھجک گیا۔ نمرہ نے مہارت سے گاڑی پارکنگ ایریا سے نکالی۔ انکل بڑی محبت سے اس سے باتیں کررہے تھے اور وہ آنکھیں پھاڑے شاہراہ فیصل کو دیکھ رہا تھا۔ پانچ سال میں دنیا کتنی بدل گئی تھی۔ گاڑیوں کا اژدھام، قدم قدم پر فلائی اوورز اونچی اونچی عمارتیں اور سب سے بڑھ کر لہراتی، بل کھاتی حسینائیں۔ جب پاکستان سے گیا تھا تو عموماً ایک کاندھے پر دوپٹا لہرا رہا ہوتا تھا یا گردن کے گرد اٹکا ہوا لیکن اب دوپٹا کہاں تھا؟ خود سے سوال کیا؟ بے شک ٹیکنالوجی میں ہم بیرونی ممالک کے عشر عشیر بھی نہ تھے لیکن رشوت خوری، چور بازاری، مفاد پرستی مہنگائی اور بے حیائی میں ہم نے اچھے اچھوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ تو یہ تھا نیا پاکستان۔ عالیان جس ملک سے آیا تھا۔ اس کے نظم وضبط نے سب سے زیادہ اس کو متاثر کیا تھا وہ سوچتا تھا۔

"اس ملک میں کوئی مسلمان نہیں مگر ہر شخص اسلام کے اصولوں پر کاربند ہے۔ مسلمانوں کی ساری خوبیاں انہوں نے اپنالی ہیں لیکن مسلمان اسلام کی ساری خوبیاں چھوڑ کر اس راستے پر جارہے ہیں جو صرف تباہی اور بربادی کا ہے۔"

جس تیزی سے گاڑی رواں تھی اسی تیزی سے اس کا ذہن ماضی کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

وہ ایک امیر باپ کا ایسا بیٹا تھا جس کی ماں اس کی پیدائش کے وقت چل بسی تھی اور باپ کو ماں سے اور عالیان سے اتنی محبت تھی کہ انہوں نے پھر شادی نہیں کی اور عالیان کو ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ وہ ناز ونعم سے پلا ہوا بے حد نیک اور شریف بچہ تھا۔ زندگی کے ہر امتحان میں اول آنے والا۔ وہ باپ کا فخر تھا اور اسے اپنے باپ کی قربانیوں کا احساس بھی تھا۔ جب وہ بارہ سال کا ہوا تو ایک حادثے میں اس کا باپ بری طرح زخمی ہوگیا۔ زندگی سے مایوس ہوکر انہوں نے اپنے عزیز دوست ذیشان کو پکارا اور اپنے بیٹے کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ انہوں نے رشتہ داروں پر بھروسا نہیں کیا۔ جن سے زندگی میں ہی جائیداد کے سلسلے میں مقدمہ بازی چلتی رہی تھی۔ مقدمہ تو وہ جیت گئے مگر دلوں میں فرق آ گیا جو تا زندگی بھر نہ سکا۔ حالانکہ وہ مالی طور پر ان کی مدد کرتے رہے مگر جانتے تھے وہ سب مطلبی لالچی اور ابن الوقت قسم کے لوگ ہیں۔ اس لیے انہوں نے ذیشان پر بھروسا کرنا زیادہ بہتر سمجھا۔ جو ان کے دکھ درد کے ساتھی

مخلص رفیق اور بہترین دوست تھے۔ مرنے سے پہلے ساری جائیداد بیٹے کے نام کرکے سرپرست کی جگہ ذیشان کا نام لکھوا دیا۔ یہ جائیداد اس کو پچیس سال کی عمر میں ملنا تھی۔ ذیشان نے حق دوستی ادا کرتے ہوئے اس ذمہ داری کو نبھانے کی پوری کوشش کی۔ اپنے بچے کی طرح اس کا خیال رکھا مگر ذیشان کی بیوی کو یہ پسند نہ تھا۔ عالیہ آئے دن عالیان کو لے کر گھر میں ہنگامہ کھڑا رکھتی تھی۔

"یہ گھر ہے یتیم خانہ نہیں اور نہ یتیموں کو پالنا میری ذمہ داری ہے۔" وہ چلا چلا کر عالیان اور روا کے سامنے بولتی۔

روا بھی عالیان کی طرح بے سروسامانی کی حالت میں ذیشان کی سرپرستی میں آئی تھی۔ وہ تھی تو عالیہ کی خالہ زاد بہن کی بیٹی لیکن خیال اس کا بھی ذیشان ہی رکھتے تھے۔ جب بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں روا کی ماں کو طلاق ہوئی تو باپ نے بیٹی سے بھی لاتعلقی کا اعلان کردیا۔ ماں بے چاری دو سال کے اندر ختم ہوگئی۔ روا اس وقت پانچ سال کی تھی۔ غربت کی وجہ سے کسی رشتہ دار نے اسے منہ نہ لگایا۔ تو اس وقت بھی ذیشان نے روا کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور عالیہ کو سمجھایا۔

"یتیم کی سرپرستی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ کچھ نیکی تم بھی کمالو۔"

"یہ نیکی آپ ہی کمائیں، مجھے کوئی شوق نہیں، میں نے کوئی ٹھیکہ نہیں لیا ہوا یتیموں کو پالنے کا۔" اس نے تڑخ کر جواب دیا اور ذیشان مایوسی سے سر ہلا کر رہ گئے۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

عالیہ کی اکلوتی بیٹی نمرہ، روا سے تین سال بڑی بے حد نک چڑھی اور خود سر بچی تھی۔ ماں باپ کے لاڈ پیار نے اس کو بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اپنی راج دھانی میں اس کو روا اور عالیان کی آمد ذرہ نہ بھائی۔ وہ دونوں اب اسی مہنگے اسکول میں جاتے تھے جہاں نمرہ پڑھتی تھی۔ سونے پر سہاگہ کہ دونوں ہی نمرہ کے مقابلے میں ذہین محنتی اور اساتذہ کے منظور نظر تھے۔ گھر کا ماحول بدل گیا تھا جس کا علم اپنی مصروفیت کی وجہ سے ذیشان کو بالکل نہیں تھا۔ اسکول سے آنے کے بعد عالیہ اور نمرہ دونوں بچوں کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھتیں تاکہ انہیں پڑھنے کا موقع نہ ملے لیکن ذیشان کی موجودگی میں دونوں ماں بیٹی کا رویہ یکسر بدل جاتا۔ ذیشان نے بارہا عالیان سے پوچھا لیکن وہ ان کی مشکلات میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ان کا یہی احسان کیا کم تھا کہ ان کی سرپرستی میں اسے عزت سے پڑھنے کا موقع مل رہا تھا۔ دونوں ایک سے حالات کا شکار تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر ایک دوسرے کا خیال بھی رکھتے تھے۔ پھر دونوں بن ماں باپ کے بچے، عالیہ کی جھڑکیاں اور طعنے سن سن کر جوان ہوگئے۔

روا عالیان کا بے حد خیال رکھتی تھی۔ جب کہ نمرہ اس کی شکل سے بھی خار کھاتی تھی۔ عموماً وہ دونوں کی تضحیک اور تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔

جس سال عالیان نے این ای ڈی سے بی ای امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ اسی سال روا نے بھی انٹر کرکے میڈیکل میں داخلے کے لیے انٹری ٹیسٹ دیا۔ نمرہ نے

Digitized by Google

یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا کیونکہ ردا سے حسد کی ایک وجہ اس کا اکیڈمک ریکارڈ بھی تھا۔ نمرہ کو پڑھنے سے زیادہ بننے سنورنے، موبائل پر چیٹنگ اور گھومنے پھرنے کا شوق تھا جب کہ ردا اس سے کوسوں دور تھی۔ حالات نے اسے بچپن ہی سے زود رنج حساس اور باشعور بنا دیا تھا۔ وہ جلد از جلد اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتی تھی۔ وہ اپنے انکل کی احسان مند تھی جو ہمیشہ مشکل وقت میں بیوی اور بیٹی کے آگے اس کی ڈھال بن جاتے تھے۔ پھر عالیان کا اخلاقی سہارا بھی اسے حوصلہ دیتا تھا۔ عالیان ایم ایس کرنے امریکہ جانا چاہتا تھا۔ ذیشان بھی اس کے حق میں تھے لیکن عالیہ نے گھر سر پر اٹھا لیا تھا۔

"کب تک ہم ان یتیموں کا بوجھ اٹھائیں گے۔ ماں باپ تو مر گئے اور عذاب ہمارے سر چھوڑ گئے۔ بس اب اور نہیں، خود کمائے اور اپنا بوجھ اٹھائے۔" عالیان میں بڑا تحمل اور برداشت تھا مگر اس دن جو عالیہ نے احسانوں کا ایک بوجھ اس پر لادا اور ماں باپ کا طعنہ دیا تو وہ برداشت نہ کر سکا اور پھٹ پڑا۔

"آنٹی...... میں آج تک صرف انکل کی وجہ سے خاموش تھا ورنہ زبان تو میرے منہ میں بھی تھی۔ آج میں آپ کے سارے احسانوں کا بوجھ اتارنا چاہتا ہوں۔ پوچھیے انکل سے کتنا خرچ کیا ہے انہوں نے مجھ پر آج میں سارا حساب بے باق کر دوں گا...... بتائیے انکل؟" ذیشان جو بیوی کی باتوں پر شرمندہ ہو رہے تھے بتانے پر مجبور ہو گئے کہ وہ کتنی بڑی جائیداد کا مالک ہے اور اس پر کسی کا احسان نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس گھر میں رہا۔ عالیہ اور نمرہ سن کر سناٹے میں آ گئیں۔

"اس کے باوجود میں آپ کا اور نمرہ کا ممنون ہوں کہ آپ کے رویے نے مجھے عزم و حوصلہ اور کچھ کر گزرنے کی طاقت دی۔ آج میں جو کچھ ہوں صرف اسی وجہ سے ہوں مگر اب میں ایک دن کے لیے بھی نہیں رکوں گا۔" پھر ذیشان اور سب گھر والوں کے اصرار کے باوجود اس نے رخت سفر باندھ لیا۔ رخصتی سے پہلے ردا اس کے کمرے میں آ کر بڑے حوصلے سے بولی۔

"عالیان...... آپ ضرور امریکہ پڑھنے جائیں۔ میں ہر روز آپ کی کامیابی کے لیے دعا کروں گی۔" اس سے آگے اس سے بولا نہ گیا، دل بھر آیا تھا اور بھیگی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔ وہ خاموشی سے پلٹ گئی تو وہ ہمدردی اور محبت کی اس مورتی کو دیکھتا رہ گیا جو اس گھر میں اس کی سب سے بڑی غم گسار اور سہارا تھی۔ ہمیشہ یاد رہنے والی۔

"کس دنیا میں گم ہو، گھر آ گیا ہے۔" نمرہ نے اس کو جھنجھوڑتے ہوئے شوخی سے کہا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اس کا سب سے پہلے سامنا ردا سے ہوا۔ وہ آج بھی ویسی ہی تھی۔ سیدھی سادی معصوم، اپنی ذات میں مگن۔ عالیان کو دیکھ کر اس کے چہرے پر روشنی سی پھیل گئی تھی۔

"کیسے ہیں آپ؟" اس نے سلام کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم ایئرپورٹ کیوں نہیں آئیں؟" عالیان نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے شکایت کی۔ نمرہ نے اس کو تقریباً دھکیلتے ہوئے اندر کی طرف گھسیٹا۔

"کہاں اس روتی بسورتی لڑکی کے ساتھ وقت ضائع کرنے بیٹھ رہے ہو۔ اندر چلو، ممی نے آج تمہارے لیے کھانے پر خاص اہتمام کیا ہے۔"

"آخر میرے ساتھ یہ مہمانوں والا سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟" میز پر انواع و اقسام کے کھانے دیکھ کر عالیان نے احتجاج کیا۔

"بس بیٹا...... ہم نے سوچا پانچ سال امریکہ رہ کر آئے ہو۔ بدیسی کھانے کھا کھا کر اوب گئے ہوں گے۔ اس لیے خاص طور پر تمہارے لیے دیسی کھانے بنوائے ہیں۔" عالیہ اتنی محبت سے گویا ہوئیں کہ ذیشان اور نمرہ حیرت سے ان کو دیکھنے لگے اور ردا مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"ارے آنٹی...... ہم چاروں دوست جس اپارٹمنٹ میں رہ رہے تھے وہ بالکل سینٹرل پلیس تھا اور ہم چاروں ٹھہرے

Digitized by Google

کھانے کے شوقین، ہر طرف پاکستانی اور انڈین کھانوں کے بے شمار ریسٹورنٹ تھے اور خاص طور پر پاکستانی مسالوں کی تو وہاں بڑی دھوم ہے۔ چھٹی کے علاوہ ہم چاروں باری باری کھانا پکاتے تھے لیکن چھٹی کے دن مکمل عیاشی کیونکہ اس دن صفائی، سودا سلف اور کپڑے دھونے کا کام ہوتا تھا۔" عالیان نے تفصیل سے بتایا تو نمرہ شرارت سے ہنس کر بولی۔

"یعنی تمہارے اندر ایک سگھڑ شوہر کی ساری خوبیاں موجود ہیں، یہ جان کر خوشی ہوئی۔" اس دوران ردا کافی بنالائی تھی۔

"تم نے ہمارے ساتھ کھانا نہیں کھایا، کیوں؟" عالیان نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"بیٹا..... اس کو میز پر بیٹھ کر کھانے کی عادت نہیں ہے۔ تم تو جانتے ہو، دیہاتی ماحول کا کچھ تو اثر ہوگا۔ ہم تو چاہتے ہیں ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھائے مگر اسے کچن میں بیٹھ کر کھانے کی عادت ہے۔" عالیہ نے بڑی چالاکی سے عالیان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور ذیشان تاسف سے سر ہلا کر رہ گئے۔ عالیان نے تھوڑا سا کھا کر ہی ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"بیٹا..... تم نے تو کچھ کھایا ہی نہیں۔" ذیشان نے شفقت سے کہا تو عالیان خفیف ہو کر بولا۔

"انکل مزید کھانے کی گنجائش ہی نہیں۔ ویسے یہ آج بنگلہ اس قدر سجا ہوا کیوں لگ رہا ہے۔ جیسے کسی جشن کی تیاری ہو۔" عالیان نے پوچھا تو نمرہ بڑے استحقاق سے مسکرائی۔ اس کا چہرہ میک اپ کی چلتی پھرتی دکان لگ رہا تھا اور عالیان سوچ رہا تھا کہ قدرت نے اس کو اچھا خاصا بنایا ہے پھر اس قدرتی حسن کو بگاڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ تب ہی نمرہ کی چہکتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"جناب، یہ سب اہتمام ماما نے آپ کی آمد کی خوشی میں کیا ہے تاکہ تمہاری کامیابی کو معززین شہر کے ساتھ سلیبریٹ کر سکیں۔"

"واہ رے اللہ تیری شان۔" عالیان نے دکھے دل سے سوچا۔ کیسا انقلاب زمانہ ہے، جب بورڈ میں اس کی پوزیشن آئی اور ذیشان انکل نے انعام دیا تو کس قدر حقارت سے عالیہ آنٹی نے کہا تھا۔

"ہنہ..... گدھے پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے تب ہی وہ گدھا ہی رہتا ہے، یہ کیا پڑھے گا۔ پتا نہیں غلطی سے کیسے پوزیشن آ گئی۔" اس کو گھبراہٹ سی ہونے لگی اور اس کا دل چاہا کہیں بھاگ جائے۔ تب ہی نظر ردا پر پڑی جو میز صاف کر رہی تھی۔

"تم آج بھی ویسی ہی ہو جیسی میں پانچ سال پہلے چھوڑ گیا تھا۔ جس کی زندگی کا مقصد کام اور صرف کام ہے۔" ردا نے جواب دیے بغیر کچن کی راہ لی۔ پاس کھڑی نمرہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"اب تم فضول باتیں مت کرو، تھوڑا آرام کر لو۔ آخر شام کو تمہیں مہمان خصوصی کا پروٹوکول ملنے والا ہے۔ ذرا اچھی طرح ڈریس اپ ہونا۔" عالیان جواب دیے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

❁.....❁.....❁.....❁

رات کو وہ تیار ہو کر لان میں آیا تو محفل کی رونق عروج پر تھی۔ ویٹرز ٹھنڈے مشروبات سرو کر رہے تھے۔ ہر طرف جیسے رنگ و بو کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ عالیان دیکھ رہا تھا زیادہ تر لڑکیاں اور خواتین سلیولیس، اونچی سی شرٹ اور کیپریز میں ملبوس تھیں۔ یہاں تک کہ نانی دادیاں بھی بغیر دوپٹے کے گہرے میک اپ اور مصنوعی بلند و بالا قہقہوں کے ساتھ جوان نظر آنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ایسے میں ردا کی غیر موجودگی اسے بے چین کر رہی تھی۔ آخر اس سے صبر نہ ہو سکا تو ذیشان انکل سے پوچھ بیٹھا۔

"بیٹا..... اس بچی پر تو پورے فنکشن کی ذمہ داری ہے۔ آتی ہی ہوگی۔" اور پھر وہ آ گئی جس کا عالیان کو شدت سے انتظار تھا۔ سفید کلیوں والی فراک، چوڑی دار پاجامہ اور ہلکے سے میک اپ میں بلاشبہ وہ سب میں نمایاں اور منفرد لگ رہی تھی۔ اس نے بڑے سلیقے سے دوپٹہ سر پر اوڑھ رکھا تھا اور لمبے گھنے بالوں کی چٹیا کمر پر لہرا رہی تھی۔ وہ اطمینان سے نمرہ کے پاس بیٹھ گیا اور سب کھانے میں لگ گئے مگر ردا ہر ایک کے پاس جا کر پوچھ رہی تھی، ہر ایک کا پورا خیال رکھ رہی تھی۔

ویٹرز مستعدی سے اس کے اشاروں پر کام کررہے تھے۔

"کس قدر ذمہ دار اور سمجھ ہوگئی ہے روا۔ شاید حالات نے اسے وقت سے پہلے ہی بردباری اور سمجھ داری عطا کردی ہے۔ نہ رنگ گورا ہے نہ آہو چشم، نہ ادائیں ہیں نہ بناوٹ....." ایک محبت بھرا دل جس سے وہ سب کا دل موہ لیتی ہے۔ اچانک شور سے اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

اس کے دوست افنان کے بیٹے نے بے خیالی میں چھری پکڑلی تھی اور اس کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔ نمرہ بری طرح چیخنے لگی اور افنان اور اس کی بیوی بھی گھبرا گئے لیکن روا نے بغیر کچھ کہے بچے کو گود میں لیا اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"یار ڈاکٹر کو فون کردو یا ہم خود بچے کو لے چلتے ہیں۔" عالیان نے گھبرا کر کہا۔

"بدھو، گھر میں ڈاکٹر کے ہوتے ہوئے ڈاکٹر کو فون کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ڈاکٹر.....!" اس کی سوالیہ نگاہیں اوپر اٹھ گئیں۔

"بالکل ہی گھامڑ ہو۔ یہ اپنی روا ڈاکٹر ہی تو ہے۔ آج کل ہاؤس جاب کررہی ہے۔" افنان زور سے ہنسا تو عالیان نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔ دل میں جیسے سکون ہلکورے لینے لگا تھا۔ پھر وہ بچے کے زخم کو صاف کرکے پٹی باندھ کر لوٹ آئی اور خوب صورت سا کھلونا بھی اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ بچہ اب بہت خوش تھا۔ رات تک محفل جمی رہی مگر عالیان کا دل جیسے ہر چیز سے اچاٹ ہوگیا کیونکہ روا پھر نظر نہیں آئی تھی، جانے کہاں چھپ گئی تھی۔ نمرہ نے اس کی دماغی غیر حاضری محسوس کرلی۔ اس لیے ہمدردی سے بولی۔

"لگتا ہے بہت تھک گئے ہو۔"

"ظاہر ہے۔" اس نے بیزاریت سے جواب دیا تو نمرہ کو مجبوراً محفل برخاست کرنا پڑی۔

❁.....❁.....❁.....❁

صبح ناشتے پر سب موجود تھے۔ سوائے روا کے ذیشان نے پوچھا تو نمرہ منہ بنا کر بولی۔

"صبح صبح ہاسپٹل چلی گئی۔ آج اس کی نائٹ بھی ہے پتا نہیں روا اتنی محنت کیسے کرلیتی ہے، میں تو ہرگز نہ کروں۔"

"لے لو، تمہیں کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے، کروڑوں کی جائیداد کی اکلوتی وارث ہو۔ روا کی تو مجبوری ہے، نہ ماں نہ باپ نہ فیملی بیک گراؤنڈ۔ اپنے لیے اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ آج کل تو لڑکیاں جہیز کے بغیر ماں باپ کی دہلیز پر بوڑھی ہوجاتی ہیں۔ مجھے اس کی بڑی فکر ہے۔" عالیہ نے ہمدردی جتائی جو سراسر بناوٹی لگ رہی تھی۔

"ویسے بیگم صاحبہ روا کے بارے میں آپ کو کافی غلط فہمی ہے۔" ذیشان چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے سنجیدگی سے بولے۔

"جتنی وہ خود اچھی ہے اتنی ہی اچھی ڈاکٹر ہے اس کے لیے بھلا کیا رشتوں کی کمی آپ کی اطلاع کے لیے کل ہی پارٹی میں کتنے ہی لوگوں نے اپنے پڑھے لکھے لائق فائق بیٹوں کے لیے اس کی خواہش ظاہر کی ہے اور میں نے سوچنے کے لیے وقت مانگا ہے۔"

"ارے سوچنے کی کیا ضرورت ہے، فوراً ہاں کردیں۔"

پتہ نہیں عالیہ کو جلدی کیوں تھی۔

"مجھے کوئی جلدی نہیں، سوچ سمجھ کر فیصلہ کروں گا۔ وہ کوئی سر کا بوجھ نہیں جو اتار پھینکوں۔ جو ذمہ داری لی تھی اس بچی کی آئندہ بھی خلوص کے ساتھ نبھاؤں گا تاکہ آخرت میں سرخرو ہوسکوں۔ مجھے روا، نمرہ سے کم عزیز نہیں۔" عالیان کو روا کے بارے میں یہ باتیں تکلیف دے رہی تھیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی جا کر روا کا ہاتھ پکڑے اور ان تمام الجھنوں سے کہیں دور لے جائے جہاں اس کے سوا کوئی نہ ہو۔

"بیٹا عالیان..... آپ ذرا میرے ساتھ روم میں آئیں۔" عالیان کو سوچوں میں گم دیکھ کر ذیشان نے کہا اور عالیہ اور نمرہ کے چہرے کھل اٹھے۔ کل ہی تو نمرہ کے کہنے پر عالیہ نے ذیشان سے عالیان اور نمرہ کے رشتے کے سلسلے میں بات کرنے کو کہا تھا۔

"ماما..... کیا لگتا ہے، پاپا عالیان کو راضی کرلیں گے؟" ان دونوں کے جاتے ہی نمرہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"لے لو..... یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ عالیان ذیشان کا بے حد احترام کرتا ہے۔ انکار کی تو کوئی گنجائش ہی

Digitized by Google

نہیں۔ وہ جانتا ہے ہمارا سب کچھ تمہارا ہے۔ اس سے اچھا رشتہ اسے بھلا کہاں مل سکتا ہے۔" عالیہ کے لہجے میں غرور تھا۔

"مجھے ردا سے ڈر لگ رہا ہے عالیان اس کا بے حد خیال رکھتا ہے۔" نمرہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

"پاگل ہوگئی ہو کیا وہ فطرتاً ہمدرد اور غریب پرور ہے ورنہ کہاں راجہ بھوج کہاں گنگو تیلی۔ ردا کی اوقات ہی کیا ہے آج کل تو ڈاکٹر گلی گلی پھرتے ہیں، انہیں پوچھتا ہی کون ہے۔" ان کے لہجے میں حقارت در آئی تھی۔

"وہ تو صحیح ہے ماما مگر بچپن میں کبھی میں نے اور آپ نے اس کو منہ نہیں لگایا ہمیشہ ذلیل کیا کمتر جانا اور وہ تھا بھی تو کیسا سوکھا سڑا باہر جا کر اس نے خوب رنگ نکال لیا۔ لمبا چوڑا خوب صورت میری تو ساری دوستیں پارٹی کے دن اس پر فدا ہوگئیں مگر میں نے انہیں بتا دیا کہ یہ ہکڈ ہے۔" پھر دونوں ماں بیٹی اپنی ہی بات پر ہنسنے لگیں۔

❁.....❁.....❁.....❁

"بیٹا میری نظر میں نمرہ اور ردا میں کوئی فرق نہیں۔ یہ بات اگر تمہاری آنٹی کرتیں تو زیادہ اچھا تھا لیکن انہوں نے یہ ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے۔ ان دونوں کے علاوہ بھی اگر کوئی تمہاری پسند ہوگی تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ تم کھل کر اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہو۔"

"انکل اگر میں کچھ کہوں تو آپ کو برا تو نہیں لگے گا کیونکہ پانی ہمیشہ نشیب کی طرف جاتا ہے اور گھٹنے پیٹ کی طرف جھکتے ہیں۔" عالیان کی بات پر ذیشان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"واہ میرے شیر..... تم تو امریکہ جا کر بھی نہیں بدلے۔ بڑی نستعلیق قسم کی اردو بول رہے ہو۔" پھر وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"بیٹا، یہاں معاملہ تمہاری پسند اور ہمارے انصاف کا ہے۔ تم بلا جھجک بتا سکتے ہو کم از کم تمہیں ہماری نیت پر بھروسا تو ہے ناں؟" اور عالیان میں ہمت نہیں تھی وہ کیسے کہے۔

"انکل مجھے بیوی چاہیے نمائشی گڑیا نہیں نہ شمع محفل جس کا اصل مقام شوکیس ہوتا ہے گھر نہیں میں نے امریکہ جاتے وقت ردا سے کوئی لمبے چوڑے وعدے نہیں کیے تھے۔ ایک خاموش معاہدہ تھا۔ میں نے صرف اسے اتنا ہی کہا تھا کہ مجھ پر یقین رکھنا جب بھی پاکستان آیا صرف تمہارے لیے آؤں گا۔ ہم دونوں آپس میں کوئی رابطہ بھی نہیں رکھیں گے تاکہ جذبوں کو مہمیز نہ ملے اور کبھی جدائی مقدر ٹھہرے تو زیادہ تکلیف نہ ہو اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ جتنی اعلیٰ ظرف اور بلند ہمت ہے وہ کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی مگر ہم دونوں ہی جیتے جی مر جائیں گے کیونکہ میں اور نمرہ ندی کے وہ دو کنارے ہیں جو ساتھ چلتے ہوئے بھی علیحدہ ہیں۔"

"بیٹا کس سوچ میں گم ہو۔ تم نے جواب نہیں دیا۔" ذیشان نے پوچھا تو عالیان نے جواب دیا۔

"انکل! آپ پر تو مجھے بالکل اسی طرح بھروسا ہے جیسے کسی بیٹے کو اپنے باپ پر ہو سکتا ہے۔ اگر آپ کے احسانات کو مدنظر رکھوں تو نمرہ میری چوائس ہوگی لیکن جہاں تک پسند کا تعلق ہے تو شروع سے لے کر آج تک صرف ردا ہی میری نگاہوں کا مرکز ہے مگر آپ کے حکم کو اولیت حاصل ہے اگر میں نمرہ کو اپنا لوں تب بھی حق ادا نہیں ہوگا ان احسانوں کا جو آپ نے مجھ پر کیے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تو ذیشان نے اٹھ کر گلے لگا لیا۔ پھر پیار سے بولے۔

"جیتے رہو بیٹا..... فیصلے کا اختیار ہمیں دے کر تم نے ہمارا مان بڑھا دیا اور ایک باپ اپنے بیٹے کی خوشی کے خلاف فیصلہ کیسے کر سکتا ہے۔ تم نے ہمارے سر سے ایک ذمہ داری کا بوجھ اتار دیا کہ رداب محفوظ ہاتھوں میں ہے۔" انہوں نے ایک مرتبہ پھر عالیان کو گلے لگایا لیکن دل پر منوں بوجھ آپڑا کہ بیٹی کے ارمانوں کا خون ہو گیا مگر انصاف کا پلڑا برابر رہا۔ انہوں نے اطمینان بھری ٹھنڈی سانس بھری، بیوی اور بیٹی کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کرنے لگے۔

Digitized by Google

سنگ کوئی آسمان

افشاں علی

دل چاہتا ہے
تم آفس سے تھک کر آؤ
آ کر میری گود میں لیٹو
پھر میں تمہارے بال سہلاؤں
تم مجھ کو اپنے آفس کی
دن بھر کی روداد سناؤ
باتوں باتوں میں پھر جاناں
ذکر کرو اک دوشیزہ کا
اس کی محبت اور وفا کا
تب میں روٹھ کر منہ بناؤں
آنکھوں میں آنسو بھر لاؤں
پھر تم ہنس کے سوری بولو

دل چاہتا ہے......
سردی کے موسم میں
کسی دن کتاب لے کر تم لان میں بیٹھو
ہر سو بکھری دھوپ میں۔ مجھ کو سوچو
تب میں تمہارے پیچھے آ کر
اپنے ٹھنڈے یخ ہاتھوں کو
تمہاری آنکھوں پر جو رکھ دوں
تم جھنجھلاؤ منہ بناؤ
اپنی آنکھوں پر موجود ہاتھوں کو ہٹاؤ
لیکن پھر جب مجھ کو دیکھو
ہنس کر جاناں خوش ہو جاؤ

دل چاہتا ہے......
جب بھی کبھی پیارا موسم ہو
رم جھم بارش اور گھٹا ہو
تب میں تمہارے سنگ سنگ جاناں
تارکول کی لمبی سڑک پر
چلتی جاؤں چلتی جاؤں
دل کی باتیں خوب سناؤں

دل چاہتا ہے......
کہ جب بھی مجھے کوئی دکھ تڑپائے
بات کروں اور آنکھ بھر آئے
دنیا نت نئے زخم لگائے
تب تم میرے سامنے آؤ
دھیرے سے میرے چہرے کو اٹھاؤ
اور یہ پوچھو کیوں روئی ہو
تب میں آنسو پونچھ کر ہنس دوں
تیرے کندھے پر سر رکھ دوں
پلکیں موندوں اور سو جاؤں
ہر دکھ سے بے خبر ہو جاؤں
دل چاہتا ہے جاناں
بس تجھ میں کھو جاؤں......

کچھ ایسی ہی سہانی خواہشیں، نئی امیدیں، دھڑکنوں میں آنے والی نئی زندگی کی خوشیوں کے دیپ جلائے، پلکوں پر خوب صورت خواب سجائے وہ اعظم ہاؤس میں قدم رکھ چکی تھی، زندگی کے اس نئے سفر کی شروعات میں اس کے سنگ نئی امیدیں، امنگیں، خواہشیں اور خواب ہی نہیں بلکہ نصیحتوں کی لمبی سی فہرست بھی شامل تھی جسے ازسرنو ذہن میں یکجا کرتے ہوئے بالآخر وہ اس وقت اعظم ہاؤس کے اس کمرے میں پہنچ چکی تھی جو آج سے اس کا تھا بالکل اس نام کی طرح جو چند گھنٹے پہلے اس کے نام کے ساتھ جڑ چکا تھا۔

زیب آپا اور نبیلہ بھابی کچھ شوخ و شریر جملوں کا تبادلہ کرتے اپنی ہمراہی میں ہی اسے کمرے میں چھوڑ کر جا چکی تھیں۔ اس نے اپنا گھونگھٹ الٹ کر کمرے کا جائزہ لیا۔ جدید ترین فرنیچر کو خوب صورتی ترتیب سے سجایا گیا تھا، قیمتی قالین سے لے کر ہم رنگ قیمتی پردے اعظم ہاؤس کی امارت کا منہ بولتا ثبوت تھے، البتہ کمرہ کسی بھی طرح کی عروسی سجاوٹ سے آراستہ نہ تھا۔ سجے سنورے کمرے کے بجائے وہاں سادگی نمایاں تھی، دروازے کے باہر سے آتی آوازوں پر اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

قدموں کی ابھرتی چاپ جو رفتہ رفتہ قریب آرہی تھی، تیز ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالے اس نے اپنا گھونگھٹ نکال لیا۔

"گھونگھٹ الٹنا، پلٹنا اگر یہ بھی کوئی رسم دنیا ہے تو بھی معذرت۔ میں تو ان رسموں سے بے زار ہو چکا ہوں، پتا نہیں

Digitized by Google

شادی میں یہ اول فول رسمیں ہوتی ہی کیوں ہیں۔" بھاری بوجھل آواز میں سلام کے بعد جو یہ اگلا فقرہ اس کی سماعتوں سے گزرا تو اسے لگا گویا جلتے وسلگتے ارمانوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے آ گرے ہوں۔

"اب ہٹا بھی دو یہ گھونگھٹ' ذرا میں بھی تو دیکھوں کتنے کلو میک اپ استعمال ہوا ہے۔" اتنا سرد و ٹھنڈا لہجہ اُف...... اس نے تیزی سے گھونگھٹ الٹ دیا مبادا پھر سے کوئی جملہ سننا نا پڑ جائے۔

"صحیح کہتے ہیں لوگ بیوٹی پارلر ہی دنیا کی وہ واحد جگہ ہے جہاں حقیقی معنوں میں میک اور ہوتا ہے ویسے اچھی لگ رہی ہو۔" اس نے ایک پل کو نظریں اٹھا کر اپنے مجازی خدا کی طرف دیکھا اور پھر سے نظریں جھکا لیں' کیا نرالا انداز تھا تعریف کی بھی تو پتھر میں لپیٹ کر۔

"مجھے نہ ہی یہ رسمیں پسند ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں زیادہ معلوم ہے۔ زیب آپا نے ہی یہ منہ دکھائی گفٹ کے طور پر پسند کی تھی اور کہا تھا کل تمہیں تحفتاً دے دوں۔" انہوں نے بیڈ پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے مخملیں ڈبیا اس کی سمت بڑھائی۔

"لو بھلا منہ دکھائی بھی کوئی ایسے دیتا ہے؟" دھڑکتے دل نے ایک اور دہائی دی' اس نے ہولے سے ہاتھ بڑھا کر مخملیں ڈبیا تھام لی۔

"کھول کر دیکھ لیجیے' شاید آپ کو پسند آئے کیونکہ مجھے تو شاپنگ کا آئیڈیا نہیں اور لیڈیز کی پسند نہ پسند ایک لیڈیز ہی بہتر سمجھ سکتی ہے۔" کتنا عام وسرسری سا انداز تھا ان کا' اس نے بے دلی سے مخملیں ڈبیا کھولی جس میں خوب صورت سا گولڈ بریسلیٹ جگمگا رہا تھا۔

"اس کا مطلب یہ منہ دکھائی تو زیب آپا کی طرف سے ہوئی ہوا آپ کی طرف سے......" شکوہ اس کی زبان پر اتر آیا۔

"میرا نام' یہ گھر' بینک بیلنس سب کچھ اب سے تمہارا ہی تو ہے پھر ان چھوٹے موٹے انعامات کی کیا ضرورت ہے؟" پہلی بار وہ مسکرائے اور اسی مسکراہٹ کو دیکھ کر کسی حد تک وہ بھی نارمل ہو گئی تھی۔

مہندی لگے ہاتھوں میں' پھولوں کے کنگن اور بھر بھر کر چوڑیاں پہنے سولہ سنگھار کیے' پور پور سجی سنوری' خوشبوؤں میں بسی وہ دلہن ضرور تھی مگر جس طرح یہ کمرہ ہر طرح کی عروسی سجاوٹ سے مبرا تھا بالکل اسی طرح اس کا مجازی خدا جذبات و احساسات سے عاری تھا۔ یہ تھی وہ البیلی وانوکھی ملن رُت اس کی شب عروس اور ایک نئی و کٹھن زندگی کی شروعات۔

❁......❁......❁

"امی جان' دوپٹوں پر کیوں اتنی محنت کرنی' مارکیٹ میں اس سے اچھی اچھی بیلیں' پیکو اور گوٹا کناری چند پیسوں میں آرام سے ہو جاتی ہیں۔" پچھلے کچھ دنوں سے گھر میں ہی پیکو کا بازار کھلا ہوا تھا جس پر ساہر کی اکتاہٹ نمایاں تھی۔

"بیٹا یہ تو ہنر ہے اور سمجھو تو شادی کی سوغات' ہمارے زمانے میں تو جب تک اپنے ہاتھوں سے سلائی کڑھائی کیا گیا سامان شامل نہ کیا جاتا جہیز مکمل ہی نہ ہوتا تھا بلکہ لڑکیوں کے سگھڑاپے کی یہ ہی اصلی نشانی مانی جاتی تھی۔" پڑوس والی نجمہ خالہ نے بیل ٹانکتے ہوئے جواب دیا۔

"بالکل ٹھیک کہا خالہ' وہ دور تو کفایت شعاری اور سلیقے کا دور تھا۔" وحیدہ بیگم نے بھی نجمہ خالہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"مگر آج کل کے زمانے میں جب تک بازار کی ہر دکان شاپنگ مال کا ہر فلور اچھی طرح ناپ نہ لو جہیز مکمل ہی نہیں ہوتا۔" شاپنگ بیگز سے لدی پھدی تجل آپی نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"واؤ آپی...... آج جلدی آ گئیں' کیا کیا شاپنگ کی؟" تجل کی آمد پر ساہر ہاتھ میں تھامے دوپٹے کو ایک طرف رکھتے بلکہ پٹختے ہوئے فرش پر پھیلے باقی دوپٹوں پر سے اولمپک کی سی جمپ لگاتے ہوئے ان کی طرف بڑھی۔

"ارے باؤلی ہوئی ہے کیا لڑکی' شادی میں چار ہفتے رہ گئے ہیں اور اس کی اچھل کود ہی ختم نہیں ہو رہی۔" نجمہ خالہ نے ساہر کے یوں اچھلنے پر ٹوکا۔

"نجمہ خالہ میرے اچھلنے کودنے پر آپ ایسے ٹوک رہی ہیں جیسے شادی میں نہیں ڈیلیوری میں آخری چار ہفتے رہ گئے ہوں۔"

"توبہ ہے کچھ تو شرم کرو' جب بھی بولنا بس کفن پھاڑ کر ہی بولنا۔ بچی نہیں رہی اب شادی ہونے والی ہے' تھوڑی تو سمجھ داری سے کام لو۔" وحیدہ بیگم نے خفگی سے اسے لتاڑا۔

"امی مردوں کو میچور بڑی بی ٹائپ لڑکیاں پسند نہیں آتیں' شوخ و چنچل لڑکیاں ہی مرد کے دل میں گھر کرتی ہیں۔" تجل نے بھی اپنی رائے دی۔

"تم تو چپ ہی کرو' سمجھانے کے بجائے الٹا اسے شہہ دے رہی ہو۔" وحیدہ بیگم نے اسے بھی اپنی خفگی کی زد میں لیا۔

Digitized by Google

"کیا امی آپ بھی بس ہر وقت غصہ ہوتی رہتی ہیں ایک تو اتنی گرمی میں بازاروں میں گھومتے ہوئے میرا بی پی لو ہونے کو ہے اور آپ ہیں کہ کچھ ٹھنڈا پلانے کے بجائے گرما گرم ڈانٹ پلا رہی ہیں۔" سجل نے منہ بسورا۔

"اوہو آپی اب آپ غصہ نہ ہوں میرے ساتھ چلیے ہمارے کمرے اور اے سی کی کولنگ میں آرام سے بیٹھ کر اپنی شاپنگ دکھایئے۔" سماہر تیزی سے تمام شاپنگ بیگ اٹھائے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جبکہ سجل بھی پیچھے پیچھے چل دی۔

"واؤ آپی یہ ساڑھی تو بہت پیاری ہے شادی کے بعد جو پہلی دعوت ہوگی یہ اسی میں پہنوں گی۔" جگمگ کرتی ستاروں سے مزین فیروزی کلر کی ساڑھی کو خود سے لگاتے ہوئے کھلتے لہجے میں کہا۔

"اور یہ والا سوٹ تو شادی کے دوسرے دن۔" اس نے شاکنگ مرجنڈا کلر کے خوب صورت سے فراک پر ہاتھ پھیرا۔

"ماننا پڑے گا آپی بہت ہی زبردست چوائس ہے آپ کی۔" سماہر نے ستائشی انداز میں بیڈ پر پھیلے سب سامان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سب چھوڑو یہ دیکھو بلیک نائٹی اسے سنبھال کر اپنی ہینڈ کیری میں رکھ لینا۔"

"توبہ اب ایسی واہیات چیزیں بھی جہیز میں لے کر جاؤ گی؟" سجل کی بات کے اختتام پر ہی وحیدہ بیگم کی کمرے میں انٹری ہوئی تھی۔ سماہر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ سے وہ نائٹی پر تکیے کے نیچے سرکا دیا گو کہ شاپر اب نظر سے دور تھا مگر بات تو کانوں تک پہنچ چکی تھی۔

"امی اسے واہیات تو نہ کہیں آج کل کی جنریشن کافی ایڈوانس ہو چکی ہے اور ویسے بھی شوہر کو پہلے دن ہی سے قابو میں رکھنا چاہیے ورنہ پھر میرے جیسا حال ہوتا ہے۔"

"بیٹا امی ایڈوانس جنریشن نے ہی تو نکاح جیسے پاک بندھن کو بھی گڈے گڑیا کا کھیل بنا دیا ہے اور رہی بات تمہاری تو تمہارا گھر تمہاری بے قوفی کی وجہ سے برباد ہوا۔" وحیدہ بیگم نے سجل کی ٹھیک ٹھاک کلاس لی۔

"ہاں ساری غلطی تو میری ہی ہے ناں آپ کو تو کیا سب کو ہی قصور میرا ہی لگتا ہے اور قصوروار مزے سے جی رہا ہے۔" سجل کے لہجے میں تلخی در آئی۔

"ہاں تو بیٹا غلطی تو تمہاری ہی ہے کون اپنا بسا بسایا گھر اپنے ہاتھوں سے برباد کرتا ہے؟" امی کی بات پر تو گویا سجل کا بی پی لو سے ہائی ہو چلا اور وہ غصے سے واک آؤٹ کر گئی۔

"یہ لڑکی تو بہت جذباتی ہے مگر تم میری بات دھیان سے سنو شوہر کو قابو میں رکھنے کے لیے ان سب واہیات چیزوں کی ضرورت نہیں اس کا دل جیتنا اس کی خدمت کرنا اس کا کہنا ماننا ہی اصل فرض و ذمہ داری ہے اور ان ہی باتوں سے اس کے دل میں گھر کیا جاتا ہے۔" بیڈ پر پھیلے ہوئے کپڑوں کو ایک طرف میں کر کے وہ اس کے پاس آ بیٹھیں اور پیار سے سمجھانے لگیں تو سماہر نے ہولے سے اثبات میں گردن ہلا کر خاموشی سے اپنا سر وحیدہ بیگم کی گود میں رکھ دیا۔

❁.....❁.....❁

رات کے پہلو کو چاک کر کے صبح جب انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تو پہلے پہل اس نے آنکھ کھول کر ارد گرد کے ماحول سے شناسائی حاصل کرنے کی کوشش کی مگر جونہی اپنے پہلو میں سوئے شخص پر نظر پڑی تو یک دم ہی اسے احساس ہوا کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟ انداز میں سرد مہری ہی سہی لہجے میں بوریت ہی سہی مگر رات اس نے اپنے تمام حقوق و فرائض بڑی محبت سے ادا کیے تھے۔ جب تک وہ فریش ہو کر نکلی وہ اٹھ چکے تھے۔

"گڈ مارننگ....." اس نے ہولے سے کہا اور سج کر قدم بڑھاتی بیڈ کے دائیں سائیڈ کی طرف آ کھڑی ہوئی جہاں لیٹے مندی آنکھوں سے وہ اسے ہی تک رہے تھے۔ وہ اس کے قریب آ کر جھکی تو اس کے گیلے بالوں سے پانی کی بوندیں ٹپک کر طلال اعظم کے چہرے کو بھگونے لگی انہوں نے سٹپٹا کر آنکھیں کھول دیں اور ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھے۔

"یہ کیا مذاق ہے؟"

"مذاق.....!" اس نے حیرت سے اپنے شوہر کی جانب دیکھا۔

"یہ مذاق نہیں بلکہ زندگی کی نئی صبح کا آغاز ہے۔" ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ لیے اس نے ہولے سے کہا اس سے پہلے کہ طلال اٹھتے یا کچھ کہتے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور ساتھ ہی زیب آپی کی آواز سنائی دی۔

"اٹھ گئے تم لوگ یا میں اٹھانے آؤں؟"

"جی آپی اٹھ گئے ہیں باہر ہی آ رہے ہیں۔" طلال اعظم جواب دے کر واش روم کی طرف چل دیے جبکہ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ بیٹھی طلال جونہی تیار ہو کر باہر آئے اس نے سر

سے پاؤں تک بغور دیکھا۔

"جانتا ہوں کہ ہینڈسم ہوں اور اس ڈریس میں تو ڈشنگ بھی لگتا ہوں مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مینڈک جیسی آنکھیں مجھ پر ہی جما کر ہی رکھ لو۔" طلال نے ڈریسنگ کے آئینہ میں سے نا صرف اس کی چوری پکڑی بلکہ اس کی حسین بڑی بڑی آنکھوں پر بھی چوٹ کی۔

"نہیں...... وہ دراصل آپ...... یہ......" وہ بوکھلائی تب ہی ایک بار پھر سے دروازے پر دستک ہوئی اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا جہاں نبیلہ بھابی کھڑی تھیں۔

"چشم بدور ماشاء اللہ خوب صورت تو تم ہو ہی مگر ایک رات میں تو کچھ زیادہ ہی نکھار آیا ہے۔" نبیلہ بھابی نے اسے آنکھ مارتے ہوئے شرارت سے کہا تو وہ شرما گئی۔

"ارے اتنی بے تابی؟ آپ نے ولیمے کی تیاری ابھی سے کرلی۔" بھابی نے بیڈ پر پھیلے کوٹ کی جانب دیکھے بغیر طلال کی ڈریسنگ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بھابی میں تو آفس جا رہا تھا۔"

"کیا......! آفس اور آج؟" طلال کی بات پر وہ دونوں ہی سہی معنوں میں چونکیں۔

"بھائی آپ کی ابھی کل ہی تو نئی نئی شادی ہوئی ہے آفس کے بجائے اپنی نئی نویلی بیوی کو ٹائم دیجیے اور ابھی کچھ دیر میں اس کے میکے والے بھی ناشتا لے کر آتے ہوں گے۔" نبیلہ بھابی نے انہیں یاددہانی کروائی۔

"بھابی نئی نویلی دلہن کے لیے کام چھوڑ کر اس کے پہلو سے لگ کر بیٹھنے سے تو میں رہا اور آپ جانتی ہیں یہ چونچلے مجھے پسند نہیں آپ انہیں بھی بتا دیجیے گا ضروری کام تھا کلائنٹ سے ملنا تھا اس لیے جانا پڑا۔" عجلت میں کورٹ اٹھائے وہ دروازے میں ایستادہ ان دونوں کے بیچ سے نکل کر آگے بڑھ گئے۔ وہ جاچکے تھے مگر کمرے میں ان کے پرفیوم کی مہک رچی ہوئی تھی اس نے سانس کے ذریعے نہ صرف اس مہک کو بلکہ آنکھوں میں اُمڈتے آنسوؤں کو بھی اپنے اندر اتارا۔

"یہ وکیل بھی ناں صرف پیشے سے ہی نہیں جذبات سے بھی سرد ہوتے ہیں خیر تم پریشان مت ہو شام تک آجائیں گے۔" بھابی نے بھی ساہر کا اترا ہوا چہرہ دیکھ لیا تھا تب ہی اس کی دل جوئی کی۔ اسی اثنا میں اس کے میکے والے بھی ناشتا لے کر آگئے تھے اور حسب توقع پہلا سوال ہی دولہا کی غیر موجودگی پر کیا تھا۔

"وہ آنٹی! دراصل طلال بھائی کو آفس سے کال آگئی تو انہیں فوری جانا پڑا۔"

"ہاں مگر ایسی بھی کیا ارجنٹ کال کہ شادی کی اگلی صبح ہی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر جانا پڑا۔"

"اُف او امی! آپ ہی تو کہتی ہیں مرد کے لیے سب سے پہلے اس کا کام ضروری ہوتا ہے اور پھر آرام۔ وہ واقعی جانا نہیں چاہتے تھے مگر جانا ضروری بھی تھا اس لیے میں نے ہی کہا آپ چلے جائیں نہ میں مائنڈ کروں گی اور نہ ہی میرے گھر والے کچھ غلط سوچیں گے کیونکہ ہم جانتے ہیں آپ کا کام ہی ایسا ہے۔" ساہر نے تسلی بخش صفائی دی جس پر اس کے گھر والے تو قائل ہو ہی گئے مگر نبیلہ بھابی جانتی تھیں کہ اس کے لیے خود کو کمپوز کرنا کتنا مشکل رہا ہوگا۔ ابھی تو یہ شروعات تھی آگے تو اور بھی مصلحت آمیز جھوٹ بولنے اور بہانے گھڑنے ہوں گے کیونکہ بہت مشکل ہوتا ہے کبھی لوگوں کو تو کبھی خود کو دھوکہ دینے کے لیے جھوٹ کی زمین کی آبیاری کر کے اس پر سچ کے پودے اگاتے ہوئے مسکراہٹ کے پھول کھلانا۔

❀......❀......❀

شادی ایک ایسی کہانی کی کتاب ہے جو ہمارے نصیب کے ساتھ وقت پیدائش سے ہی جڑی ہوتی ہے اب اس میں تحریر داستانِ محبت ہوتی ہے یا غم داستان پُر آسائش ہوتی ہے یا پھر طویل آزمائش سے پُر۔ اس کا اندازہ تو اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے بنا پڑھے نہیں۔ طلال اعظم اور ساہر کی شادی مکمل طور پر ارینج تو نہ تھی اور نہ ہی کسی قسم کے دھواں دھار عشق کا نتیجہ بلکہ ساہر نے چند ایک بار طلال کو دیکھا بھی تھا اور سرسری سی ملاقات بھی ہوئی تھی۔ ایجوکیٹڈ، خوبرو، ہینڈسم کامیاب ایڈووکیٹ یہ خوبیاں ہی ایسی تھیں کہ انکار کا نہ اس کے پاس کوئی جواز تھا اور نہ ہی اس کے گھر والوں کے پاس۔

وہ نجل آپی کی جٹھانی کے اکلوتے ماموں زاد کزن تھے اور ان سے ملاقات بھی نجل آپی کے سسرال میں ہی ہوئی تھی۔ نجل آپی کی شادی مکمل ارینج تھی نجل آپی تھوڑی بے پروا اور موڈی سی تھیں شاپنگ اور بننے سنورنے سجنے کی انتہائی شوقین جبکہ ان کی قسمت کہ انہیں سیدھے سادے سے وسیم بھائی ملے اور یوں ابتدا سے ہی نجل آپی اور وسیم بھائی کی ازدواجی زندگی جو بحث و تکرار کی شاہراہ سے گزرنا شروع ہوئی تو نوبت طلاق پر آ گئی مگر اس ڈھائی سال کے عرصے میں ساہر اور طلال کی منگنی ہوچکی

Digitized by Google

تھی۔ طلال اعظم جب دس برس کے تھے تب کسی بیماری کے زیر اثر ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا تو اعظم ہاؤس سے چند قدم کے فاصلے پر مقیم سعیدہ خانم پھوپو جو تجل آپی کی جٹھانی کی امی تھیں انہوں نے ہی ان کو سنبھالا۔

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے اور ایڈووکیٹ بن جانے کے بعد سعیدہ خانم پھوپو اور طارق اعظم صاحب نے بارہا طلال کے سر پر سہرا سجانے پر زور دیا مگر طلال اعظم مان کر ہی نہ رہے یہاں تک کہ اس دوران سعیدہ خانم نے اپنی بیٹی زیب اور بیٹے شاویز کی بھی شادی کردی۔ زیب کے تین جبکہ شاویز کا ایک بیٹا وجدان تھا۔

ہر گزرتے ماہ وسال کے ساتھ سعیدہ خانم اور طارق صاحب کی ضد زور پکڑنے لگی تو طلال نے بھی ہتھیار ڈال دیے اور یوں زیب نے اپنی دیورانی تجل کی بہن کو پسند کرلیا مگر انہی دنوں جب ساہر اور طلال کی منگنی کی تیاریاں زور وشور سے جاری تھیں۔ طارق اعظم صاحب کو ہونے والا ہارٹ اٹیک جان لیوا ثابت ہوا ماں تو پہلے ہی چھوڑ گئی تھیں اور اب باپ کے جانے کے بعد گویا وہ بالکل ہی تنہا رہ گئے اور اسی تنہائی کے زیر اثر سعیدہ خانم پھوپو نے جلد از جلد طلال کا گھر بسانے کا فیصلہ کیا اور یوں ساہر مسز طلال بن کر اعظم ہاؤس چلی آئی حالانکہ تجل کی طلاق کے بعد اس کے گھر والوں کو یہ خوف لاحق ہوچلا تھا کہ کہیں تجل کی زندگی کی تلخیوں کی کرچیاں ساہر کے رشتے میں نہ دراڑ ڈال دے مگر گزرتے وقت کے ساتھ انہیں اندازہ ہوگیا کہ اعظم ہاؤس کے مکینوں سے رشتہ جوڑنا ساہر کے لیے بہترین فیصلہ تھا۔

❁.......❁.......❁

ساہر گھر والوں کے ہمراہ میکے آ گئی تھی، یہیں سے زیب آپا اور نبیلہ بھابی نے اسے پارلر لے جانے کے لیے لینا تھا، صبح سے دوپہر اور اب شام ہوچلی تھی وہ پارلر بھی آ چکی تھی مگر طلال کی ایک کال بھی نہ آئی۔ وہ منتظر نگاہوں سے بار بار سیل فون کی خالی اسکرین کو تکتی رہی، اسے یاد آیا کہ اس کی کالج فرینڈ جو شادی کے بعد اس سے ملنے گھر آئی تھی تو اس کا سیل فون ہر تھوڑی دیر بعد بج رہا تھا اور اس کے پوچھنے پر شرمیلی مسکراہٹ وخوشی سے پُر لہجے میں اس نے بتایا تھا کہ "علی بار بار میسج کررہا ہے، میرے بغیر اس کا دل نہیں لگ رہا۔" مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا ان کی شادی کو تو ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہ ہوئے تھے مگر نکاح کے بول رات کی قربت نے اس کے اردگرد ایک سحر سا طاری کیا تھا اسے اپنا آپ طلال کی غیر موجودگی میں کچھ ادھورا نامکمل سا لگ رہا تھا۔ اس کا روم روم طلال کی آمد کا منتظر تھا مگر نہ طلال آئے نہ ہی ان کی کال بلکہ وہ تو سیدھے ہی پہنچے ہوٹل پہنچے تھے، استقبالیہ سے لے کر اسٹیج تک، فوٹو سیشن سے لے کر کمرے میں واپسی تک، کتنی بار اس کا جی چاہا کہ طلال اس کا ہاتھ تھامے ہولے سے اس کے کان میں کچھ کہیں، کوئی تعریفی لفظ کوئی رومانٹک سا جملہ یا اس کے بغیر گزرے آج کے دن کا احوال لیکن وہاں تو ایک جامد سی خاموشی تھی۔

"شاید تنہائی میں کہنا چاہتے ہوں گے۔" اسی سوچ کے زیر اثر وہ ابھی تک بغیر چینج کیے کمرے میں ان کی آمد کی منتظر تھی۔ نجانے رات کے کس پہر ان کی واپسی ہوئی کہ وہ تو انتظار کی سولی پر لٹکی لٹکی ہی سوچکی تھی، صبح ہونے والے غیر معمولی سے شور پر ساہر کی آنکھ کھلی تو اس نے گردن اٹھا کر کمرے کا جائزہ لیا، وہ بلیک پینٹ پر فان کلر کی شرٹ پہنے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ٹائی باندھنے میں مصروف تھے۔ ساہر نے رخ موڑ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی الارم کلاک میں ٹائم دیکھا گھڑی کی سوئیاں پونے نو بجارہی تھیں شاید لیٹ ہوچکے تھے تب ہی چہرے پر جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔

"گڈ مارننگ۔" ساہر نے اٹھتے ہوئے خوشگوار موڈ میں کہا، جواب میں ٹائی میں الجھتے طلال نے گردن ہلائی۔

"لائیے میں ٹائی باندھ دیتی ہوں۔" ساہر بیڈ سے اترتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف آئی۔

"نہیں میں خود باندھ لوں گا، تم ذرا خانساماں کو ناشتہ کا کہہ دو، مجھے ویسے ہی دیر ہوچکی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" طلال کے جواب پر وہ بال سمیٹتی کمرے سے باہر آئی۔

"خانساماں ناشتا تیار ہے؟"

"جی میڈیم بس تیار ہی ہے چائے باقی ہے۔" خانساماں نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

"آپ ناشتا لگائیں، چائے میں بناتی ہوں۔" چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر چینی اور چائے پتی ڈالنے کے بعد اپنی آنکھوں کو پوری طرح کھولنے کے لیے اس نے کچن میں ہی موجود واش بیسن سے اپنے چہرے پر پانی کے چھپاکے مارے، اتنے میں چائے میں ابال آچکا تھا، دودھ ڈالنے کے بعد وہ چائے کپ میں نکال ہی رہی تھی کہ طلال اعظم ڈائننگ ٹیبل پر چلے آئے۔

Digitized by Google

طلال کے ناشتا اسٹارٹ کرتے ہی چائے کی طلب پر ساہر تیزی سے کپ لینے چلی آئی۔

"اف آج تو میں بہت لیٹ ہوگیا ہوں۔" جلدی جلدی ناشتا کرتے ہوئے طلال نے کلائی گھڑی پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"رات بھی شاید آپ لیٹ ہی آئے تھے۔" ناچاہتے ہوئے بھی ساہر کی زبان پر شکوہ مچل اٹھا۔

"ہاں وہ دوستوں کے ساتھ بیٹھ گیا تھا تو وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔" چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے نارمل سے انداز میں انہوں نے وجہ بتائی۔

"یہ کیا ہے؟" چائے کا سپ لیتے ہی یک دم ان کے چہرے کے زاویے بگڑے ساتھ ہی انہوں نے خانساماں کو پکارا جو طلال کی پکار پر دوڑا چلا آیا۔

"تمہیں نہیں معلوم میں چائے کیسی پیتا ہوں؟ یہ چائے کے نام پر کون سا شربت گھول کر دیا ہے؟"

"سوری سر جی وہ دراصل....."

"اس کی غلطی نہیں چائے میں نے بنائی ہے اور چینی زیادہ تو نہیں بس دو چمچ ہی تو ڈالی ہے۔" خانساماں کی بات کاٹ کر ساہر نے جلدی سے معصومیت سے کہا۔

"حد ہے بے پروائی کی جب کسی کام کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو تو وہ کام کرنا ہی نہیں چاہیے۔ چائے میں بغیر چینی کے لیتا ہوں۔" غصے سے کرسی دھکیل کر وہ تیزی سے باہر کی سمت بڑھ گئے۔

"تب ہی اتنے کڑوے ہیں۔" ساہر نے منہ بنایا۔ صبح ہی صبح ایسے رویے پر ساہر کا موڈ بھی خراب ہوچلا بجائے رات کے رویے پر معافی مانگنے الٹا اتنی سی بات پر مجھے ڈانٹ دیا۔ یہ بھی نہ سوچا میں نے پہلی بار ان کے لیے اپنے ہاتھوں سے چائے بنائی تھی دل ہی رکھ لیتے۔

"میڈم جی آپ کے لیے ناشتا لگاؤں؟"

"نہیں مجھے بھوک نہیں۔" خانساماں کی بات کا جواب دے کر ساہر افسردہ سی اپنے کمرے میں واپس چلی آئی۔

❁.....❁.....❁

شادی کے بعد اب دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوچلا تھا اور پہلی ہی دعوت زیب آپا نے رکھی تھی یعنی بجل آپی کے سابقہ سسرال میں۔ بجل آپی نے بطور خاص اسے ساڑھی پہننے کی تاکید کی تھی حالانکہ وہ صبح سے ہی کنفیوز تھی کہ آج دعوت میں کیا پہنے؟ شادی کے بعد پہلی دعوت اور وہ بھی اتنے قریبی سسرالی رشتے داروں کے گھر اسی لیے صبح جب طلال اعظم کوٹ پہنتے آئینہ کے سامنے اپنے اوپر پرفیوم کا چھڑکاؤ کرتے آفس جانے کو تیار ہو رہے تھے ساہر نے انہی سے رائے لینے کا سوچا۔

"سنیں آج آپا کے گھر دعوت ہے ناں؟" ساہر نے بات کا آغاز کیا۔

"تمہارا ہو یا پوچھ رہی ہو؟ ویسے مجھے معلوم ہے۔" بدلے میں وہی مختصر اجواب موصول ہوا۔

"میں بہت کنفیوژ ہو رہی ہوں کہ کون سا ڈریس پہنوں؟ پلیز آپ ہی کچھ میری مدد کروا دیجیے۔" ساہر نے وارڈ روب کھولی۔

"اوہ تم آن وہاں دعوت ہی ہے کوئی ڈریس کمیٹیشن نہیں، کوئی سا بھی پہن لو۔" وہ تو چلتے بنے جبکہ وہ کتنی ہی دیر تک وارڈ روب میں منہ دیے کھڑی رہی وہ تو بھلا ہو کہ بجل آپی کی کال آ گئی۔

"تمہارے جہیز میں میں نے جو فیروزی ساڑھی رکھی تھی آج دعوت میں وہی پہن لینا۔"

"اوہ ہاں ساڑھی تو میں بھول ہی گئی۔" اور یوں یہ مسئلہ حل ہوا۔ شام میں طلال اعظم کی واپسی تک وہ ساڑھی پہنے تک سک سی تیار تھی۔

"آپ فریش ہو کر جلدی سے ریڈی ہو جائیں آپا کی کال آئی تھی انہوں نے کہا ہے نو بجے سے پہلے آ جانا۔"

"یہ ڈریس.....؟" ان کے آتے ہی ساہر نے زیب آپا کا پیغام دیا مگر جواب میں طلال نے بغور اس کے ڈریس کو دیکھتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اپنی طرف یوں دیکھتا پا کر وہ پزل سی ہوئی اور گال دہکنے لگے۔

"اچھی لگ رہی ہوں ناں؟" ساہر نے ایک ادا سے ساڑھی کا پلو لہراتے ہوئے لبوں پر مسکراہٹ سجائی۔

"اس کے علاوہ اور کوئی ڈریس نہیں ملا یہ پہن کر جاؤ گی دعوت میں؟"

"جی بالکل یہ ہی پہن کر جاؤں گی آپ کو پتا ہے بجل آپی کہہ رہی تھیں کہ میں اس ساڑھی میں آفت میرا مطلب بہت پیاری لگوں گی۔" اس نے جلدی میں آفت لفظ کہہ تو دیا مگر اتنی ہی تیزی سے اس کا مطلب بھی واضح کیا۔

Digitized by Google

"آپ بتائیے کیسی لگ رہی ہے یہ ساڑھی اور میں؟" وہ مسکراتے ہوئے طلال اعظم کے برابر ہی صوفے پر آ بیٹھی اور ساتھ ہی طلال اعظم سے اپنی تعریف سننی چاہی۔

"اٹھو اور جا کر یہ ڈریس چینج کرو رائٹ ناؤ۔" طلال نے خود بھی اٹھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"کیا.....؟" وہ حیران و پریشان سی ان کی صورت دیکھنے لگی۔

"میں نے کہا اٹھو اور اس ڈریس کو فوراً چینج کرو۔ مجھے یہ ڈریس پسند نہیں۔"

"اُف اوہ..... اتنی پیاری تو ساڑھی ہے' مجھے تو بہت پسند..... ہم آپ جیلس ہو رہے ہیں ناں کہ وہاں سب میری ہی تعریفیں کریں گے' ہیں ناں۔" ساہر اٹھ کر طلال اعظم کے مقابل آ کھڑی ہوئی اور مسکراتے ہوئے شوخی سے بولی۔

"تمہیں بات سمجھ نہیں آئی یا سنا نہیں؟ میں نے کہا جاؤ اور چینج کرو۔ دعوت میں جا رہی ہو یا کسی ڈانس پارٹی میں؟" اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے سپاٹ و سرد لہجے میں پھر سے اپنی بات دہراتے وہ کمرے کی طرف چل دیے جبکہ وہ گم صم سی کھڑی بھی اپنی تیاری کو دیکھتی تو کبھی اُمڈ آتے آنسوؤں کے سیلاب پر بند باندھتی۔ شادی کے بعد پہلی دعوت اور پہلی بار یوں سج سنور کر وہ رومانٹک سے جملے اور اپنی تعریفوں کی منتظر تھی مگر یہاں تو سب الٹا ہی ہوا کچھ رومانٹک سا کہنے کے بجائے وہ تو بے عزتی ہی کر گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

ڈریس پھر سے چینج کرنے سے لے کر دعوت تک ساہر نے اپنے موڈ کو نارمل و خوش باش ظاہر کیا مگر گھر واپسی پر اس کا موڈ کس حد تک خراب ہے اس کا اندازہ طلال اعظم کو تب ہی ہو گیا تھا جب وہ لوگ گھر واپس آ رہے تھے۔ تمام راستے کی جانے والی ہر بات کا ساہر نے سرسری سا جواب دیا اور منہ پھیلائے بیٹھی رہی تھی اور کار کے پورچ میں رکتے ہی وہ فرنٹ ڈور کھول کر سرعت سے گھر کے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ طلال اعظم جب کمرے میں داخل ہوئے تو وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنی جیولری اتارنے میں مصروف تھی۔

"لگتا ہے بہت ناراض ہو؟" وہ اس کے پیچھے آ کھڑے ہوئے بغیر کوئی جواب دیے وہ ہنوز اپنے جھمکے اتارنے میں لگی رہی۔

"یار سمپل سی بات ہے' وہ ڈریس مجھے نہیں پسند' کافی ماڈرن ٹائپ ہے بس اسی لیے تمہیں چینج کرنے کو کہا۔" انہوں نے وضاحت دی۔

"یہ بات آپ پیار سے سمجھا بھی تو سکتے تھے ناں؟" رخ موڑے اس نے آئینہ سے ہی طلال کی جانب شکوہ بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب تو سمجھا رہا ہوں ناں پلیز اب موڈ ٹھیک کر لو' دیکھو مجھے یہ روٹھنا منانا بالکل پسند نہیں۔" طلال نے جھک کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھامتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آئس کریم کھانے چلیں' موڈ ٹھیک ہو جائے گا؟" ساہر ڈریسنگ چیئر سے اٹھ کر ان کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"آئس کریم وہ بھی اس وقت؟" طلال اعظم نے چونکتے ہوئے اپنی کلائی گھڑی دیکھنے کے ساتھ اسے بھی وقت کا احساس دلانا چاہا جہاں ایک بج رہا تھا۔

"ہاں ناں ابھی کیونکہ آئس کریم کھانے کا نہ تو کوئی وقت ہوتا ہے اور نہ ہی موسم' بس موڈ ہونا چاہیے جو کہ کسی بھی وقت بن سکتا ہے۔" ساہر نے کسی بچے کی مانند چہکتے ہوئے کہا۔

"سوری یار' میرا اس وقت ایسا کوئی آؤٹنگ کا موڈ نہیں البتہ کل آفس سے واپسی پر تمہارے لیے آئس کریم ضرور لیتا آؤں گا۔" کسی بچے کی مانند ہی وہ ساہر کو بہلا کر چینج کرنے چل دیے جبکہ وہ پل میں تولہ پل میں ماشہ جیسے اس بدلتے انسان کے بارے میں سوچتے حیرت سے واش روم کے بند دروازے کو تکتے رہی۔ وہ جو اپنی شاپنگ کے معاملے میں چوزی تھی اور اپنے لیے ہر چیز کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرتی آئی تھی زندگی نے اس کی ذات کے ساتھ کتنا عجیب بے جوڑ سا مذاق کر دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

اگلے دن سعیدہ خانم پھوپو کی طرف دعوت تھی' خانساماں کے ہوتے ہوئے بھی دوپہر کے لیے ساہر نے بطور خاص خود اپنے ہاتھوں سے پلاؤ' ٹرافل اور چکن جلفریزی تیار کر کے طلال اعظم کے سیل پر کال کی' جو کافی بیل بجنے کے بعد ریسیو ہوئی۔

"خیریت' کوئی کام تھا؟" سلام کے بعد چھوٹتے ہی انہوں نے پوچھا۔

"کیوں بغیر کسی کام کے آپ کو کال نہیں کر سکتی؟" ساہر نے کھلکھلاتے ہوئے پوچھا۔

"بغیر کسی کام کے یوں بلاوجہ کسی سے کال پر بزی رہنا

Digitized by Google

مجھے اچھا نہیں لگتا آجو شلی آفس ٹائمنگ میں۔" سیل فون سے طلال کی سپاٹ سی آواز سنائی دی۔

"مگر میں کسی نہیں آپ کی بیوی ہوں۔" ساہر جراح پر ہی اتر آئی۔

"ہاں تو بیوی ہو یا اس تو نہیں' خیر کال کرنے کی کوئی وجہ ہے بھی یا نہیں ورنہ میں کال ہی کٹ کردوں۔ تمہیں کوئی کام ہو یا نہ ہو مجھے یہاں کافی کام ہیں۔" طلال اعظم نے مصروف ودوٹوک انداز میں کہا۔ ساہر کو ان کا یہ روکھا پھیکا بے لچک سا انداز کافی عجیب سا لگا تب ہی مزید کچھ اور کہنے یا پوچھنے کے بجائے اس نے سیدھی طرح وہی بات پوچھی جس کے لیے کال کی تھی۔

"وہ دراصل میں نے آپ کو کال یہ پوچھنے کے لیے کی تھی کہ آپ لنچ پر گھر کتنے بجے تک آئیں گے؟"

"کیوں خیریت؟"

"بس یونہی' میں نے سوچا صبح بھی آپ میرے اٹھنے سے پہلے ہی آفس چلے گئے تو لنچ ایک ساتھ کرلیتے ہیں۔" ساہر نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"مگر میں لنچ گھر پر نہیں یہیں آفس میں ہی کرتا ہوں۔" طلال کے انکار پر اس کا دل چھن سے ٹوٹ گیا۔

"مگر میں تو لنچ تیار کرچکی ہوں وہ بھی آپ کی پسند کا مینو۔" ایک مبہم سی آس اس کے لہجے میں در آئی۔

"جو کال ابھی کی ہے یہ ہی کال لنچ تیار کرنے سے پہلے کرلیتیں تو آپ کی محنت اور میرا ٹائم دونوں ہی بچ جاتا' ویل تھینکس فار دی آفر' کوئی اور بات یا کام؟" طلال کی طرف سے سوال ہوا۔ ساہر کی تو اب ہمت ہی نہ بچی تھی مزید کچھ کہنے سننے کی۔

"نہیں بس کچھ اور نہیں۔" وہ اس لہجے میں کہہ کر کال کاٹ دی۔

"ہنستوں مین...... کون کہتا ہے وکیل بات بے بات جراح کرتے ہیں ایک یہ وکیل ہیں جو جراح تو دور بات تک نہیں کرتے۔ ان کے سینے میں تو دل نام کا عضو ہے ہی نہیں' انسان کم روبوٹ زیادہ ہیں۔ ہر قسم کے احساسات ومحسوسات سے عاری ایک مشینی روبوٹ یا پھر انہیں میں ہی پسند نہیں یا ہوسکتا ہے وہ اس شادی سے ہی خوش نہ ہوں یا پھر کسی اور کو پسند...... ورنہ بھلا کون اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ اس طرح کا روڈلی بی ہیو کرتا ہے۔" طرح طرح کے منفی شکوک وشبہات اب ساہر کے ذہن ودل میں ابھرنے لگے تھے جو گزرتے وقت کے ساتھ اور پختہ ہوکر ذہن ودل میں اپنے پنجے گاڑتے جارہے تھے۔

ان کی شادی کو ایک ہفتہ ہوچکا تھا اور دعوتوں کا موسم بھی اب رخصت ہوچلا تھا۔ اس دوران ساہر دو دن کے لیے میکے بھی رہ آئی تھی اور ہر فکر مند اندیشوں و وسوسوں میں گھری ماں کی طرح وحیدہ بیگم نے بھی اس سے وہی سوال پوچھا تھا۔

"بیٹا...... تم خوش تو ہو ناں؟" اور وہ جو شادی کے بعد سے گزرے ہر دن میں خوشی و اداسی کے بیچ کا فرق ہی ٹھیک سے سمجھ نہ پارہی تھی جواب وضاحت کیا دیتی بس ہولے سی مسکرا دی تھی۔ تجل آپی کی جانچتی ہوئی نظروں سے بچتی بچاتی یا تو اپنے سیل فون میں خود کو مصروف تر ظاہر کرتی یا پھر مسکرائے جاتی۔

اعظم ہاؤس میں جتنی خاموشی تھی اس سے زیادہ ساہر کے اندر سناٹے بڑھ رہے تھے وہ تو ہمہ وقت کسی چڑیا کی مانند چہچہاتی۔ زندہ دل سی لڑکی تھی مگر یہاں اب زندگی کا کوئی نام و نشان ہی نہ تھا۔ حسب معمول ہوا کہ گھوڑے پر سوار ہوکر آفس جاتے اور اپنے مخصوص وقت یا کبھی کبھار تھوڑا دیر سے گھر لوٹتے ان دونوں کے علاوہ گھر میں ایک کل وقتی ملازم خانساماں موجود ہوتا اور آج کل سعیدہ خانم پھوپو کی ملازمہ بھی صفائی ستھرائی کے لیے چلی آتی جس کا کام بھی محض ایک سے دو گھنٹوں پر محیط ہوتا پھر وہ تنہا ہی سارا دن گزارتی۔

"آج آپ آفس سے جلدی آجائیں گے؟"

"کیوں خیریت؟" چائے کا سپ لیتے ہوئے بھنوئیں سکیڑ کر طلال نے اس کی سمت دیکھا۔

"آپ صبح کے گئے شام کو لوٹتے ہیں اور میں اکیلی گھر میں سارا دن بور ہوتی رہتی ہوں۔" ساہر نے بوریت سے کہا۔

"تو تم اپنی امی کے گھر چلی جاؤ۔"

"واہ...... کیا آئیڈیا ہے اپنی امی کے ہی گھر رہنے دیا ہوتا شادی کرکے کیوں لائے اس بھوت بنگلے میں......" وہ بڑبڑائی۔

"کچھ کہا تم نے؟" انہوں نے اس کے ہلتے لب تو دیکھے مگر لبوں سے ادا ہوتے الفاظ نہ سن پائے۔

"جی' میں یہ کہہ رہی تھی یوں روز روز امی کے گھر بھی جانا مناسب نہیں لگتا۔ لوگوں کی تو خیر ہے امی اور آپی بھی طرح طرح کے سوالات پوچھتی ہیں' اکیلی کیوں آئی' طلال کب لینے

Digitized by Google

آئیں گے؟ وہ گھر جلدی کیوں نہیں آتے وغیرہ وغیرہ..... لیکن اگر آپ کہتے ہیں تو میں چلی جاتی ہوں۔" ساہر نے اٹھتے ہوئے بے پروائی ظاہر کی۔

"ارے نہیں نہیں......" طلال نے تیزی سے جاتی ہوئی ساہر کا یوں ہاتھ پکڑا گویا وہ ابھی اپنے میکے روانہ ہو رہی ہو۔

"اچھا چلو ایسا کرو پھوپو کی طرف چلی جایا کرو۔" طلال نے خاموش کھڑی ساہر کی جانب دیکھتے ہوئے رائے دی جو کہ کافی حد تک معقول بھی تھی' ساہر نے اثبات میں گردن ہلا کر حامی بھر لی۔ طلال اعظم کے آفس جانے اور ملازمہ کے صفائی سے فارغ ہوتے ہی وہ چادر اوڑھ کر پھوپو کی طرف چلی آئی۔

"گھر میں اکیلی بور ہو رہی تھی سوچا آپ کی طرف چلی آؤں۔" ساہر نے آنے کی وجہ بتائی۔

"بہت اچھا کیا جو تم یہاں چلی آئیں۔" نبیلہ بھابی نے فراخدلی سے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"تم امی کے کمرے میں چلو میں بھی وہیں آتی ہوں۔" نبیلہ بھابی کی بات پر وہ ڈائننگ روم سے باہر نکلتے ہوئے اندر کی جانب بڑھی۔ ڈائننگ روم بھی اپنے ہی طرز کا لاجواب تھا جو بے حد قیمتی اور نفیس فرنیچر سے مزین خوب صورت شوپیس سے سجا ہوا تھا۔ ساہر یونہی گھر کا جائزہ لیتے ہوئے دوسری طرف نکل آئی جہاں برابر برابر دو کمرے بنے ہوئے تھے جس میں سے ایک کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا اس نے ہولے سے دستک دے کر اندر جھانکا تو سعیدہ خانم پھوپو کو جا نماز پر دو زانو بیٹھے دعا مانگتے پایا شاید وہ چاشت کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ دعا سے فارغ ہو کر جونہی وہ پلٹیں اپنے پیچھے ساہر کو کھڑا دیکھ کر وہ پہلے حیران ہوئیں پھر خوش۔

"آؤ آؤ بیٹا یہاں بیٹھو میرے پاس۔" انہوں نے ساہر کو اپنے پاس ہی بٹھا لیا وہ اس کی آمد پر واری جا رہی تھیں۔

"اگر میں یونہی روز روز آؤں کیا تب بھی مجھے اتنی محبت ملے گی؟" ساہر نے دل ہی دل میں سوچا۔

"کیا سوچ رہی ہو بیٹا؟" اسے یوں خاموش سا دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں پھوپو بس یونہی۔" ساہر نے ٹالا۔

"یونہی کیا سوچ رہی ہو بیٹا؟" پھوپو نے پھر سے حلاوت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"لگتا ہے خیالوں ہی خیالوں میں طلال بھیا کو سوچا جا رہا ہے۔" نبیلہ بھابی اس کے لیے کولڈ ڈرنک لائی تھیں اور مسکراتے ہوئے بولیں تو ساہر نے ہولے سے مسکرا کر ان کی سمت دیکھا۔

"بھابی وجدان کہاں ہے؟" اس نے بات بدلنی چاہی۔

"اس نے تو رات سے ہی تنگ کیا ہوا ہے سویا بھی نہیں تھا بس ابھی بڑی مشکلوں سے سلایا ہے' خیر تم بتاؤ کیا سوچا جا رہا تھا؟" نبیلہ بھابی نے پھر سے سوال دہرا لیا۔

"کچھ خاص نہیں بس یہ ہی سوچ رہی تھی کہ اگر میں یونہی روز آ جایا کروں گی تو کہیں آپ لوگوں کو برا نہ لگے کیونکہ مہمان تو زیادہ سے زیادہ دو دن ہی اچھا لگتا ہے ناں۔" ساہر کی بات کے اختتام پر دونوں ساس بہو نے حیرت سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"دیکھ رہی ہیں امی یہ ہمیں اپنا سمجھتی ہی نہیں ناں بھئی اب ہمارا اور ان کا رشتہ جو اتنا دور کا ہوا شوہر کی پھوپو کا گھر تو پرایا ہی کہلائے گا ناں۔" نبیلہ بھابی یک دم سیریس ہو گئیں۔

"ارے نہیں بھابی میرا یہ مطلب نہیں......" ساہر نے جلدی سے صفائی دینی چاہی۔

"تو بیٹا پھر کیا مطلب ہے تم نے تو سرے سے ہمیں پرایا ہی کر دیا' خود کو مہمان سمجھ کر آئی ہو یہاں اور تمہارا خیال ہے تمہارے آنا ہمیں برا لگے گا۔" سعیدہ خانم نے بھی سنجیدگی سے ناراضگی ظاہر کی۔

"نہیں پھوپو ایسی بات نہیں' ایم سوری' میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا در اصل میں سارا دن اکیلی گھر میں بور ہو جاتی ہوں تب ہی سوچا دن میں یہیں آپ لوگوں کے پاس چلی آیا کروں۔" ساہر نے وضاحت دی۔

"اچھا تو یہ بات ہے' ویسے سوچ تو تم نے بالکل ٹھیک ہے مگر یہاں آ کر صرف بیٹھنا نہیں بلکہ نبیلہ کے ساتھ کاموں میں بھی ہاتھ بٹانا ہوگا۔" سعیدہ خانم نے یک دم سے ساس والے تیور اپنائے۔

"جی ہاں بالکل پھر تو میں بھی خوب جٹھانی والے رعب جماؤں گی۔"

"جی بھابی جیسے آپ لوگوں کو ٹھیک لگے۔" ساہر نے رضا مندی ظاہر کی پھوپو اور نبیلہ بھابی ساہر کی معصومیت دیکھ کر سنجیدگی کا لبادہ اتار ایک دم سے ہنس دیں جبکہ ساہر نے یوں اچانک سے ہنستی ہوئیں دونوں ساس بہو کو ناسمجھی سے دیکھا۔

"ارے بہو میں نے تو ابھی تک نبیلہ پر بھی کوئی روک ٹوک

Digitized by Google

نہیں کی نہ ہی ساس والے تیور و رعب جمائے تو تم تو پھر میری نئی نویلی پیاری سی بہو ہو تم پر کیسا حکم چلانا؟" انہوں نے پیار سے سماہر کی بلائیں لیں۔

"اور نہیں تو کیا گھر میں میرے اور امی کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں تم آجایا کروگی تو رونق ہو جائے گی دل بیٹھنے کو موقع بھی مل جائے گا۔" نبیلہ بھابی نے بڑی چاہ سے سماہر کے گرد اپنا بازو پھیلاتے ہوئے اپنائیت سے کہا تب ہی وجدان کے رونے کی آواز آئی۔

"اُف' لگتا ہے پھر سے اٹھ گیا تم بیٹھو امی سے باتیں کرو چاہو تو میری برائیاں ہی کرو۔" نبیلہ بھابی نے اٹھتے ہوئے شوخی سے کہا اور کمرے سے باہر چل دیں۔

"بیٹا یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے اسے سسرال نہیں اپنا ہی گھر سمجھ کر جب چاہو بلکہ روز ہی آجایا کرو۔ میں سمجھ سکتی ہوں تم وہاں کتنی اکیلی ہو جاتی ہوگی اور بور بھی۔ سچ کہوں تو میں خود وہاں اکتا جاتی ہوں۔ طلال ضد کر کے مجھے دو چار دن کے لیے اپنے گھر لے تو جاتا ہے مگر دوسرے ہی دن اس کے آفس جاتے ہی اس بھوت بنگلے سے واپس اپنے گھر دوڑی چلی آتی ہوں۔" پھوپو کی بات اور ان کے بھی بھوت بنگلے کے تصور پر سماہر کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اچھا بیٹا..... یہ بتاؤ تم خوش تو ہو طلال کے ساتھ؟" ان کی جہاندیدہ آنکھیں اس پر جم سی گئی تھیں' اس سوال پر یک دم وہ ایسے گھبرائی جیسے کوئی انوکھا سوال کیا گیا ہو' پتا نہیں کیوں اس سوال کو سنتے ہی نا معلوم کتنی حسرتیں آنکھوں میں آنسو بن کر جھلملانے لگی تھیں۔

"نہیں پھوپو میں تو بہت خوش ہوں۔" وہ آہستہ آواز سے بولی۔

"اس کا جواب مجھ سے بہتر تو تم خود جانتی ہو بیٹا اپنے آپ کو دیکھو ذرا ہفتے دس دن کی دلہن کہیں سے لگتی ہی نہیں' کیا نئی نویلی دلہنیں سہاگنیں ایسی ہوتی ہیں؟" انہوں نے بغور سماہر کی جانب دیکھتے ہوئے قطعیت سے اپنی بات مکمل کی۔

"تو پھر کیسی ہوتی ہیں پھوپو؟" سماہر نے روندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"یہ تو تم خود سے پوچھو بیٹا' آئینہ دیکھو گی تو جواب خود مل جائے گا۔" اس کے لہجے میں چھپا درد انہیں محسوس ہو گیا تھا۔

"کس کے لیے دیکھوں آئینہ' کس کے لیے خود کو سجاؤں سنواروں؟ ان کے لیے جن کے نام سے سہاگن بنی ہوں تو ان کے پاس تو شادی کی پہلی رات بھی میرے لیے تعریف کا ایک جملہ تک نہ تھا تو اب ان کے پاس وقت کہاں؟" سماہر کی آواز سے درد چھلکا تو آنکھوں سے بھی آنسو ضبط و برداشت کا یارانہ نہ رہا' وہ جھوٹے بند جو اس نے مسکرا مسکرا کر بڑی کوشش سے سب کے سامنے باندھے تھے۔ پھوپو کے سامنے نہ چاہتے ہوئے بھی ٹوٹ چلے اور آنسوؤں کا سیلاب بہہ چلا' نبیلہ بھابی جب آئیں تو اس کو روتا دیکھ کر ان کی آنکھوں میں حیرت در آئی' کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے مگر سعیدہ خانم نے ہاتھ سے مبہم سا اشارہ کر کے انہیں روک دیا اور خود سماہر کو بانہوں میں سمیٹ لیا۔ وہ بیٹی والی تھیں' بیٹیوں کے جذبات سے بھی آشنا تھیں اور طلال اعظم کی فطرت سے بھی۔

"میری بیٹی حوصلہ رکھ ابھی نئی نئی آئی ہو ناں' عادی نہیں اس ماحول کی نہ ہی طلال کی طبیعت کی' اس لیے زیادہ ہی محسوس کر رہی ہو تھوڑے دنوں میں عادی ہو جاؤ گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ سماہر کے بالوں کو سہلاتی ہوئیں پیار سے بولیں۔

"ہاں سماہر اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم طلال بھیا کو اپنی طرف' گھر کی جانب کس حد تک اور کس طرح مائل کرتی ہو۔" نبیلہ بھابی نے بھی سماہر کا ہاتھ تھام کر محبت سے کہا تو سماہر نے محض اثبات میں گردن ہلائی۔

آج وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ طلال کے آفس آنے سے پہلے ہی وہ واپس اعظم ہاؤس آچکی تھی اور پھر یہ معمول بن گیا تھا۔ طلال اعظم کے آفس جانے کے بعد وہ پھوپو کی طرف چلی آتی جہاں پھوپو اور نبیلہ بھابی کے ہمراہ باتوں میں چھوٹے چھوٹے کاموں میں ہاتھ بٹاتے اور وجدان کے ساتھ کھیلتے وقت کا پتا ہی نہ چلتا۔ کبھی کبھار شاویز بھیا بھی گھر جلدی آجاتے تو ان کے ساتھ بھی اچھی گپ شپ ہو جاتی وہ کافی ہنس مکھ انسان تھے۔

وہ ماسی کے ساتھ صفائی کروانے میں مصروف تھی جب ہی کجل آپی کا فون آگیا۔ سلام دعا کے بعد کجل آپی نے ڈائریکٹ ہی اسے مارکیٹ چلنے کو کہا۔ کجل آپی کے اصرار پر وہ جانے کو رضا مند ہو کر حامی بھر چکی تھی۔ وہ کجل آپی کے ہمراہ مارکیٹ میں ہی تھی جب اس کا موبائل بپ کرنے لگا۔ کال نبیلہ بھابی کی تھی پھوپو اعظم ہاؤس آئی تھیں اور اسے گھر نہ پا کر نبیلہ بھابی نے

Digitized by Google

کال کی تھی۔
"کیا ہوا خیریت تو ہے؟" وہ مختصراً گھر پر نہ ہونے کی وجہ بتا کر کال کٹ کر چکی تھی جب تجل نے پوچھا۔
"جی آپی سب خیریت ہے میں گھر پر نہیں تھی ناں بس اسی لیے پھوپو نے کال کی تھی۔" موبائل کو پھر سے پرس میں رکھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔
"اوہ تو مطلب تمہارا سسرال تو ہے نہیں' اس لیے وہ چلی ہیں ساس بننے۔" تجل آپی نے استہزائیہ انداز میں کہا۔
"اُف اُو آپی ایسا کچھ نہیں وہ تو بہت اچھی ہیں۔" ساہر کے لہجے سے جھلکتی سسرالی محبت پر تجل نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"چار دن کی چاندنی اور پھر وہی اندھیری رات' تم نہیں سمجھتی سسرال کے حساب کتاب' بس شروع کے دنوں میں ہی سب اچھا اچھا نظر آتا اور لگتا ہے۔" تجل آپی نے ماتھے پر تیوری چڑھاتے ہوئے کہا۔
"اچھا چھوڑیں ناں وہ سامنے والی شاپ پر دیکھیے ذرا ڈسپلے پر کتنی زبردست کرتی......" ساہر کے اشارے پر تجل نے بھی اس کے تعاقب میں نظریں دوڑائیں جہاں واقعی پیچ کلر کی بہت ہی خوب صورت سی کرتی تھی۔
اگلے پل وہ دونوں ہی شاپ کے اندر تھے تجل آپی اپنے لیے کرتی کا انتخاب کرنے لگیں تو وہ بھی گھوم پھر کر باقی ڈریسز کا جائزہ لینے لگی۔
"تم بھی لے لو ناں دیکھو کتنے پیارے ڈیزائن ہیں۔"
"نہیں آپی میرے تو جہیز و بری کے ہی اتنے کپڑے ہیں۔" ساہر نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔
"واہ یہ کیا بات ہوئی؟ بھئی نئی نویلی دلہن ہو خوب بجو سنورو' خوب شاپنگ کرو مگر شادی کے بعد تو لگتا ہے تم میں کوئی بوڑھی روح گھس گئی ہے۔ کیا طلال کو تمہارا بجنا سنورنا پسند نہیں؟" تجل آپی کی بات پر یک دم وہ بوکھلائی۔
"نہیں آپی ایسی بات نہیں' پچھلے دنوں سے روزانہ ہی دعوتوں میں کسی دلہن کی طرح ہی بج سنور کر جاتے ہوئے اب تو تھک گئی ہوں۔" ساہر نے جان بوجھ کر مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور ڈریسز کی پے منٹ کر کے ساہر کے ہمراہ شاپ سے باہر چلی آئی اب ان کا رخ فوڈ کوٹ کی طرف تھا۔
"اچھا یہ بتاؤ تم لوگ ہنی مون پر کب جا رہے ہو؟" فوڈ کوٹ کی چیئر گھسیٹ کر بیٹھنے تک وہ اپنے آپ پر قابو پا چکی تھی۔
"ہنی مون پر کیوں؟"
"ہاں وہ تو مجھے معلوم ہے لازمی تو نہیں کہ ہر کپل ہی جائے اور طلال تو اتنا بزی ہوتے ہیں' ان کے پاس ٹائم ہی کہاں؟ اس لیے ہمارے بیچ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔"
"اُف...... کم عقل' بے وقوفی لڑکی' داد دینی پڑے گی تمہاری نادانی کی۔ شادی کو ہفتہ دس دن ہونے کو آئے مگر پھر بھی تم نے اتنی ضروری بات کا نہ ذکر چھیڑا نہ سوال کیا اور نہ ہی ضد کی' ابھی سے یہ حال ہے تو آگے کیا ہوگا؟ گی' میریڈ لائف کا یہ جو پیریڈ ہوتا ہے ناں' اسی میں ظاہر ہو جاتا کہ آگے جا کر شوہر بیوی کو غلام بنا کر رکھے گا یا بیوی شوہر کے دل پر راج کرے گی۔ آج کل تو ماڈرنزم عروج پر ہے اور طلال تو خیر سے ہے بھی ایڈووکیٹ اس کا تو بیچ بھی ہائی فائی سوسائٹی سے ہے تو ایسے میں اس کی وائف کو بھی ماڈرن ہونا چاہیے۔"
"تو کیا مطلب ہے آپی میں ماڈرن نہیں؟" ساہر نے بھنوئیں سکیڑ کر بغور اپنے آپ پر نظر دوڑائی' بلیک ٹراؤزر پر لائٹ بلو شارٹ کرتی اور سر پر اسٹولر لپیٹے وہ پہلی ہی نظر میں ماڈرن لک کے ساتھ ساتھ پریٹی لک بھی دے رہی تھی۔
"میں بظاہر حلیے سے ماڈرن ہونے کا نہیں کہہ رہی' باتوں سے' اداؤں سے بھی۔" تجل نے آنکھ مارتے ہوئے اسے سمجھانا چاہا۔
"کو یو مین بولڈ؟" ساہر مسکراتے ہوئے بات کی تہہ تک پہنچی۔
"ہاں بالکل' بی بولڈ اور ابھی سے اسے اپنے کنٹرول میں کرنا اور بات منوانا سیکھو' جھکو نہیں بلکہ اسے جھکاؤ' سمجھ رہی ہو ناں؟"
"مگر آپی امی نے تو کہا تھا کہ......"
"اوہ کم آن بھی' تم امی کی اولڈ فیشن باتوں کو تو سائیڈ میں رکھو وہ وقت گزر گیا جو اُن کا تھا آج کل کے بولڈ پیریڈ میں وہ باتیں مس فٹ ہیں۔" تجل آپی کی بات پر اس نے محض گردن ہلائی مگر دل میں کہیں الجھ رہی تھی۔
"آپی اگر یہ سب آپ نے کیا تو پھر وسیم بھیا نے آپ کی بات کیوں نہ مانی' کیوں آپ کو ویلیو نہ دی؟" ساہر کے اچانک سوال پر اسکوائش کے سپ لیتی تجل چونکی۔
"کیونکہ وسیم باقی مردوں سے الگ تھے' ان کے لیے بیوی نہیں فیملی زیادہ امپورٹنٹ تھی' یہاں تک کہ بیوی بھی فیملی کی

Digitized by Google

خدمت گزاری کے لیے چاہیے تھی۔ وہ حکم چلانے اور جھکانے والے مردوں میں سے تھے جن کی نظروں کو بیوی بس نوکرانی بنی گھر کے کام کرتی گھر سنبھالتی ہی اچھی لگتی ہے۔ "سجل کا لفظ لفظ اور لہجہ زہر آگیں تھا۔ ایک ایسا زہر جو اسے اپنی ازدواجی زندگی کی ناکامی نے دیا تھا۔

"خیر چھوڑو تم سمجھ گئی ناں تمہیں کیا کرنا ہے؟ ابھی سے ضد کرکے اپنی بات منوانا سیکھو اور خاص کر یہ ہنی مون والی بات' مصروفیت اور آفس ورک تو سالہا سال ہی رہتے مگر یہ دن واپس نہیں آتے۔"

"مگر وہ بھی تو باقی مردوں سے الگ ہیں' سنجیدہ اور ان رومانٹک مزاج کے اسٹوں مین۔" سینڈوچ کھاتے ساہر دل ہی دل میں خود سے سوال جواب کرنے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

"تم بہت پیاری ہو کسی ایسرا جیسی اور تمہارے یہ بال جی چاہتا ہے ان کالی سیاہ گھٹاؤں میں خود کو چھپالوں' انہیں کھلا ہی رہنے دو ناں۔" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بال بنا رہی تھی جب طلال نے اس کے کندھے پر اپنی ٹھوڑی ٹکائے بڑے پیار سے کہا۔

"اچھا ایسی بات ہے تو پھر یہ بتایئے؟ اپنی اس پیاری سی وائف کو ہنی مون پر کب اور کہاں لے کر جارہے ہیں؟" ساہر نے پلٹتے ہوئے ایک ادا سے پوچھا۔

"ہنی مون پر کہیں اور جانے کی کیا ضرورت ہے جب تم ساتھ ہو تو ہنی مون تو کہیں بھی بلکہ یہاں بھی منایا جاسکتا ہے۔" طلال کی آنکھوں میں شرارت و معنی خیزی نمایاں تھی۔ ساہر نے نظریں جھکالیں۔

"اگر تمہارا میک اپ مکمل ہوگیا ہو تو پلیز لائٹ آف کردو مجھے سونا ہے۔" پیچھے سے آتی طلال کی سپاٹ آواز پر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ساہر چونکی اور یک دم پلٹ کر پیچھے دیکھا جہاں طلال بیڈ پر نیم دراز تھے۔

"تو گویا یہ سب میرا وہم تھا' ہاں واقعی ان کا ایسا روپ تو بس میرے خواب و خیال میں ہی ہوسکتا ہے۔" ساہر نے اپنے بال سمیٹتے ہوئے مایوسی سے سوچا اور اٹھ کر لائٹ آف کرنے کے بعد خود بھی خاموشی سے طلال المعظم کے برابر میں آلیٹی۔

"سنیے سو گئے آپ؟"

"نہیں فی الحال تو سویا نہیں' کہو کیا بات ہے؟" آنکھوں سے بازو ہٹائے بغیر یونہی لیٹے ہوئے پوچھا۔

"ہم ہنی مون پر کب جائیں گے؟" ساہر نے جھٹ سے وہ سوال پوچھ ہی لیا جو کل آپی سے ہونے والی ملاقات کے بعد سے اس کے ذہن میں مچل رہا تھا۔

"ہنی مون پر؟" وہ ساہر کے سوال پر آنکھوں سے بازو ہٹا کر بغور اس کی جانب دیکھنے لگے گویا اس نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو۔

"جی ہنی مون پر' جیسے باقی سب کپلز جاتے ہیں۔" ساہر نے ہنی مون لفظ پر زور دیتے ہوئے اپنی بات دہرائی۔

"جو جاتے ہیں انہیں جانے دو مگر ہم نہیں جائیں گے۔"

"لیکن کیوں؟" ساہر نے طلال کی سمت کروٹ بدلتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں کہ نہ تو میرے پاس اتنا ٹائم ہے اور نہ ہی ہنی مون اتنا ضروری۔" طلال کے جواب پر خفگی سے وہ ان کی سمت دیکھنے لگی جہاں بے پروائی عروج پر تھی۔

"لیکن مجھے جانا ہے اور آپ کو بھی جانا ہوگا۔" ساہر نے ضدی لہجے میں کہا۔

"کیا بچپنا ہے' تمہیں بات سمجھ نہیں آئی؟ میں ان مردوں میں سے نہیں جو بیویوں کی فضول سی ضدیں اور اوٹ پٹانگ خواہش مانتے پھریں' اس لیے بہتر ہے تم یہ ہنی مون وغیرہ بھول کر خاموشی سے سو اور مجھے بھی سونے دو۔" طلال اعظم نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنایا اور پھر سے کروٹ بدل کر سونے لگے جبکہ طلال کے اس لہجے و انداز پر ساہر کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

موسم کے تیور کچھ بدلے بدلے سے تھے' مطلع اس قدر ابر آلود تھا کہ لگتا کسی بھی پل ابر رحمت برس پڑے گا اور یہی ہوا دوپہر ہوتے ہی خوب جل تھل ہوگئی۔ وہ برستی بارش کو انجوائے کرنے لان میں چلی آئی۔ ہر چیز نکھری دھلی دھلائی بے حد حسین لگ رہی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی بارش کی پھوار اس کے تن من کو بھگونے لگی ساہر تنہا کھڑی مسکراتے ہونٹوں اور آنکھوں کو بند کیے اس دل فریب برستی بارش سے محظوظ ہو رہی تھی جب بارش کا کوئی قطرہ تیزی سے اس پر گرتا تو اس کی ٹھنڈک گزرے ماہ کی ساری تلخیاں' سارے ادھورے پن اور گلے شکوہ بھلا دیتی۔ ایک بار پھر سے اس کے دل میں خواہش جاگی تھی' ایک

Digitized by Google

بار پھر ساہر کا دل طلال اعظم کی رفاقت کے لیے مچلنے لگا تھا کہ اس حسین و عاشقانہ موسم میں وہ اپنے ہمسفر کی قربت میں لمبے سفر پر نکل جائے۔ برستی بارش کا شور ہو اور ہاتھوں میں من چاہے ہمسفر کا ہاتھ ہو تو برستی بوندوں کی تال پر محبت کے گھنگھرو باندھے دھڑکنیں بھی رقصاں ہوتی ہیں۔ وہ ان فسوں بھرے لمحات کو طلال کی قربت میں محسوس کرنا چاہتی تھی مگر ان کا جواب بھی بخوبی جانتی تھی۔ طلال اعظم کو اتنے ہی فضول لگتے تھے ساہر کو یاد تھی وہ بارش جو شادی کے کچھ ہی ہفتوں بعد خوب زور سے برسی تھی۔ شادی کے اولین دن جب بات بے بات لبوں پر مسکان اور آنکھوں میں چمک سی آجاتی تھی جب ہر شے محبت کے رنگ میں رنگی نظر آتی تھی شوخ ہواؤں کے سنگ جو نہی بوندا باندی کے سفر کا آغاز ہوا وہ طلال اعظم سے بضد ہوئی کہ کہیں باہر چلیے بارش کو انجوائے کرتے ہیں ساون اور سنگ ساجن سوچ کر ہی اتنا رومانٹک سا احساس جاگا تھا اس کے اندر مگر بے زاری و اکتاہٹ سے بھرپور طلال اعظم کے جملوں نے اس کے احساسات کو منجمد کر دیا تھا۔

"مجھے یہ بارش اور اس کا شور اور ہر طرف پانی کی کچ کچ نہیں پسند بلکہ مجھے تو بارشوں میں ذرا سا بھی بھیگنا پسند نہیں سو پلیز....." بے پروائی و بیزاری ان کے جملوں میں ہی نہیں چہرے پر بھی تھے بے پروائی کی اس مار نے ساہر کو اندر تک زخمی کر دیا تھا۔ آج پھر بارش برسی تھی احساس پھر جاگے تھے اور ساتھ ہی وہ زخم پھر سے ہرے ہو گئے تھے۔

باہر بارش برس رہی تھی مگر ساہر اب خاموشی کی چادر اوڑھے اداسی کا پیرہن پہنے واپس اندر چلی آئی تھی۔ کبھی کبھی خاموشی ہی اچھی لگتی ہے جب لفظ ختم ہو جائیں تو خاموشی بولتی ہے مگر افسوس وکالت کے داؤ پیچ سمجھنے والا انسان اس کی خاموشی کی زبان سمجھنے سے قاصر تھا۔

❁.....❁.....❁

ساہر کی ازدواجی زندگی بے حد عجیب بے رنگ ثابت ہو رہی تھی۔ وہ بذات خود تو بادلوں کے اس پار خوابوں میں رہنے والی چاندنی کو تکتے رہنے والی بارشوں میں پہروں بھیگتے رہنے والی تتلیوں اور قوس و قزاح کے رنگوں کو چرانے والی پھولوں کی مہکتی شوخ و چنچل سی لڑکی تھی اور اب وہی لڑکی کسی مرجھائی ہوئی کلی کی مانند ہو چلی تھی۔ اگر اسی کا نام زندگی ہے تو وہ اسی بے رنگ زندگی سے سمجھوتہ کر چکی تھی کیونکہ اسے اس رشتے کو ہر حال میں نبھانا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ آپی کی مثال کے ساتھ اسے بھی جوڑا جائے تب ہی ساہر طلال اعظم کے روکھے پھیکے رویے کو نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا کر ہنس کر ٹال دیتی تھی۔ اس کی محبت کی قندیل میں کہیں نہ کہیں ایک امید آس کی سیپ میں بند بلاؤ کا موتی موجود تھا جس کی چمک طلال اعظم کو بدلنے پر مجبور ضرور کرے گی۔ ساہر کو پوری امید تھی ساہر نے سعیدہ خانم پھوپو کی طرف جانا چھوڑا تو نہیں تھا مگر کم ضرور کر دیا تھا بس کبھی کبھار ہی وہ ان کی طرف چلی جاتی تھی باقی وقت وہ خود کو گھر کے کسی نہ کسی کام میں الجھائے رکھتی۔ سعیدہ خانم پھوپو کے ہاں وہ کافی گھل مل گئی تھی دجدان کی شرارتیں نبیلہ بھابی اور شاویز بھیا کی نوک جھونک اور سعیدہ خانم پھوپو کی پیار بھری نصیحتیں کتنا مکمل گھرانہ تھا۔ اسے رشک بھی آتا اور حیرت بھی ہوتی کہ طلال اعظم بھی اسی خاندان کا حصہ ہوتے ہوئے بھی کتنے الگ سے تھے۔

ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ پھوپو کے گھر جاتے نہ تھے اکثر رات کو ڈنر کے بعد واک کرتے وہ شاویز بھیا سے گپ شپ لگانے پھوپو کی طرف چلے جاتے آج زیب آپا کے سب سے چھوٹے بیٹے کی سالگرہ تھی جس پر اچھا خاصا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ طلال اعظم رات ہی گفٹ وغیرہ لے آئے تھے اگلے دن گفٹ پیک کرنے اور مکمل تیار ہونے تک بھی طلال اعظم کی آمد کے آثار نظر نہ آئے تھے۔ میرون فراک پہنے نک سک سی تیار وہ کب سے لاؤنج میں ٹہلتے ہوئے طلال اعظم کا انتظار کر رہی تھی۔

"میں نے صبح یاد دلایا تھا ہو سکتا ہے مصروفیت میں ذہن سے نکل گیا ہو۔" ساہر نے سوچتے ہوئے انہیں کال ملائی مگر طلال اعظم کا سیل فون آف جا رہا تھا اس نے طلال اعظم کے آفس کے نمبر پر ہی کال کی۔ ریسپشن نے اگلے چند ہی سیکنڈ میں اس کی کال طلال اعظم کو ٹرانسفر کر دی تھی۔

"کہاں ہیں آپ ابھی تک گھر کیوں نہیں آئے؟" ساہر نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"ہاں سوری میں آج لیٹ ہو جاؤں گا بار ایسوسی ایشن کی میٹنگ ہے تو میں بس وہی جا رہا ہوں۔" طلال اعظم نے عجلت بھرے انداز میں اطلاع دی کیا۔

"مگر آج تو ہمیں زیب آپا کی طرف جانا ہے احسن کی برتھ ڈے پارٹی میں۔" ساہر نے یاد دہانی کروائی۔

Digitized by Google

"اوہ ہاں وہ تو میں بھول ہی گیا' ایسا کرو تم چلی جاؤ اور میری طرف سے ایکسکیوز کر لینا۔"

"مگر میں یوں اکیلی کیسے جاؤں' زیب آپا کیا سوچیں گی؟" وہ کشمکش کا شکار ہوئی۔

"اُف او ساہر' بی میچور' تم سمجھو یا نہ سمجھو' زیب آپا تو میری سچویشن سمجھتی ہیں' امید ہے وہ مائنڈ نہیں کریں گی۔" انہوں نے دوٹوک انداز میں کہہ کر کال منقطع کر دی جبکہ کتنی ہی دیر تک وہ سیل فون تھامے کشمکش و پیچ میں گھری رہی۔

تیار تو وہ ہو ہی چکی تھی' گفٹ لے کر وہ سعیدہ خانم پھوپو کی طرف ہی چلی آئی کیونکہ یوں اکیلے جانے میں اسے آکورڈ سا فیل ہو رہا تھا۔

"شکر ہے بھابی آپ آ گئیں' اب نبیلہ کو کہیے کہ برتھ ڈے پارٹی آج ہے کل نہیں۔" شاویز بھیا نے مسکراتے ہوئے کہا وہ اور پھوپو لاؤنج میں ہی تیار بیٹھے تھے جبکہ نبیلہ بھابی تیار ہو رہی تھیں۔

"بیٹا..... طلال تمہارے ساتھ نہیں آیا؟"

"نہیں' ان کی ضروری میٹنگ ہے اس لیے وہ نہیں آ پائیں گے۔" جواب دیتے ہوئے ساہر کے چہرے پر ایک پل کو تاریک سا سایہ لہرایا جسے سعیدہ خانم نے دیکھ ہی لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں تب ہی نبیلہ بھابی وجدان کو گود میں اٹھائے چلی آئیں۔

"چلیے ہو گئے سب تیار؟"

"ہم سب تو کب سے تیار ہیں' میڈم آپ ہی کی تیاری ختم ہونے کو نہیں آ رہی۔ آپ شاید بھول گئی تھیں کہ آج ہماری ویڈنگ اینی ورسری نہیں بلکہ احسن کی برتھ ڈے پارٹی ہے۔" شاویز نے انہیں چھیڑا۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے' میں تو تیار ہو ہی چکی تھی' آپ کے بیٹے کو ہی تیار کرنے میں اتنا ٹائم لگ گیا۔" نبیلہ نے اپنے کھلے بالوں پر ایک ادا سے ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"پہلے غریب شوہر پر اب بیٹے پر الزام..... ہائے خوب صورت حسینہ....." سب شاویز کی بات پر مسکرا دیے۔

"چلو بچوں اب چلتے ہیں سب مہمان بھی آ گئے ہوں گے۔" سعیدہ خانم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ویسے امی آج تو آپ کی بہو کالی بلی لگ رہی ہے۔" شاویز نے جاتے جاتے ہوئے نبیلہ کی بلیک ساڑھی پر چوٹ کی۔

"ارے بدتمیز آج تو میری دونوں بہوئیں بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" سعیدہ خانم نے پیار سے کہا جبکہ ساہر نے نبیلہ بھابی کی سمت دیکھا جو بلیک ساڑھی پہنے چہرے پر جھینپی جھینپی مسکراہٹ لیے' بہت پیاری لگ رہی تھی اور ان کی خوب صورتی میں اضافہ غالباً شاویز بھیا کی محبت کی وجہ سے ہی تھا۔ شوہر کا ساتھ' اس کی محبت وہ سنگھار ہے جو عورت کو اور خوب صورت بنا کر مکمل کر دیتا ہے۔ ادھوری سی تشنگی لیے وہ ان سب کے ہمراہ زیب آپا کے ہاں چلی آئی' آجکل آپی کے سسرال میں جانا اس کے لیے کسی آزمائش سے کم نہ تھا کجا کہ وہ بھی اکیلے جانا۔ ایسا نہیں تھا کہ آپی کے سابقہ سسرال والے ساہر کو کچھ سناتے یا طعنے کستے تھے مگر ان کی اپنی طرف اٹھتی بہت کچھ جتاتی نظریں ساہر کو اندر تک کاٹ ڈالتی تھیں۔ کبھی کبھی لفظوں کی مار کے بجائے نظروں کے تار گہرے وار کر جاتے ہیں مگر پھر بھی وہ بہت ہمت اکٹھی کیے خوش دلی سے ملی اور تقریباً سب ہی نے اسے اکیلا دیکھ کر طلال اعظم کے بارے میں پوچھا تھا اور وہ ہر کسی کو طلال کی لمبی چوڑی مصروفیات کا حال سنا کر بری الذمہ ہونے کی کوشش کرتی رہی۔ زیب آپا نے اسے گلے لگا کر اس کا کھلے دل سے استقبال کیا تھا۔ ہر طرف ہنسی مذاق' قہقہے و باتوں کی جہکار تھی۔ وہ اپنی پلیٹ اٹھائے نسبتاً تاریک و خاموش گوشے میں آ بیٹھی۔

"ارے یہ لڑکی کون ہے؟ خاموش سی یوں الگ تھلگ بیٹھی ہے۔" ساہر جو اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی عقب سے آنے والی آواز پر حال میں لوٹی۔

"زیب کے ماموں زاد بھائی کی بیوی ہے۔" کسی اور خاتون نے اس کا تعارف کروایا۔

"پھر تو یہ قریبی رشتہ دار ہوئی بھلا یہاں الگ تھلگ کیوں بیٹھی ہے؟" اس عورت نے تجسس سے پوچھا' لوگ بھی نہ کسی بھی حال میں خوش رہنے نہیں دیتے اس نے جل کر سوچا۔

"تو بھلا اکیلی آئی ہے تو اکیلی ہی بیٹھے گی ناں' اس کی بڑی بہن نے بھی شوہر سے نبھا نہ کی تو اب چھوٹی کیا نبھا کرے گی۔" گھوم پھر کر بات اسی جیلے پہ آ رکی تھی۔

"جیسی بڑی بہن تھی ویسی ہی چھوٹی بہن ہو گی۔" آخر لوگ ایک کی سزا باقی سب کو کیوں دیتے ہیں' ساہر نے اذیت سے سوچتے ہوئے آنکھیں میچ لیں۔ ساہر دعوت کے بعد بہت خراب موڈ کے ساتھ گھر پہنچی تھی' اس نے تہیہ کر لیا تھا آج تو وہ

Digitized by Google

طلال اعظم سے دوٹوک بات کر کے رہے گی آخر اس کی ذات پر انگلی اٹھی تھی قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی وہ سزاوار تھی مگر جب وہ اعظم ہاؤس میں داخل ہوئی تو خانساماں نے طلال اعظم کی طبیعت خرابی کا بتا کر اس کے سارے غصے کو جھاگ کی مانند بٹھا دیا تھا۔ وہ تیزی سے خانساماں کی ہمراہی میں ہی اپنے کمرے کی جانب بڑھی جہاں طلال اعظم بیڈ پر دراز تھے۔

"طلال......" ساہر نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان کو آواز دی مگر جواب ندارد کیونکہ بخار میں تپتے طلال اعظم غنودگی میں تھے۔

"میڈم جی...... میں نے ڈاکٹر کو بلوایا تھا وہ چیک اپ کر کے گیا ہے انجکشن بھی لگایا ہے اور یہ دوائیاں بھی دی ہیں۔" خانساماں نے تفصیل بتائی۔

"چلو بہتر ہے اب ایسا کرو ایک باؤل میں ٹھنڈا پانی لے آؤ میں پانی کی پٹیاں رکھوں تاکہ ان کا بخار کچھ کم تو ہو۔" ساہر نے خانساماں کو ہدایت دی اور ساتھ ہی اپنی تمام جیولری اتار کر سائیڈ ٹیبل پر ڈھیر کر دی اور ہولے ہولے [illegible] دہکتی پیشانی کو دبانے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ بڑی تندہی سے پانی کی پٹیاں رکھنے میں مصروف ہو گئی تھی، تپتی چوڑی پیشانی پر بکھرے بال، کمان سی تنی بھنوئیں، ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو لیے یہ چہرہ دل کے پاس بھی تھا اور اس وقت نظر کے سامنے بھی۔ قطرہ قطرہ تو پتھر میں بھی سوراخ کر دیتا ہے یہ تو پھر جیتے جاگتے انسان ہیں، کتنا مکمل ہو جائے یہ انسان اگر کوئی ان کے سینے میں پتھر کی جگہ محبت سے دھڑکتا دل رکھ دے۔ ساہر نے ان کے چہرے کے خدوخال کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچا۔

یونہی پوری رات غنودگی اور بخار میں تپتے رہے صبح کاذب کے وقت کہیں جا کر ان کے بخار کا زور ٹوٹا تو وہ پرسکون ہو کر سو پائے جبکہ ساہر نے وہیں ان کے پہلو میں جاگ کر ساری رات بیتا دی تھی۔ بخار کے ختم ہوتے اور طبیعت کے سنبھلتے وہ پھر سے اپنی پرانی روٹین میں چلے آئے تھے۔ شام کے سنہری سائے رات کی طرف بڑھ رہے تھے آج تو طلال بھی گھر جلدی آ گئے تھے اور اب لاؤنج میں موجود ٹی وی کے سامنے براجمان تھے۔ ساہر نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ بھی ان کے برابر آ بیٹھی۔

"آج آپ جلدی گھر آ گئے ہیں تو شاپنگ پر چلیں؟" ساہر نے کشن کو گود میں رکھتے ہوئے بات کی۔

"شاپنگ پر کیوں......؟" طلال اعظم نے بغیر ساہر کی طرف دیکھے سوال کیا۔

"شاپنگ پر کیوں جاتے ہیں بھلا۔" ساہر نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے الٹا سوال کیا مگر آگے سے جواب ندارد۔

"مجھے کچھ گروسری لینی تھی اور پھر عیدالاضحی بھی قریب ہے تو اپنی شاپنگ بھی کرنی ہے۔" ساہر نے ترچھی نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے خود ہی وضاحت دی۔

"اچھا تو چلی جاؤ۔" انہوں نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

"آپ کے ساتھ جانا ہے اس لیے جلدی سے ریڈی ہو جائیں۔" ساہر نے دھونس جمائی۔

"سوری یار...... میں بہت تھکا ہوا ہوں موڈ بھی نہیں اور ویسے بھی مجھے شاپنگ وغیرہ میں انٹرسٹ نہیں یہ لو کریڈٹ کارڈ اور گاڑی بھی لے جاؤ۔" بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ پھر سے ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گئے تھے گویا اس وقت ٹی وی دیکھنے سے بڑھ کر کوئی اور کام ضروری نہیں تھا۔

"بورنگ، کھڑوس انسان۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ اب کہنے سننے کو تو کچھ بچا نہ تھا کیونکہ کان لپیٹے معصومیت سے ٹی وی دیکھتے طلال اعظم کی بے پروائی اور بے حسی انتہا پر تھی۔

"بیٹا...... گھر چلانا اتنا آسان نہیں ہوتا، کبھی کبھار عورت کو اپنا آپ بھی مار دینا پڑتا ہے۔" ساہر کے آس پاس امی کی نصیحت بھری آواز ابھری، ہمیشہ کی طرح بنا کچھ کہے وہ کریڈٹ کارڈ اور کار کی چابی لیے خود ہی شاپنگ مال چلی آئی۔ شاپنگ کرتے ہوئے وقت کا پتا ہی نہ چلا جیولری سیکشن میں وہ جیولری دیکھنے میں مگن تھی جب اس کے سیل فون پر طلال کی کال آئی۔

"جی خیریت؟" ساہر نے اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کہاں ہو؟ جلدی سے گھر آ جاؤ۔" طلال اعظم نے تیزی سے کہا۔ ساہر کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری۔

"تو مجھے مس کر رہے ہیں جناب۔" خوش گمانی کا سورج طلوع ہوا۔

"آنٹی اور کجل آپی آئی ہیں اور تمہارا پوچھ رہی ہیں میں نے تو لاعلمی ظاہر کر دی ہے اب تم خود ہی آ کر مناسب جواب دے دینا ورنہ دونوں کہیں گی کہ میں گھر پر موجود ہوں پھر بھی تمہارے ساتھ مارکیٹ نہیں گیا۔" طلال کی بات پر ساہر کے چہرے سے

Digitized by Google

مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

"کتنی آسانی سے آپ نے لاتعلقی ظاہر کرکے اپنی جان چھڑالی، بیوی ہوں آپ کی کوئی غیر تو نہیں۔" آنسوؤں کے گھونٹ پیتے خود سے ہمکلام ہوتے وہ کیش کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔

"ارے آپ لوگ یوں اچانک؟" شاپنگ بیگز خانساماں کے حوالے کرتے وہ بھرپور بشاشت و خوش گوار موڈ کے ساتھ باری باری دونوں سے ملی۔

"ہاں ہم یوں اچانک اسی لیے آئے تاکہ ہمیں بھی تو پتا چلے محترمہ کہاں مصروف ہیں آج کل۔" سجل آپی کی بات پر وہ خوامخواہ ہنسی۔

"کچھ گروسری لینی تھی اسی لیے مارکیٹ گئی تھی۔" اس کی نظر سنگل صوفے پر پڑی جہاں گرے شلوار قمیص زیب تن کیے بہت ہی ریلیکس موڈ کے ساتھ طلال بیٹھے تھے۔

"ارے آپ کب آئے؟ میں کافی دیر تک آپ کا ویٹ کرتی رہی پھر اکیلی ہی چلی گئی۔" سماہر نے ان کے لاتعلقی کے پردے کو چاک کرنے کے بجائے الٹا اپنی لاعلمی کا مظاہرہ کیا۔

"آج کچھ کیس وغیرہ ڈسکس کرنے تھے اس لیے لیٹ ہوگیا بس ابھی آیا ہوں، آنٹی کے آنے سے ذرا دیر پہلے۔" طلال اعظم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بیٹا..... تمہیں اکیلے نہیں جانا چاہیے تھا۔" وحیدہ بیگم نے اسے نصیحت آمیز لہجے میں کہا۔

"نہیں امی ہمیشہ میں ان کے ساتھ ہی جاتی ہوں آج یہ لیٹ ہوگئے اور گروسری لینا ضروری تھی اسی لیے اکیلی چلی گئی ورنہ تو ہمیشہ انہی کے ساتھ جاتی ہوں۔" سماہر نے ماں کے پاس بیٹھتے ہوئے انہیں اطمینان دلایا جبکہ طلال اعظم نے نظریں چراتے ہوئے پہلو بدلا۔

"بیٹا میں یہ کچھ تحفے لائی ہوں تم دونوں کے لیے۔" انہوں نے ٹیبل پر موجود ان بیگز کی طرف اشارہ کیا جو وہ اپنے ہمراہ لائی تھیں۔

"مگر آنٹی اس سب کی کیا ضرورت تھی؟ آپ نے خوامخواہ تکلف کیا۔" طلال اعظم کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

"بیٹا بچوں کے لیے تکلف کیسا؟ پھر عید بھی قریب ہے بس چھوٹے موٹے کچھ تحائف ہیں۔" انہوں نے رسان سے جواب دیا۔ اتنے میں خانساماں چائے اور دیگر لوازمات لیے چلا آیا۔ تب ہی طلال اعظم کا سیل فون بج اٹھا تو وہ ایکسکیوز کرتے ڈائننگ روم سے باہر نکل گئے۔

"بیٹا..... تم خوش تو ہو ناں اور سب ٹھیک ہے ناں، طلال تمہارا دھیان رکھتے ہیں؟" مما کے اندر تشویش نے سر اٹھایا۔

"امی دیکھ نہیں رہیں کیسے آرام سے رہ رہی ہے، گھوم پھر رہی ہے خوش تو ہوگی ناں۔" سجل آپی نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا۔

"دنیاوی چیزوں میں خوشی چھپی نہیں ہوتی بیٹا، یہ سب دل بہلانے کی چیزیں ہیں، دل لگانے اور گھر بسانے کے لیے شوہر کا ساتھ ضروری ہوتا ہے۔" انہوں نے سمجھایا۔ امی کی بات پر ایک تاریک سایہ سماہر کے چہرے پر آ ٹھہرا مگر اس نے فوراً ہی چہرے پر مسکراہٹ سجالی۔

"امی آپ کیوں بلاوجہ پریشان ہوتی ہیں، آپی نے بالکل ٹھیک کہا ہے میں واقعی بہت خوش ہوں۔" سماہر نے امی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اطمینان دلایا۔

"تھینک یو۔" امی اور سجل آپی کے جانے کے بعد وہ ان کے لائے ہوئے تحائف دیکھ رہی تھی جب طلال اعظم نے ہولے سے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"کس بات کے لیے؟" سماہر نے بغیر ان کی جانب دیکھے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"آنٹی کے سامنے میری سائیڈ لینے کے لیے۔" ان کی بات پر وہ مڑی۔

"کیونکہ میں لاتعلقی ظاہر نہیں کرسکتی بیوی ہوں آپ کی کوئی غیر نہیں۔" ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے تلخی سے کہا۔

"یہ لیجیے آپ کا گفٹ جو امی نے دیا ہے۔" گفٹ انہیں تھما کر وہ سائیڈ سے نکل کر الماری کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"ہاں شاپنگ پر تو آپ کو نہ جانا پسند نہ ہی لے جانا اس لیے میں خود ہی اپنے لیے ایک سوٹ لے آئی ہوں تاکہ عید پر پوچھنے والوں سے کہہ سکوں کہ یہ آپ کی طرف سے گفٹ ہے۔" ایک اور طنز کا تیر اس پتھر سے صنم کی طرف چلا کر وہ پھر سے الماری میں منہ دیے مصروف ہوگئی جبکہ وہ خاموش اور شرمندہ سے اپنا لیپ ٹاپ اٹھائے بیڈ پر آ بیٹھے۔

❁.....❁.....❁

"آپ قربانی کا جانور کب تک لائیں گے؟" سماہر کے

Digitized by Google

سوال پر طلال اعظم نے اسے یوں دیکھا گویا کوئی انوکھی بات کہی ہو۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟" ساہر نے ہاتھوں پر لوشن لگاتے ہوئے آئینہ میں سے انہیں اپنی طرف دیکھتا پایا تو پوچھا۔

"سوچ رہا ہوں تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"

"میری طبیعت کو کچھ نہیں ہوا بلکہ مصروفیت کے سبب آپ کی یادداشت کمزور ہوگئی ہے آپ بھول رہے ہیں کچھ دنوں بعد عیدالاضحیٰ کا چاند نظر آنے والا ہے اور آپ ابھی تک قربانی کا جانور نہیں لائے۔" ساہر نے تفصیلاً جواب دیا۔

"میری یادداشت بالکل ٹھیک ہے تب ہی میں ایک کامیاب ایڈووکیٹ ہوں۔"

"اور ناکام شوہر......" ساہر نے ٹکڑا لگایا۔

"کچھ کہا تم نے؟" طلال نے پوچھا۔

"نہیں تو۔" اس نے جھٹ نفی میں سر ہلایا۔

"اور رہی بات قربانی کے جانور کی تو ہر سال کی طرح قربانی کا جانور ایک دن پہلے آئے گا اور باڑے میں رہے گا۔" طلال کی بات پر وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور طلال اعظم کے سامنے ہی بیڈ پر آ بیٹھی۔

"مطلب قربانی کا جانور نہ ہی کچھ دن پہلے آئے گا اور نہ ہی گھر پر رہے گا؟" ساہر نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو اور پھیلایا۔

"بالکل۔" مختصراً کہہ کر طلال اعظم نے پھر سے اپنی فائل میں سر دے لیا۔

"جی نہیں، اس سال بلکہ اب سے ہر سال عیدالاضحیٰ پر قربانی کا جانور نا صرف جلدی خریدا جائے گا بلکہ وہ یہیں اعظم ہاؤس میں رہے گا۔" ساہر نے غصے سے طلال اعظم کے ہاتھ میں موجود فائل لے کر بند کرتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا جبکہ طلال اعظم یک ٹک اسے دیکھے گئے، عجیب سا غصہ اس کی ناک پر دھرا تھا اور رسیلا انداز تھا۔

"مگر گھر پر کیسے؟ یہاں کون دھیان رکھے گا؟ اس لیے باڑے میں ہی ٹھیک ہے۔" طلال نے اس کے ہاتھ سے فائل لینا چاہی جسے ساہر نے تھوڑا اور دور کر دیا۔

"صرف قربانی کرنا ہی سنت نہیں بلکہ قربانی کے جانور کا بذات خود دھیان رکھنا، اس کی خدمت کرنا بھی قربانی کا حصہ ہے۔ اس لیے باڑے کی جگہ اب قربانی کا جانور ہمارے ہی گھر میں رہے گا، رہی بات دھیان و دیکھ بھال کی تو وہ میں اور خانساماں مل کر رکھ لیں گے۔" ساہر نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"یہ لیجیے آپ کی فائل اب کر لیجیے اپنا کام اور میرا کام بھی جلدی کر دیجیے گا یعنی قربانی کا جانور گھر لے آئیے گا اور وہ بھی جلد ہی۔" ساہر کے دوٹوک انداز میں کچھ تو ایسا تھا کہ طلال اعظم نے نہ ضد کی نہ بحث بلکہ خاموشی سے گردن ہلا دی جبکہ ساہر بھی مسکراتے ہوئے سونے کی غرض سے لیٹ گئی۔

❁......❁......❁

"آپ کو پتا ہے فائنلی تبدیلی آ گئی ہے۔" نظریں ٹی وی پر جمائے وہ برابر والے صوفے پر بیٹھیں سعیدہ خانم سے مخاطب ہوا۔

"یہ تو اچھی بات ہے کہ پاکستان میں تبدیلی آ ہی گئی۔" ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے نبیلہ نے جواباً کہا۔

"میں پاکستان میں آنے والی تبدیلیوں کی نہیں بلکہ پڑوس میں ہوتی تبدیلیوں کی بات کر رہا ہوں یعنی اعظم ہاؤس کی۔"

"یا اللہ خیر، کیا ہوا وہاں، ساہر تو ٹھیک ہے ناں، کہیں طلال نے ساہر سے کوئی جھگڑا تو نہیں کر لیا؟" سعیدہ خانم دہل کر پریشانی سے اٹھ کھڑی ہوئیں جبکہ نبیلہ بھی اصل بات جاننے کے لیے وہیں رک گئی۔

"بہو ذرا ساہر سے میری بات تو کرواؤ۔" اگلے ہی پل وہ نبیلہ سے مخاطب ہوئیں۔

"امی آپ ایسا کیجیے خود ہی ہو آئیے تسلی بھی ہو جائے گی۔" نبیلہ نے مشورہ دیا جو سعیدہ خانم کو حقیقتاً پسند آیا۔

"ارے تو یہاں اطمینان سے بیٹھا ہے وہاں بڑے بھائی کے گھر پتا نہیں کیا ہوا ہے، چل میرے ساتھ۔" سعیدہ خانم نے شاویز کو ڈپٹا۔

"وہاں کچھ نہیں ہوا، صرف تبدیلی آئی ہے۔" شاویز نے ہنوز اطمینان سے کہا۔

"دراصل طلال بھیا بھی قربانی کا جانور لے آئے ہیں۔"

"تو اس میں کیا نئی بات ہے؟" دونوں خواتین نے بیک وقت پوچھا۔

"نئی بات یہ ہے کہ قربانی کا جانور اس بار باڑے میں نہیں بلکہ ان کے گھر پر ہی رہے گا اور قربانی بھی وہیں ہوگی یعنی اعظم ہاؤس میں۔" اس نے بلآخر بلی تھیلے سے باہر نکال ہی لی جبکہ دونوں ساس بہو حیرت سے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگیں۔

Digitized by Google

"مگر ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟" نبیلہ نے کہا۔

"ہاں بیٹا' ایسا کیسے ہوسکتا ہے بھلا؟ طلال تو قربانی کا جانور عید سے صرف ایک دن پہلے لاتا ہے اور وہ بھی باڑے میں رکھتا ہے وہیں قربانی ہوتی ہے اور پھر سارا گوشت فلاحی ادارے کو بانٹ دیا جاتا ہے۔" سعیدہ خانم نے بھی بیٹھتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"یہ ہی تو ہے وہ تبدیلی جو یقیناً ساہر بھابی کی وجہ سے ہی آئی ہے کیونکہ اس دن جب ہم سب منڈی میں جانور لینے گئے تھے تب طلال بھیا نے بتایا تھا کہ یہ فرمائش بلکہ آرڈر ساہر بھابی کا ہی ہے۔"

"ماشاء اللہ پھر تو ہماری بہو بہت سمجھ دار ہے۔" سعیدہ خانم نے تعریفی انداز اپنایا۔

"اور بہت جی دار بھی تب ہی تو تبدیلی بھی لے آئیں۔" شاویز نے بھی جواباً کہا۔

"فی الحال تو آپ کا ہونہار سپوت تبدیلی لا چکا ہے۔" نبیلہ نے ٹکڑا لگایا تو دونوں ماں بیٹے نے وجدان کی طرف دیکھا جو پالک کے پتے پھیلائے اب ٹی وی کی جانب متوجہ تھا اور ٹی وی پر اسپورٹس کی جگہ اب کارٹون کا چینل چل رہا تھا۔

واقعی تبدیلی تو آ ہی گئی تھی اس عید الاضحیٰ پر نہ صرف قربانی کا جانور چند دن پہلے ہی اعظم ہاؤس آ گیا تھا بلکہ قربانی بھی اعظم ہاؤس میں ہی ہوئی تھی اور پھر ساہر نے سعیدہ پھوپو کے ساتھ مل کر قربانی کے گوشت کے تین حصے بھی کیے تھے۔ غریبوں و مسکینوں کے لیے رشتہ دار اور دوستوں کے لیے اور اپنے گھر کے لیے۔ عید الاضحیٰ کے پہلے دن ان کے گھر جبکہ دوسرے دن سعیدہ خانم پھوپو کے ہاں نا صرف قربانی ہوئی بلکہ رات کو دعوت بھی کی گئی تھی۔ زیب آپا کے سسرال میں بھی ان کی نندیں آئی تھیں اس لیے وہ نہیں آ سکیں جبکہ ساہر تو دوپہر سے پھوپو کے گھر تھی' نبیلہ بھابی اور ساہر نے مل کر ہی سارا اہتمام کیا تھا۔

"ہرے واہ بھئی' آج تو مزہ ہی آ گیا۔" شاویز نے کھانے کے بعد خوش مزاجی سے کہا۔

"ہاں بیٹا' قربانی کے جانور کے گوشت میں ایک الگ ہی لذت ہوتی ہے۔" سعیدہ خانم نے کہا۔

"جی امی مگر پکانے والے ہاتھوں کا بھی تو کمال ہوتا ہے ناں۔" شاویز نے شوخی سے کہا۔

"تو بھائی سیدھا سیدھا کہو ناں کہ ہماری بھابی کی تعریف کرنی ہے۔" طلال نے بھی بات چیت میں حصہ لیا جبکہ ڈائننگ ٹیبل سمیٹتی وہ دونوں بھی ان کی گفتگو سے محظوظ ہوئیں۔

"ہاں تعریف تو کرنی ہے مگر ہماری بھابی میرا مطلب آپ کی بھابی کی نہیں صرف میری بھابی کی..... واہ ساہر بھابی' آپ کے ہاتھ میں تو لاجواب ذائقہ ہے' سبحان اللہ۔" شاویز نے کھلے دل سے تعریف کی جس پر نبیلہ نے اسے گھوری سے نوازا۔

"اچھا بھئی سوری' میں نے تو سچ کہا مگر سچ کڑوا ہوتا ہے۔ اب کہیں ایسا نہ ہو میری بھابی کی تعریف پر آپ کی بھابی ناراض ہو جائیں؟" شاویز نے نبیلہ کو اپنی طرف دیکھتا پا کر فوراً سے کان پکڑے جس پر نبیلہ سمیت سب ہی مسکرا دیے۔

"ساہر تم خوش تو ہو ناں؟" نبیلہ بھابی نے یک دم پوچھا وہ دونوں اب کچن سمیٹ رہی تھیں۔

"جی بھابی خوش ہوں۔" ساہر نے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

"تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔" سنک میں برتن دھوتے ہوئے ایک پل کو تو ساہر کے ہاتھ تھم سے گئے تھے۔

"اچھا تو آپ کو کیا لگتا ہے پھر؟" ساہر نے لہجے کو شوخ بنایا۔

"ہونٹوں پر ہنسی جھلکتی ہے مگر آنکھیں ساتھ نہیں دیتیں' تم خوشی ظاہر کرتی ہو مگر خوش دکھائی نہیں دیتیں اور....." ابھی نبیلہ بھابی نہ جانے کیا کیا کہنا چاہ رہی تھیں کہ اچانک اپنی سانس کی پکار پر وہ لاؤنج میں چل دیں تو ساہر نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

"کتنی ہی کوشش کر لوں مگر لوگ مصنوعی خوشی اور ہنسی پہچان ہی لیتے ہیں۔" ساہر نے دل گرفتگی سے سوچا اور خود کو کمپوز کرتے وہ پھر سے برتن دھونے میں مصروف ہوگئی۔ برتن دھو کر جب وہ باہر آئی تو سویا ہوا وجدان بھی اٹھ چکا تھا اور اب کھانے کے لیے تنگ کر رہا تھا۔

"ساہر دیکھو ذرا اس شرارتی کو' دادو کو الگ تنگ کیا ہوا ہے اور اپنی اماں کو الگ' تم ہی ذرا اسے سنبھال لو۔"

"بھائی' ساہر کو کہاں سنبھالنا آتا ہے' بچوں کو پہلے خود کو تو سنبھال لے یہ خود کیا کسی بچے سے کم ہے۔" طلال اعظم کی بات کی سرد مہری پورے ماحول پر چھا گئی۔ ساہر نے خود سے نظریں چرا لیں۔

"خیر بچی ہے تو کیا ہوا' بہت ہی سمجھ دار ہے بلکہ الٹا اب تو

Digitized by Google

خود کے بچے سنبھالنے کی عمر ہے اور اب تو میرا دل چاہتا ہے کہ وجدان کا بھی کوئی چھوٹا بہن بھائی آجائے۔"

"طلال اور سماہر کے بچے بھی تو وجدان کے بہن بھائی ہوں گے ناں۔" سعیدہ خانم کی وضاحت پر سماہر کے چہرے پر شرماہٹ آئی' وہ وجدان کو گود میں لیے کچن میں چلی آئی اور پلیٹ میں چاول نکال کر وجدان کو کھلانے لگی تب ہی نبیلہ بھی وہیں کچن میں چلی آئی۔

"ویسے سماہر کیا بات ہے پانچ ماہ ہونے کو آئے تمہاری شادی کو' کوئی خوش خبری نہیں آئی؟" نبیلہ بھابی کی بات پر خوامخواہ سماہر کا چہرہ پلش ہوگیا۔

"کون سی خوش خبری؟" سماہر وجدان کو چاول کھلاتے ہوئے جان کر انجان بنی۔

"ہمارے بھئی' دو سے تین اور تین سے چار کب ہو رہے ہو۔"

"فی الحال ایسا کچھ نہیں۔" سماہر نے مختصراً کہا اور وجدان کا منہ صاف کرنے لگی جواب کھانا کھا چکا تھا۔

"کیوں.....؟ بچے تو زندگی اور گھر کی رونق ہوتے ہیں۔ میاں بیوی کی محبت کو آپس میں جوڑنے کی مضبوط کڑی۔"

"محبت ہو تو جوڑی بھی جائے ناں۔" سماہر کے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ نبیلہ بھابی چونکی۔

"کیا بات ہے؟ کوئی مسئلہ ہے تو کم از کم ایک سہیلی سمجھ کر چاہو تو شیئر کرسکتی ہو۔ بھول جاؤ کہ میرا اور تمہارا سسرالی رشتہ ہے' سمجھو ہم سہیلیاں ہیں۔" نبیلہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اپنائیت سے کہا' نبیلہ بھابی کی یہ ہی تو فرینڈلی نیچر تھی جو سماہر کو بے حد پسند تھی ہر کسی سے گھل مل جانا اور اپنائیت و خلوص کے ساتھ ملنا۔

"بھابی لوگ کہتے ہیں میاں بیوی گاڑی کے دو پہیوں کی طرح ہوتے ہیں جب دونوں پہیے برابر کام کریں ساتھ چلیں تب ہی ازدواجی زندگی کا سفر خوش دلی و محبت سے گزرتا ہے مگر جب یہ دونوں پہیے ہی الگ الگ سمت میں سفر کرنے لگیں تو ازدواجی زندگی کی گاڑی سمجھوتہ ایکسپریس بن جاتی ہے۔" سماہر نے بالآخر دل کی بات کہہ ہی دی۔

"ہمم..... یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے اور میں مانتی ہوں کہ تمہاری اور بھیا کی نیچر میں تھوڑا فرق ہے۔"

"تھوڑا فرق.....! ارے بھابی زمین آسمان کا فرق ہے' میں نے بہت کوشش کی کہ اگر مسٹر اسٹون مین کو اپنے رنگ میں نہیں رنگ سکتی تو خود کو ان کی بلیک اینڈ وائٹ زندگی میں ایڈجسٹ کرلوں مگر دونوں ہی نہ کرپائی۔ میں نے چہرے پر مسکراہٹ سجائے آنسوؤں کو چھپانے کی کوشش کی مگر دل کا کرب نہیں چھپا سکی۔" سماہر کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں' بہت تکلیف دہ ہوتا ہے یہ مگر ازل سے ہم عورتیں اس معاملے میں بے بس ہیں' رشتہ توڑ نہیں سکتے اور جوڑنے کی خاطر خود ٹوٹ جاتے ہیں لیکن تم ہمت نہ ہارو کیونکہ چاہے کوئی کتنا ہی سخت دل ہو' کبھی نہ کبھی نرم پڑ ہی جاتا ہے اور خاص کر جب میاں بیوی والدین بن جاتے ہیں تو انہیں' رشتوں اور گھروں میں تبدیلی آ ہی جاتی ہے تھوڑی تبدیلی تو تم لے ہی آئی ہو شاید آنے والا بچہ مزید تبدیلیاں لے آئے۔" نبیلہ بھابی نے سماہر کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"میں نے بھی اس بارے میں سوچا ہے مگر جب ہماری ہی زندگی دریا کے دو الگ کناروں کی طرح مختلف سمت میں رواں ہے ایسے میں ہمارے آنے والے بچے پر کیا اثر ہوگا' یہ خاموشی' یہ اداسی' یہ ویرانی کیا یہ ماحول ایک بچے کی پرورش کے لیے موزوں ہے؟" سماہر کی گہری بات میں دم تھا' کچھ پل کو تو نبیلہ بھابی بھی خاموش ہوگئیں۔ اس سے پہلے کہ نبیلہ بھابی کچھ کہتیں تب ہی کھنکھارنے کی آواز پر دونوں ہی تیزی سے پلٹیں جہاں دروازے پر طلال اعظم ایستادہ تھے۔

"کیا انہوں نے سب سن لیا؟" سماہر اور نبیلہ بھابی دونوں نے ایک دوسرے کی سمت دیکھا ان کی آنکھوں میں بھی یہ ہی سوال رقم تھا جبکہ طلال کے چہرے سے کچھ بھی اندازہ لگانا ناممکن تھا۔

"اگر سب کام ہوگئے ہوں تو گھر چلیں؟" طلال نے اپنے مخصوص انداز میں پوچھا۔

"جی..... ی..... آپ..... ہاں چلیے۔" سماہر نے جلدی سے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا اور سب سے مل کر وہ طلال اعظم کے ہمراہ گھر آگئی مگر طلال اعظم نے راستے میں کچھ کہا نہ گھر آکر کچھ پوچھا ان کا انداز بالکل پہلے ہی جیسا تھا' خاموش و جامد کسی پانی کی طرح ٹھہرا ہوا۔

❁.....❁.....❁

سماہر نوٹ کر رہی تھی عید کے بعد سے وہ کچھ گم صم' کھوئے کھوئے سے رہنے لگے تھے۔ سماہر کے بارہا پوچھنے پر بھی وہ ٹال جاتے' روکھے لہجے کی سرد مہری بھی آج کل غائب تھی اس

Digitized by Google

کی جگہ ٹھہرے ہوئے لہجے نے لے لی تھی۔
"شاید انہوں نے اس رات ہماری باتیں سن لی تھیں۔" ساہر کی سوچ یہیں آ کر رک جاتی مگر طلال اعظم نے اپنے کسی بھی انداز سے کچھ ظاہر ہی نہ کیا تھا اب بھی طلال لیپ ٹاپ گود میں رکھے خود کو مصروف ظاہر کررہے تھے جبکہ لیپ ٹاپ کی اسکرین خالی تھی۔
"آں ہاں...... کچھ بھی نہیں، کوئی پرابلم نہیں بس ذرا سر میں درد ہے۔" ان کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ٹال رہے ہیں۔
"لائے میں دبا دیتی ہوں۔" ساہر تھوڑا آگے ہوئی اور خلاف معمول بنا کوئی حیل و حجت کے خاموشی سے لیپ ٹاپ ایک طرف رکھ کر وہ لیٹ گئے اور اپنا سر ساہر کی گود میں رکھ دیا۔ ساہر کو یہ خوشگوار تبدیلی اچھی لگی، وہ ہولے ہولے ان کا سر دبانے لگی۔
"سنیے......" کچھ دیر بعد ساہر نے طلال کو پکارا۔
"ہوں......"
"میں سوچ رہی تھی کہ کیوں نا ہم بھی پھوپو کی فیملی کی دعوت کریں، اب تک ہم نے ہی دعوتیں کھائی ہیں اب ان کی بھی دعوت کرنا ہمارا فرض بنتا ہے ناں؟"
"اچھا خیال ہے، تم بتا دینا کب کا پلان ہے میں ہوٹل میں ٹیبل بک کروالوں گا۔" یونہی لیٹے ہوئے طلال اعظم نے جواب دیا۔
"ارے ہوٹل میں نہیں گھر پر۔" ساہر نے فوراً ان کی بات کاٹی۔
"گھر پر ممکن نہیں، انتظامات کون کرے گا؟"
"وہ سب میں ہینڈل کرلوں گی آپ فکر نہ کریں تو پھر میں کل شام انہیں انوائٹ کرلوں ڈنر پر کیونکہ پرسوں ہفتہ ہے تو آپ اور شاویز بھائی بھی آرام سے وقت گزار سکیں گے۔" ساہر نے جھٹ پٹ پلان ترتیب دیا۔
"جیسے تمہیں بہتر لگے۔" طلال اعظم نے پھر سے آنکھیں موندھ لیں جبکہ ساہر طلال اعظم کا سر دباتے ہوئے اب ساری پلاننگز اور مینو ترتیب دینے لگی۔

❁......❁......❁

اگلے دن کا سورج ساہر کے لیے ڈھیر ساری مصروفیت لے کر آیا صبح سے ہی وہ خانساماں اور ایسہ ماسی کے ساتھ گھن چکر بنی اعظم ہاؤس کی ڈسٹنگ دسٹنگ میں مصروف تھی حالانکہ دعوت تو کل تھی مگر وہ آج ہی سے سب تیاریاں کرنے میں مصروف ہوگئی تھی آخر اس کی جانب سے سسرالیوں کے لیے یہ پہلی دعوت تھی اس لیے وہ کوئی کمی نہیں چاہتی تھی۔ عصر تک وہ ان سب کاموں سے فارغ ہوگئی تھی، نہا کر فریش ہونے کے بعد وہ چائے پینے کے لیے جب کچن میں آئی تو خانساماں نے ساہر کی طرف ایک لسٹ بڑھائی۔
"یہ کیا ہے؟"
"میڈم جی آپ نے دعوت کے لیے جو مینو بنایا ہے اس میں سے کچھ چیزیں موجود نہیں ہیں جو میں نے اس لسٹ میں لکھ دی ہیں۔" ساہر کے پوچھنے پر خانساماں نے تفصیل بتائی۔
"ارے واہ شکریہ یہ تو بہت اچھا کام کیا میں ابھی طلال کو کال کرتی ہوں اور آج ہی یہ سب سامان لے آئیں تاکہ کل کوئی مسئلہ نہ ہو۔" چائے پینے کے بعد اس نے طلال کو کال ملائی اور چھوٹتے ہی پوچھا۔
"آپ گھر کب تک آئیں گے؟" طلال اعظم جو اس وقت اپنے کسی کلائنٹ اور کولیگ کے ساتھ ان کا کیس ڈسکس کررہا تھا ساہر کی کال اور پھر اس کے بے تکے سوال پر چڑ سا گیا۔
"کام کیا ہے وہ بتایئے؟"
"آپ جلدی سے گھر آجایئے ناں مجھے کچھ سامان لینے جانا ہے۔" نا چاہتے ہوئے ساہر نے کال کرنے کی اصل وجہ بتائی۔
"فی الحال میں بزی ہوں۔"
"تو آپ سب سے فری ہوکر گھر آجائیں ویسے بھی کتنا خوشگوار موسم ہورہا ہے۔" ساہر کی بات پر طلال اعظم کی نظریں کھڑکی سے باہر گئیں جہاں نیلے آکاش کو سیاہ بادلوں نے ڈھانپ کر بارش کا سا سماں باندھ دیا تھا۔
"اچھا تو موسم کو دیکھ کر میڈم کا دل آؤٹنگ کا چاہ رہا ہے۔" طلال نے اندازہ لگایا۔ "مجھے گھر آنے میں دیر ہوجائے گی تم خود ہی چلی جاؤ۔" طلال اعظم نے جان چھڑائی۔
"مگر......"
"یار پلیز اس وقت میں بہت بزی ہوں اور ڈرائیور بھی گاڑی ٹھیک کروانے گیراج لے کر گیا ہوا ہے ابھی تک آیا نہیں اس لیے نہ تو میں تمہارے ساتھ چل سکتا ہوں آؤٹنگ پر اور نہ ہی گاڑی بھیج سکتا ہوں اس لیے خود ہی آٹو میں چلی جاؤ جہاں

Digitized by Google

جانا ہو میری طرف سے اجازت ہے بائے۔" طلال اعظم نے نا صرف ساہر کی بات کاٹی بلکہ رف و روڈلی لہجے میں ساہر کی کال ہی منقطع کردی۔

آج آفس ورک کا لوڈ بھی زیادہ تھا تب ہی گھر آتے ہوئے وہ کافی لیٹ ہوگئے۔ نو بج رہے تھے جب وہ گھر میں داخل ہوئے ہمیشہ کی طرح آج ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا ہوا تھا اور نہ ہی ان کا انتظار کرتی ساہر۔

"آج کافی دیر ہوگئی' شاید کمرے میں ہو۔" وہ خاموشی سے روم میں چلے آئے مگر یہاں بھی ساہر موجود نہ تھی تب ہی انہوں نے خانساماں کو آواز دی وہ آواز سن کر دوڑا چلا آیا۔

"ساہر کہاں ہے؟"

"سر وہ تو شام سے ہی گئی ہوئی ہیں۔"

"اچھا تو ابھی تک آؤٹنگ ختم نہیں ہوئی اس کی۔" طلال اعظم نے اس کی آدھی ادھوری بات سے خود ہی نتیجہ اخذ کرلیا۔

"نہیں سر میڈم تو شام سے گھر کا سامان بلکہ کل ہونے والی دعوت کا سامان لینے گئی تھیں۔" خانساماں نے اصل بات بتائی۔

"اچھا چلو آتی ہی ہوگی۔"

"سر جی کھانا لگاؤں؟"

"نہیں تمہاری میڈم آجائیں پھر ہی کھانا کھائیں گے' جب تک میں تھوڑا آرام کرلوں۔ جاتے ہوئے ڈور بند کردینا۔" طلال اعظم نے خانساماں کو ہدایت دی اور خود شوز اتار کر بیڈ پر دراز ہوگئے۔ نجانے کتنا وقت بیتا تھا جب خانساماں کی آواز پر وہ نیند سے جاگے۔

"ہاں کیا ہوا؟" بند آنکھوں اور نیند میں ڈوبی آواز کے ساتھ انہوں نے خانساماں سے پوچھا۔

"سر جی' میڈم ابھی تک نہیں آئیں۔"

"اف او آجائے گی۔" طلال نے بیزاری سے کہا اور پھر سے کروٹ بدل کر سونے لگے۔

"بہت دیر ہوچکی ہے اب تو رات کے بارہ بج رہے ہیں۔" خانساماں کی بات پر وہ حقیقتاً بیدار ہوئے' نظر سیدھی وال کلاک پر گئی جہاں بارہ کے ہندسہ پر دونوں سوئیاں آپس میں گلے مل رہی تھیں وہ ہڑبڑا کر اٹھے۔

"واقعی اسے گئے تو وقت ہوگیا۔"

"وہی تو سر تب ہی میں نے آپ کو جگایا۔" خانساماں نے پریشانی سے کہا۔

"اچھا میں دیکھتا ہوں۔" وہ سیل فون اور گاڑی کی چابی لیے گھر سے باہر تو چلے آئے مگر اب سوچ رہے تھے کہ آخر ساہر کہاں جاسکتی ہے؟ شاید پھوپو کے ہاں ہوگی' وہ خود سے ہی سوال جواب کرتے ہوئے سعیدہ پھوپو کے گھر چلے آئے جہاں حسب معمول لاؤنج میں ہی سب موجود تھے اور اس وقت طلال کو دیکھ کر وہ سب خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔

"خیریت تو ہے بیٹا' اس وقت؟" طلال کو اکیلے دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔

"بہت تعریفیں کرتی ہیں ناں آپ اپنی لاڈلی بہو کی' اب اس کی بے پروائی دیکھیے۔" طلال نے شاویز کے برابر بیٹھتے ہوئے اردگرد نظریں دوڑا کر ساہر کو ڈھونڈنا چاہا جبکہ طلال اعظم کی بات پر شاویز اور سعیدہ خانم نے نبیلہ کی سمت دیکھا جو خود ناسمجھی سے طلال اعظم کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"وقت دیکھا ہے پھوپو آپ نے' بھلا یہ کوئی وقت ہے اس طرح بغیر بتائے آپ کے گھر آنے کا۔" وہ سب اب تک طلال اعظم کی آمد اور بات دونوں ہی سمجھ نا پائے تھے۔

"کیا بولے جارہے ہو؟" سعیدہ خانم نے بالآخر ناسمجھی سے پوچھ ہی لیا۔

"ساہر کہاں ہے؟ اس سے پوچھیے حد ہوتی ہے بے پروائی کی۔ شام سے یہاں آکر بیٹھی ہے' محترمہ کو کہیے گھر پر ایک عدد شوہر بھی موجود ہے' کوئی ذمہ داری بھی ہوتی ہے۔" طلال کے لہجے میں ہلکا سا غصہ تھا۔

"مگر ساہر تو یہاں نہیں۔" نبیلہ بھابی نے بتایا۔

"ساہر یہاں نہیں تو......؟" طلال اعظم چونکا۔

"تو کیا گھر پر بھی نہیں؟" سعیدہ خانم حیران ہوئیں' طلال نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کہیں بھائی آپ سے ناراض ہوکر گھر چھوڑ کر تو نہیں چلی گئیں؟"

"اف او کیا اول فول کہہ رہے ہیں آپ بھی۔" نبیلہ نے آنکھیں دکھائیں۔

"کہاں ہے ساہر؟" سعیدہ خانم نے طلال اعظم سے پوچھا۔

"مگر ساہر یہاں نہیں تو شاید اپنی امی کی طرف گئی ہو۔" طلال نے عجلت میں کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور جانے کے لیے دروازے کی سمت مڑے مبادا پھوپو پھر سے کوئی سوال

Digitized by Google

جواب نہ کرنے لگیں۔

"شاید سے کیا مطلب ہے، تمہیں پکا نہیں معلوم صرف اندازہ لگا رہے ہو؟" سعیدہ خانم کی بات پر ان کے بڑھتے قدم رک گئے اور بنا کچھ کہے وہ پھوپو کی طرف دیکھنے لگے جو ان کی آنکھوں میں جواب دیکھ چکی تھیں۔

"رکو میں خود ہی ساہر کے گھر کال کر کے اپنے طریقے سے بات کرتی ہوں۔" سعیدہ خانم جہاندیدہ خاتون تھیں وہ سمجھتی تھیں کہ ایسے موقعوں پر کس طریقے سے بات کی اور سنبھالی جاتی ہے۔ پھوپو کی بات پر طلال خاموشی سے واپس شاویز کے برابر بیٹھ گئے جبکہ نبیلہ نے انہیں لینڈ لائن سے ہی ساہر کی بہن کے نمبر پر کال ملا دی کچھ دیر بیل بجنے کے بعد کال ریسیو کر لی گئی۔

"بیٹا کیسی ہو؟ امی کیسی ہیں؟ میں زیب کی امی بات کر رہی ہوں۔" سعیدہ خانم نے سلام دعا کے بعد بات کا آغاز کیا۔

"جی آنٹی میں بالکل ٹھیک ہوں اور امی کی طبیعت بھی اب کچھ بہتر ہے آپ کیسی ہیں؟" بجل نے آہستگی سے پوچھا۔

"الحمدللہ میں بھی بالکل ٹھیک ہوں بیٹا بہت دن ہو گئے آپ لوگوں نے چکر نہیں لگایا؟" طلال کی سمت دیکھتے ہوئے سعیدہ خانم نے بجل سے پوچھا۔

"جی آنٹی ان شاء اللہ آئیں گے ویسے تو آج ساہر بھی ہماری طرف آنے کا کہہ رہی تھی کہ شام کو طلال کے ساتھ گروسری وغیرہ لینے نکلے گی تو ہماری طرف آئے گی مگر وہ آئی نہیں۔" بجل کی بات پر انہیں واضح مکمل تو مل گیا کہ ساہر وہاں بھی نہیں ہے۔

"اچھا بیٹا ہو سکتا ہے وہ لوگ لیٹ ہو گئے ہوں ویسے بھی خریداری میں وقت کا پتا ہی کہاں چلتا ہے۔" پھوپو کی بات پر طلال نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"جی..... جی آنٹی ویسے سب خیریت ہے ناں؟ آپ نے اس وقت کال کی۔" بجل کی بات پر انہیں وقت کا احساس ہوا انہوں نے ایک نظر وال کلاک پر ڈالی جہاں اب ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

"ہاں بیٹا دیکھو وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا دراصل ہم لوگ شادی میں گئے ہوئے تھے کچھ دیر پہلے ہی لوٹے تو میں نے نبیلہ سے کہا ذرا ساہر کے گھر کال تو ملا دو تاکہ میں اس کی امی کی طبیعت کا بھی پوچھ لوں اور ساہر تو اپنی بچی ہے کہیں مروت میں آپ لوگوں کو دعوت نہ دی ہو بس اسی لیے میں نے سوچا میں ہی کہہ دوں کل ساہر نے ہماری دعوت رکھی ہے تو آپ بھی آ جائیے گا۔ دعوت تو بس ایک نام ہے ہم سب کو مل بیٹھ کر باتیں کرنے کا موقع بھی مل جاتا۔" سعیدہ خانم نے بڑی صفائی سے بات سنبھالی تھی۔

"اوہ اچھا اچھا آنٹی بہت شکریہ میں امی کو بتا دوں گی بلکہ صبح آپ کی بات بھی کروا دوں گی۔"

"چلو بہتر ہے بیٹا معاف کرنا تمہیں اس وقت پریشان کیا۔" سعیدہ خانم نے وقت کا احساس کرتے ہوئے بجل سے معذرت کی۔

"ارے کوئی بات نہیں آنٹی نبیلہ بھابی کو میرا اسلام کہیے گا لو کے اللہ حافظ۔" ریسیور رکھنے کے بعد وہ مڑیں تو سب ہی کو اپنی جانب متوجہ پایا۔

"ساہر وہاں تھی نہیں ہے۔" سعیدہ خانم کی بات پر سب ہی چونکے۔

"تو پھر آخر ساہر گئی کہاں؟" نبیلہ نے پریشانی سے کہا۔

"یہ تو اب طلال ہی بتائے گا بولو کیا بات ہوئی تھی تم دونوں کے بیچ جو ایسی نوبت آ گئی؟" سعیدہ خانم نے غصے سے طلال اعظم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہوا پھوپو نہ ہی کوئی لڑائی نہ جھگڑا بلکہ....." طلال ایک لمحے کو چپ ہوئے اور پھر شام میں ساہر کی آنے والی کال سے لے کر اپنے یہاں آنے تک ہر بات ان کے گوش گزار کر دی۔

"حد ہوتی ہے بے پروائی و لاتعلقی کی شرم آنی چاہیے تمہیں۔ وہ بے چاری بچی تمہارے لیے تمہارے رشتہ داروں کے لیے اتنا سب کر رہی ہے اور تم اس کا ساتھ دینے اور اس کے ساتھ جانے کے بجائے دو ٹوک منع کر گئے۔" سعیدہ خانم غصے سے آگ بگولہ ہوئیں۔

"کچھ اللہ کا خوف بھی بچا ہے تم میں یا نہیں؟ بیوی ہے تمہاری کوئی لاوارث نہیں قانون و شریعت کے مطابق سن کے سامنے میں نے تمہارا اس سے نکاح پڑھوایا تھا بیاہ کر گھر لائے ہو کوئی بھگا کر نہیں پھر یہ کیسی لاتعلقی؟ میں نہیں جانتی کچھ بھی اٹھو اور جاؤ کہیں سے بھی ساہر کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ اس سے پہلے صبح ہو اور یہ بات پھیلے رات کے اندھیرے میں ہی یہ قصہ سمٹ جانا چاہیے۔" تیوری چڑھائے قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے طلال کو حکم دیا۔

Digitized by Google

"بھیا آپ میرے آئیڈیل ہیں' امی مجھے آپ کی مثالیں دیتی ہیں کہ میرا بھتیجا کتنا بڑا کامیاب وکیل ہے مگر آج پتا چل رہا ہے کہ یہ کامیاب وکیل اندر سے کتنا کھوکھلا و ناکام ہے۔ جو اپنی بیوی کی عزت نہ کرسکے اس کی پرواہ و فکر نہ کرسکے ایسا شوہر دنیا کی کسی بھی فیلڈ میں کامیاب ہوتے ہوئے بھی ناکام نہیں رہتا ہے۔" شاویز نے بے حد سنجیدگی سے کہا جبکہ طلال جو جانے کو پر تول رہے تھے شرمندگی کے احساس سے ان کی نگاہیں زمین میں گڑی جارہی تھیں۔

"اب کھڑے کیوں ہو جاؤ اور بچی کو ڈھونڈ کر لاؤ' پتا نہیں بے چاری کس حال میں ہوگی؟" سعیدہ خانم نے پریشانی سے کہا وہ بالکل رو دینے کو ہو رہی تھیں۔

"امی حوصلہ رکھیے' ساہر مل جائے گی۔" نبیلہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دی۔

"ہاں امی آپ پریشان نہ ہوں ورنہ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی' میں اور طلال بھیا جارہے ہیں ان شاء اللہ ساہر بھابی کو لے کر ہی آئیں گے۔" شاویز نے بھی امی کو تسلی دی اور طلال اعظم کے ساتھ باہر کی طرف بڑھا۔

"چھوٹو آئی ایم سوری۔" طلال اعظم نے پیچھے پلٹ کر پریشان سی بیٹھیں سعیدہ خانم سے کہا۔

"مجھے تمہاری سوری کی ضرورت نہیں' یہ اس معصوم بچی سے ہی کہنا جس کا تم نے دل دکھایا تھا۔"

وہ ہر جگہ اسے تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے' اب جھنجلاہٹ کا شکار ہونے لگے تھے اور ذہن الگ منتشر ہو رہا تھا کہ ساہر کہاں جاسکتی ہے۔ شاویز نے بھی بے چارگی سے طلال بھیا کی سمت دیکھا جن کی آنکھوں میں اب بے بسی نمایاں تھی۔

"بھیا تقریباً سارا علاقہ دیکھ لیا' بھابی یہاں کہیں بھی نہیں شاید اپنی کسی فرینڈ کے گھر گئی ہوں آپ نے ان کی کسی فرینڈ سے معلوم کیا؟" شاویز کے سوال پر طلال نے ایک نظر شاویز کی طرف دیکھا۔

"مجھے ساہر کی کسی بھی فرینڈ کا نہ نام معلوم ہے اور نہ ہی کوئی پتا....." شاویز کو سمجھ نہ آیا کہ وہ ساہر بھابی پر ترس کھائے یا ابھی اپنے سامنے بیٹھے ٹوٹے بکھرے وجود پر۔

"پھر میرا خیال ہے یونہی احتیاطاً ہمیں ہسپتال بھی چیک کر لینے چاہئیں۔" شاویز کی بات پر طلال نے حیرت زدہ انداز میں اسے دیکھا ایک پل کو تو وہ خود بھی سہم گیا تھا۔

"بھیا' میں یہ نہیں کہہ رہا کہ خدانخواستہ ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہو' ہوسکتا ہے کسی کی مدد کی غرض سے وہ وہاں موجود ہوں۔ احتیاطاً دیکھ لینے میں کوئی مذائقہ نہیں۔" طلال اعظم کے کندھے پر ہاتھ رکھے شاویز نے رسان سے سمجھایا جواباً طلال نے کچھ نہ کہا تب ہی شاویز کا موبائل بج اٹھا۔

"گھر سے کال ہے۔" طلال کو بتاتے ہوئے اس نے کال پک کی' دوسری جانب سے ساہر کے متعلق پوچھا گیا کیونکہ ان کو گھر سے نکلے بھی تین گھنٹے ہوگئے تھے' رات کا آخری پہر بھی بیت چلا تھا۔ شاویز نے مختصراً بتایا کہ سب ہی مارٹ پر چیک کرنے اور ساہر کے نہ ملنے پر اب وہ ہسپتال جارہے ہیں۔

"سوری یار..... میں نے سب کو پریشان کردیا۔"

"ہاں پریشان تو کیا ہے' مگر ہمیں نہیں ساہر بھابی کو۔"

"ہاں وہ ایک بار ملے تو اسے....."

"پھر سے ڈانٹیں گے؟" شاویز نے بات اچکی۔

"نہیں یار گلے لگا کر سوری بول دوں گا۔" وہ روانی میں کہہ تو گئے پھر اپنی بات اور شاویز پر غور کیا جو مسکرا رہا تھا۔

"میرا مطلب ہے میں اس سے بھی سوری کرلوں گا' پہلے ملے تو....." طلال اعظم نے بات سنبھالی' اب وہ لوگ ایمرجنسی کے مختلف نجی و پرائیوٹ ہسپتال کو دیکھ کر رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

"یا اللہ..... بچی خیر و عافیت سے ہو۔" تسبیح کے دانوں کے ساتھ ان کی زبان بھی ساہر کی سلامتی کے لیے دعا گو تھی۔

"امی آپ پریشان نہ ہوں ساہر خیریت سے ہوگی اور جلد مل جائے گی۔" نبیلہ نے انہیں مطمئن کرنا چاہا حالانکہ وہ خود بھی اندر سے پریشان تھی۔

"کیسے پریشان نہ ہوں؟ کچھ دیر میں صبح ہو جائے گی اور....." ادھوری بات میں ہی مکمل بات چھپی تھی وہ پھر سے تسبیحات و دعا مانگنے میں مشغول ہوگئیں۔ ابھی مسجد سے اذان کی صدا بلند ہوئی تھی کہ شاویز کا فون آ گیا' ایک پرائیوٹ ہسپتال میں انہیں ساہر بے ہوشی کی حالت میں مل گئی تھی۔ شاویز گھر آ کر ماں کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا جبکہ نبیلہ گھر پر ہی وجدان کے پاس رہی تھی' سارہ کے ساتھ یہ حادثہ کیسے پیش آیا اس کی تفصیل تو معلوم نہ ہوسکی سوائے اس کے روڈ پر ہیوی ٹریفک کے باعث یہ ایکسیڈنٹ ہوا تھا' یہ مختصر تفصیل بھی اس شخص کی زبانی ڈاکٹر کو معلوم ہوئی تھی جو بے ہوش و زخمی ساہر کو ناصرف

یہاں لایا تھا بلکہ ایڈمٹ بھی کر گیا تھا' ساہر کو بے ہوش و زخمی حالت میں دیکھ کر طلال اعظم کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا اس کی لاتعلقی یہ دن دکھائے گی۔

آئی سی یو کے ڈور کے باہر جہاں سعیدہ خانم مسلسل دعاؤں میں مشغول تھیں وہیں طلال اعظم بے چینی سے ٹہل رہے تھے' پانچ ماہ تک جس لڑکی پر اس نے اپنا رعب جمایا آج وہی لڑکی اس کے اعصاب منتشر کر گئی تھی وہ اندر سے مکمل طور پر ٹوٹ چکے تھے' ان کا روم روم ساہر کے لیے دعا گو تھا۔

"آپ میں سے پیشنٹ کے قریبی رشتہ دار کون ہیں؟" تب ہی آئی سی یو سے ڈاکٹر کامران احسان باہر آئے۔

"ڈاکٹر..... ساہر کیسی ہے؟" طلال نے آگے بڑھ کر بے چینی سے پوچھا۔

"میری بچی کو ہوش آیا؟" سعیدہ خانم بھی پھرتی سے آگے بڑھیں۔

"جی ان کی حالت خطرہ سے باہر ہے مگر ابھی ہوش نہیں آیا' آپ میں سے قریبی رشتہ دار؟" ڈاکٹر کامران احسان نے جواب دینے کے ساتھ ساتھ سوالیہ نظروں سے ان سب کی طرف دیکھا۔

"ہم سب ہی قریبی رشتہ دار ہیں مگر یہ ان کے شوہر ہیں۔" پھوپو نے ایک کٹیلی نگاہ طلال اعظم پر ڈال کر کہا۔

"آپ آئیے میرے ساتھ۔" ڈاکٹر کامران احسان طلال اعظم کو اپنے ہمراہ اپنے کیبن میں لے آئے۔

"تو آپ ہیں ان کے ہزبینڈ؟" ڈاکٹر کامران حسان نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جی میں ہی ہوں ساہر کا شوہر ایڈووکیٹ طلال اعظم۔" انہوں نے اپنا تعارف کروایا۔

"اوہ تو آپ ایڈووکیٹ ہیں' نائس ٹو میٹ یو۔" ڈاکٹر کامران احسان نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا جسے طلال اعظم نے تھام لیا۔

"ویسے آپ بھی کمال کے ایڈووکیٹ ہیں' آپ کی مسز پچھلے نو گھنٹوں سے یہاں بے ہوش پڑی ہیں اور آپ لاپتا....."

ڈاکٹر کامران احسان کی بات پر وہ نظریں چرا گئے۔ تب ڈاکٹر کامران احسان نے انہیں چند ضروری ہدایات دے کر دواؤں کا نسخہ تھما دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

ساہر کو ہوش آ چکا تھا اور سعیدہ خانم کے کہنے پر ہی ساہر کی والدہ اور بہن کو بھی اطلاع کر دی گئی تھی جس پر وہ لوگ بھی پہنچ گئے تھے۔

"بیٹا یہ سب کیسے ہوا اور ہمیں بتایا بھی نہیں؟" وحیدہ بیگم نے روتے ہوئے ساہر کے ماتھے کو چوما۔

"ارے بہن کیا کر رہی ہیں آپ؟ یوں روئیں گی تو بچی بھی پریشان ہو جائے گی' دیکھیے الحمدللہ اب تو یہ بہتر ہے۔" سعیدہ خانم نے انہیں حوصلہ دیا۔

"جی امی' اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔" ساہر نے بھی تسلی دی۔

"مگر یہ ہوا کب اور کیسے؟" انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا جس پر وہاں موجود سب ہی نفوس نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"امی وہ آج صبح جب ہم گروسری لینے نکلے تھے تب طلال میکنٹ کر رہے تھے اور میں مارٹ سے باہر نکل آئی تب ہی روڈ کراس کرتے ہوئے ایکسیڈنٹ ہو گیا۔" ساہر کی سنائی گئی کہانی پر سعیدہ خانم نے ایک کٹیلی سی نگاہ طلال کی جانب کی جو شرمندہ سے ایک کونے میں کھڑے تھے گو کہ ساہر کو اتنی شدید چوٹیں نہیں آئی تھیں سوائے پاؤں میں فریکچر اور کچھ چھوٹی موٹی خراشوں اور سر پر لگنے والی چوٹ کے مگر پھر بھی اسے تین دن بعد ہسپتال سے ڈسچارج کیا گیا تو ساہر اپنے میکے ہی چلی گئی حالانکہ سعیدہ پھوپو بھی اسے اپنے گھر لے جانا چاہتی تھیں مگر ساہر کی امی نے سہولت سے منع کرتے ہوئے ساہر کو اپنے گھر لے جانے کی بات کر دی جو طلال اعظم کو نا چاہتے ہوئے بھی ماننی پڑی۔

ساہر ایک ہفتہ اپنے میکے میں رہی اس دوران روزانہ آفس سے واپسی پر طلال اعظم اس کا حال پوچھنے بمعہ فروٹ و جوسز چلے آتے' رسمی سی بات چیت اور کچھ دیر بیٹھ کر چلے جانا اس سے زیادہ ساہر ان سے کچھ اور امید کر بھی کیا سکتی تھی اور آج پورے ایک ہفتہ بعد وہ ان کے ہمراہ اعظم ہاؤس جا رہی تھی۔

"ساہر..... پھوپو سے کیا شکایتیں کی ہیں میری؟" ڈرائیونگ کرتے طلال اعظم نے اچانک پوچھا۔

"کچھ نہیں' کیوں انہوں نے آپ سے کچھ کہا؟" اس نے ترچھی نظر سے ان کی سمت دیکھا اور انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"ظاہر ہے جب تم شکایتیں کرو گی تو لوگ کچھ نہ کچھ تو کہیں

Digitized by Google

گے۔"

"مگر میں نے کسی سے بھی آپ کی کوئی شکایت نہیں کی انہوں نے خود مجھ سے سوال پوچھا تو میں نے سچ سچ بتا دیا۔" ساہر نے صاف گوئی سے کہا۔

"ایسا کون سا سوال پوچھ لیا جس کا جواب تم سچ سچ دیے بیٹھ گئیں؟" طلال نے ساہر کی طرف خشمگیں نظروں سے دیکھا۔

"ان کی تجربہ کار آنکھوں سے کچھ پوشیدہ تو نہیں انہوں نے اس دن مجھ سے پوچھ ہی لیا کہ آخر میں سجتی سنورتی کیوں نہیں، ہم کہیں گھومنے کیوں نہیں جاتے؟ وغیرہ وغیرہ۔"

"تو پھر تم نے کیا کہا؟" طلال اعظم کا لہجہ پرتجسس ہوا۔

"تو بس میں نے بتا دیا کہ جس کے لیے بجنا سنورنا چاہیے نہ ان کے پاس ٹائم ہے اور نہ ہی انہیں یہ سب پسند ہے۔"

"تم نے یہ سب کہا؟" ساہر کی بات پر ان کے لہجے میں حیرت در آئی انہوں نے رخ موڑ کر ساہر کی سمت دیکھا۔

"تو کیا یہ جھوٹ ہے؟" ساہر نے بھی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تیکھے پن سے پوچھا جس پر طلال اعظم خاموش ہو گئے۔

"تو تم گھومنا چاہتی ہو؟"

"ہاں آپ کے ساتھ۔" دل نے کہا مگر لب خاموش رہے۔

"تم بجنا سنورنا چاہتی ہو؟"

"ہاں آپ کے لیے۔" دل کو پھر زباں ملی مگر ہونٹ سلے رہے۔

"چلو یہ وقت بھی جلدی آئے گا۔"

"کب؟" طلال اعظم کی آخری بات پر اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"بہت جلد۔" وہ مبہم انداز میں مسکراتے پھر سے ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گئے جبکہ ساہر ان کی کہی آخری باتوں کی گتھی سلجھانے میں لگ گئی۔

"اتنا مت سوچو اور نہ ہی اپنے چھوٹے سے دماغ پر زور دو کچھ چیزیں وقت آنے پر خود ہی سمجھ آ جاتی ہیں۔" ان کا لہجہ انداز ان کا مسکرانا ساہر کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کر رہا تھا۔ کار میں اب خاموشی کا راج تھا جسے اب پلیئر کی آواز چاک کرنے لگی تھی۔

"اتنا زبردست سا گانا اور وہ بھی ان کی پلے لسٹ میں۔" ساہر اب بھی حیرت کے سمندر میں گم تھی جبکہ اس کے آس پاس گانے کی آواز کا جادو چھا گیا تھا۔

اے ہمنوا مجھے اپنا بنا لے
سوکھی پڑی دل کی اس زمیں کو بھگا دے
ہوں اکیلا ذرا ہاتھ بڑھا دے
سوکھی پڑی دل کی اس زمیں کو بھگا دے
کب سے میں در در پھر رہا
مسافر دل کو پناہ دے
تو آوارگی کو میری آج ٹھہرا دے
ہو سکے تو تھوڑا پیار جتا دے
سوکھی پڑی دل کی اس زمیں کو بھگا دے

دھیمی سی طلال کے چہرے پر مسکراہٹ میٹھون کی آواز میں بولتے کچھ جتاتے الفاظ ساہر کو اس وقت غش آنے لگے تھے۔

❁.....❁.....❁

اعظم ہاؤس پہنچ کر ساہر نے کار سے اترتے ہوئے پاؤں میں فریکچر کے باعث فرنٹ ڈور کا سہارا لیا ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ گھر کے اندر اور کمرے تک کیسے جائے کہ طلال اعظم کار لاک کرنے کے بعد اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے وہ عجیب سے شش و پنج میں گرفتار تھی کیونکہ گھر پر تو نجل آپی یا امی اسے سہارا دے دیتی تھیں مگر اب یہاں؟ ساہر کے چہرے سے اس کی پریشانی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"کل میں تمہیں اسٹک لا دوں گا تاکہ میری غیر موجودگی میں تمہیں مسئلہ نہ ہو اور میری موجودگی میں تمہارے سہارے کے لیے میں کافی ہوں۔" طلال اعظم نے یہ کہہ کر جھٹ سے ساہر کو اپنی بانہوں میں اٹھا لیا ساہر شرم سے سمٹ گئی۔ ساہر کی دھڑکن تیز ہو چلی تھی کیونکہ بانہوں میں سمٹی ساہر ان کے اتنے قریب تھی کہ طلال اعظم کے دل کی دھڑکنیں بھی محسوس ہو رہی تھیں۔

اعظم ہاؤس میں سناٹے کا راج تھا شاید خانساماں بھی نہیں تھے تب ہی تو سب ہی لائٹس آف تھیں یہاں تک کہ ان کے کمرے میں بھی اندھیرا تھا۔ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر ساہر کو لگا کہ اب وہ اسے نیچے اتار دیں گے اس لیے اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کو تھامنا چاہا مگر طلال اعظم نے پاؤں کی ٹھوکر سے خود ہی دروازے کو دھکیل کر نہ صرف دروازہ کھولا بلکہ ساہر کو

Digitized by Google

نیچے اتارنے کے بجائے یونہی بانہوں میں اٹھائے ہاتھ آگے بڑھا کر لائٹ آن کردی' پورا کمرہ جونہی روشنی میں نہایا ساہر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تم تھوڑا آرام کرو میں جب تک فریش ہو کر آتا ہوں۔" آہستگی سے ساہر کو بیڈ پر بٹھا کر وہ فریش ہونے چل دیئے جب کہ ساہر پورے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ ہر طرف زمین پر گلاب کے مہکتے ہوئے پھول بکھرے ہوئے تھے گویا پورا کمرہ گلابوں کی مہک اور سجاوٹ سے بہت خوب صورت سا تاثر دے رہا تھا۔ وہ حیران تھی کہ ایسی سجاوٹ اور یہ انداز تو شب عروسی کی رات بھی نہ تھے۔

"کیا ہوا..... سجاوت پسند نہیں آئی؟" وہ اپنے ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی چونکی تو جب طلال اعظم اس کے قریب آ بیٹھے۔

"نہیں بہت اچھی ہے مگر یہ سب کیوں؟" ہولے سے مسکراتے ہوئے ساہر نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

"سمجھ نہیں آ رہا کہاں سے کہنا شروع کروں' ایڈووکیٹ ہوتے ہوئے بھی آج اپنی صفائی میں کہنے کے لیے الفاظ ہی نہیں مل رہے۔ میری اٹھائیس سالہ زندگی سنجیدگی لیے ہوئے ہی گزری' اسٹوڈنٹ لائف ہو یا اعظم ہاؤس کے ان دیواروں میں گزرے ماہ وسال' ہنسنا' ہنسانا' شوخی' شرارت' انجوائے منٹ' انٹرٹینمنٹ یہ سب میری لائف میں کہیں نہیں رہے مگر شومئی قسمت کہ میری لائف پارٹنر تم بن کر آئیں جو میری نیچر سے بالکل الگ نکلی۔ تمہاری شوخی' تمہاری چنچل طبیعت کو میں اپنی سنجیدگی سے موازنہ کرتے ہوئے بچپنے کا نام دینے لگا تھا مگر یہ سمجھنے میں وقت لگا کہ یہ سب بھی زندگی کا حصہ ہے۔ کچھ میری نیچر اور کچھ میرا پروفیشن ہی ایسا ہے کہ میں سنجیدہ مزاج بنتا چلا گیا۔ میں نے تمہارے ساتھ کتنا غلط بی ہیو کیا' اس کا احساس مجھے اس دن ہوا جب میری لاتعلقی پر بھی تم نے آنٹی کے سامنے میری سائیڈ لی' اسی دن میری سوچ غلط ثابت ہوئی۔" طلال اعظم دھیرے دھیرے گزرے ان پانچ ماہ کا احوال سنا رہے تھے۔

"آپ کی سوچ؟" ساہر نے دہرایا۔

"یہ کہ آ ایڈووکیٹ زیادہ تر میرے پاس کیس خلع کے یعنی لیڈیز کی طرف سے ہی آتے رہے ہیں جسے حل کرتے ہوئے میرے دل میں یہ بات گھر کر گئی تھی کہ شادی و گھر توڑنے میں پہل خواتین ہی کرتی ہیں چاہے اس کے پیچھے وجہ کوئی بھی رہی ہو تب ہی میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ میں اپنی وائف کو اتنا سر پر نہیں چڑھاؤں گا کہ وہ اپنی من مانیوں پر اتر آئے مگر ہر بار تم نے میری سوچ و خیال کو غلط ثابت کیا۔ اس دن ہسپتال میں بھی حالانکہ تم میری لاتعلقی کی وجہ سے پہنچیں پھر بھی تم نے مجھ پر الزام لگانے یا مجھے کچھ کہنے کے بجائے ساری بات خود پر لے لی تب تک مجھے سمجھ آ چکا تھا۔ تمہارے بچپنے میں بھی ایک میچورٹی ہے' تم جتنی چھوٹی دکھتی ہو اس سے بڑھ کر تمہاری سوچ بڑی ہے۔"

"تو راستے میں آپ نے مجھ سے کیوں پوچھا کہ میں نے پھوپو کو کیا اور کیوں بتایا؟" طلال اعظم کے خاموش ہونے پر ساہر نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پھوپو نے مجھ سے کچھ کہا نہیں بلکہ اس دن میں نے تمہاری اور نبیلہ بھابی کی باتیں سن لی تھیں۔"

"کیا.....! آپ نے سب سن لیا تھا؟" منہ کھولے حیرت سے اس نے پوچھا۔

"ہاں سب سن لیا تھا' تب ہی تو مجھے پتا چلا کہ بظاہر ہنستی شوخ و چنچل سی میری وائف اندر سے کتنی گہری ہے۔" طلال اعظم نے ہولے سے اس کی ناک دباتے ہوئے کہا اور پیار سے ساہر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما۔

"سوری بہت چھوٹا سا لفظ ہے' ان پانچ ماہ میں جتنی بار تمہیں میں نے' میرے روڈ بی ہیو اور میری باتوں نے ہرٹ کیا میں کیا یہ سوری بھی اس کا مداوا نہیں کر سکتا مگر میں وعدہ ضرور کر سکتا ہوں کہ آنے والے پانچ ماہ نہیں پانچ سال نہیں بلکہ زندگی کے پورے سفر میں اب تمہیں کبھی ہرٹ نہیں کروں گا' نہ اپنے رویے سے نہ اپنی باتوں سے' بس پہلی اور آخری بار معاف کردو۔" یک دم وہ بیڈ سے اتر کر اپنے گھٹنوں پر بیٹھ گئے اور دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے' ساہر کے لیے تو ان کی ہر بات و انداز ہی نرالا تھا۔

"یار اب مان بھی جاؤ ناں' دل سے سوری۔ اسی دل سے جو کچھ وقت پہلے تک پتھر تھا مگر اب تمہاری محبت' معصومیت اور چاہت سے پگھل کر موم بن گیا ہے۔" طلال اعظم کی بات پر اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"آپ ایسے اچھے نہیں لگتے۔" اس نے طلال اعظم کے ہاتھوں کو کانوں سے ہٹایا۔

"تو پھر سے بن جاؤں اینگری اسٹون مین؟" اس کے

Digitized by Google

برابر میں بیٹھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"نہیں نہیں......" یک دم وہ تیزی سے بولی تو وہ بھی مسکرا دیے۔

"اچھا ایک منٹ......یہ لو۔"

"یہ کیا ہے؟" باکس کو تھامتے ہوئے ساہر نے سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

"خود ہی دیکھ لو۔" طلال اعظم کے کہنے پر اس نے پیکٹ کھولنا شروع کیا اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس میں سے ڈیپ ریڈ کلر کی خوب صورت سی سلک کی ساڑھی برآمد ہوئی۔

"مگر آپ کو تو یہ پسند نہیں۔" ساہر نے اداسی سے کہا۔

"جب میں اپنی نیچر بدل سکتا ہوں' انداز بدل سکتا ہوں تو اپنی پیاری سی بیوی کے لیے پسند نہیں بدل سکتا کیا؟" قدرے قریب آ کر طلال اعظم نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"اب یہ پہن کر بھی تو دکھاؤ۔" ساتھ ہی انہوں نے فرمائش کی۔

"مگر ابھی کیسے؟" ساہر نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔

"تو میں ہوں ناں' میں تمہاری ہیلپ کروں گا۔" طلال اعظم جن کی آنکھوں میں اس وقت چاہت کی چاندنی اور محبت کی کرن تھی اس پر لہجے کا اتار چڑھاؤ اور مخمور گمبھیر سی آواز نے ایک سحر سا طاری کر دیا تھا وہیں ساہر کے چہرے پر بھی نہ جانے کتنے رنگ آ ٹھہرے تھے۔

"محبت کے اگر رنگ ہوتے ہیں ناں تو وہ سب ہی رنگ اس وقت تمہارے چہرے پر موجود ہیں اور میرا دل چاہ رہا ہے میں ان سب ہی رنگوں کو چرا لوں محبت سے۔" طلال اعظم نے اس کے چہرے پر یوں ہاتھ پھیرا گویا وہ ان رنگوں کو محسوس کر رہے ہو۔

"میں کوئی رومیو تو نہیں' نہ ہی عاشق قسم کا انسان مگر بس اتنا کہوں گا مجھے تمہاری محبت سے محبت ہو چلی ہے۔" محبت کے نشے میں ڈوبے طلال اعظم نے ساہر کے گال سے اپنے گال ملائے تو وہ شرما سی گئی بالکل کسی نئی نویلی دلہن کی طرح۔

"سب پچھلی غلطیاں و باتیں بھلا کر' محبتوں کے سنگ' چاہتوں کے رنگ اوڑھ کر اس خوب صورت رات سے زندگی کے نئے سفر کی ایک نئی شروعات کی جائے' کیا خیال ہے؟"

طلال اعظم کی مخمور پُر حدت سی سرگوشی نما آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"بولو دو گی میرا ساتھ؟" طلال اعظم نے اس سے اقرار چاہا جو کب سے اس پل کی منتظر تھی بھلا وہ کب اظہار میں پیچھے رہتی۔ ساہر جھٹ سے ان کے سینے سے آ لگی تو انہوں نے بھی محبت سے اسے خود میں بھینچ لیا۔

ایک سکون سا ان کے رگ و جاں میں اترنے لگا تھا۔ وہ کسی شاعری کی غزل جیسی لڑکی ان کی دنیا تہہ و بالا کر کے اس پر اپنی محبت کے جھنڈے گاڑھ چکی تھی۔

"ویسے میرا خیال ہے اب پھوپو کی فرمائش بھی پوری کر دینی چاہیے۔"

"کون سی فرمائش؟" ساہر نے طلال اعظم کے چوڑے سینے سے سر اٹھائے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"وجدان کے لیے کوئی بھائی بہن یا پھر دونوں ہی اکٹھا لانے کی فرمائش و خواہش۔" طلال اعظم نے ساہر کے کان میں آہستگی سے سرگوشی کی تو وہ شرم کے مارے اور سرخ ہو گئی اور طلال اعظم کا دل دھڑکنا بھول کر اسے ہی دیکھنے لگا جو اس کے قریب اس کی دسترس میں تھی۔

"آئی ریئلی لو یو۔" بالآخر اسٹون مین بھی رومانٹک مین بن چلا تھا۔

"آئی لو یو ٹو۔" ساہر نے مسکراتے ہوئے ان کے کندھے سے سر لگایا جبکہ طلال اعظم نے اس کے گرد اپنے پیار کا حصار کھینچ لیا۔ باہر رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی تو اندر محبتوں کی بارش قطرہ قطرہ سوکھے ہوئے دل کی زمیں پر برس رہی تھی۔

میں تیرے ساتھ ستاروں سے گزر سکتا ہوں
کتنا آسان محبت کا سفر لگتا ہے
میں چاند تو میرا وہ آسمان
جس کے بنا ادھورا سا میرا سفر لگتا ہے

Digitized by Google

قسط نمبر 9

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شاہ زرشمعون چودھری حشمت سے بات کرتے عیشال جہانگیر سے نکاح سے انکار کردیتا ہے۔ چودھری حشمت اس کی بات مان جاتے ہیں لیکن فی الحال حویلی میں اس حوالے سے بات نہیں کرتے۔ سمہان آفندی عیشال جہانگیر کو اس کے مقصد میں کامیاب ہونے نہیں دیتا جس پر وہ جھنجلاتی اسے اپنے غصہ کا نشانہ بناتی ہے۔ عیشال چودھری شاہ زرشمعون سے بات کرتی اسے نکاح سے انکار کرنے کا کہتی ہے جس پر شاہ زرشمعون اسے داجان سے بات کرنے اور نکاح سے انکار کی وجہ بتا کر مطمئن کرجاتا ہے۔ منزہ کی طبیعت کی خرابی کے باعث ماورا اسے ڈاکٹر کے پاس چلنے اور رپورٹس دکھانے کی بات کرتی اسے پریشان کرجاتی ہے منزہ اس بات کو ٹال جاتی ہے شنائیہ چودھری بخت اور دیا کے ساتھ عیشال کے نکاح کی تقریب کے لیے حویلی آجاتی ہے اور عیشال کی مہندی اور ڈھولکی کی باتیں کرتے عیشال کو غصہ دلا جاتی ہے۔ ماورا کو کپڑوں کی الماری سے منزہ کی رپورٹس مل جاتی ہے اور وہ بیماری کا جان کر ششدر رہ جاتی ہے منزہ اب کچھ عرصے کی مہمان تھی یہ بات ماورا کو دکھ سے دوچار کردیتی ہے۔ منزہ ماورا کو تسلی دیتی انوشا سے یہ بات چھپانے کا کہتی ہے۔ دوسری طرف حویلی میں چودھری حشمت شاہ زرشمعون کی بات پر غور کرتے عین نکاح سے ایک دن پہلے شاہ زرشمعون کا نکاح شنائیہ چودھری سے کرنے کا کہتے سب کو خوش وحیران کرجاتے ہیں شنائیہ اس رشتے پر خوش نہیں ہوتی وہ مدد طلب نظروں سے اپنی ماں (دیا) کو دیکھ کر رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

"سمہان، وقت کم رہ گیا ہے' کل ہی ڈیرے (مردان خانہ) میں دعائے خیر کا انتظام کرلو۔" چودھری حشمت کا رخ سمہان آفندی کی طرف ہوا' جو بے یقینی کا شکار تھا۔ یہ جو کچھ ہوا وہ اتنا غیر متوقع تھا کہ اسے اپنی سماعت پر لمحے بھر کو شک گزرا لیکن اس نے کچھ غلط نہیں سنا تھا۔ عیشال جہانگیر کے چہرے پر پھیلا سکون اور شاہ زرشمعون کے پُرسکون اعصاب نے احساس دلایا کہ بازی پلٹ گئی ہے۔

"آپ فکر نہ کریں داجان...... سب ہوجائے گا۔" آواز کی بشاشت لوٹ آئی تھی۔ عیشال جہانگیر نے سکون کا سانس لیتے شنائیہ چودھری کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونق انداز پر اسے ہنسی آنے لگی تھی۔

"کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں؟" جانے کیسے چودھری حشمت کے منہ سے نکلا۔ ان کی نظریں شاہ زرشمعون پر تھیں' وہی تو تھا جس کی باعث فیصلے میں ترمیم ہوئی تھی' کہیں شنائیہ کو بھی بہن بنائے تو نہیں بیٹھا تھا؟ جب وہ سر خم کر گیا تو چودھری حشمت کی نگاہ سب پر گردش کرنے لگی۔ شنائیہ چودھری کا جی چاہا وہ احتجاج کرے مگر آواز حلق میں ہی گھٹ کے رہ گئی تھی۔

"ہماری خوش قسمتی ہے بابا جان کہ ہمیں شاہ جیسا داماد ملا' سچ کہوں تو عیشال اور شاہ کے نکاح کا سن کر خیال آیا تھا

Digitized by Google

کہ میری بیٹی کے لیے بھی اتنا اچھا بر ہوتا اور شاید وہی قبولیت کا لمحہ تھا۔" چودھری بخت اعلیٰ ظرفی سے اعتراف کر گئے۔ دیا کے چہرے پر بھی اطمینان بخش مسکراہٹ سج گئی تو شنائیہ کا دل ایک دم سے بے زار ہوگیا تھا جبکہ شاہ زرشمعون انکساری سے مسکرادیا تھا۔

"ہم نماز پڑھ لیں' اب رات کے کھانے پر ملاقات ہوگی۔" چودھری حشمت اُٹھے تو باقی سب بھی ان کے احترام میں کھڑے ہوگئے تھے۔

"شہری بہو مبارک ہو بھابی۔" فریال نے دبی آواز میں فائزہ کو ٹہوکا دیتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرادیں۔

"فائنلی بتادو برخوردار تو نکاح کے انتظامات کرلوں ناں یا مزید کوئی ٹوئسٹ باقی ہے' تمہاری طرف سے؟" سبحان آفندی نے قریب آ کر چھیڑا تو شاہ زرشمعون کے لیے اس کے دل میں عزت مزید بڑھ گئی تھی۔

"کرلو یار...... آگے کنواں' پیچھے کھائی والا معاملہ ہے...... ایک ہی لائف لائن تھی' جو میں نے یوز کرلی' اب تو بھگتنا ہی ہے بس۔" شاہ زرشمعون نے بھی دلچسپ انداز میں جواب دیا تو سبحان آفندی کھل کے مسکرایا۔ ساری بے زاریت دور ہوگئی تھی۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے عیشال جہانگیر کو دیکھا' تو یہ وجہ تھی اس کے اطمینان کی۔ شاہ زرشمعون نے نظر ثانی کی اپیل دائر کررکھی تھی اور وہ اس سے واقف تھی۔ اسے پورا یقین تھا اس کی طرف سے مایوس ہوکر وہ اپنا انکار پہنچانے اس کے پاس ضرور گئی ہوگی۔

"شنائیہ جی' گرومنگ کی ایکسٹرا کلاسز کی وجہ سے اپنا میک اپ تو آپ خود ہی کرلیں گی لیکن آپ کو مہندی میں ہی لگاؤں گی۔ پوری حویلی میں' سب سے اچھی مہندی لگاتی ہوں' کیوں بھئی گواہی دو۔" شنائیہ چودھری کے فق چہرے کو دیکھتے عیشال جہانگیر کو بہت مزا آرہا تھا۔ وہ ٹھیک ٹھاک بدلہ لے رہی تھی۔ تاہم شنائیہ کے انداز دیکھ کر بہن کو ٹہوکا دے گئی تو وہ پھیکے سے مسکرادی۔

"ہاں' عیشال مہندی بہت اچھی لگاتی ہے' اسی سے لگوانا۔" سب نے گواہی دی تو عیشال شرارت بھری نظروں سے شنائیہ کو دیکھنے لگی۔

"چلو ڈھولکی بجاتے ہیں۔ شنائیہ جی نے کیا رنگ جمایا ہے آ کر...... پھر سے رونق لگاتے ہیں۔" عیشال جہانگیر گن گن کے بدلہ لے رہی تھی۔

"ویسے شنائیہ جی' ویرے کو کتنے دنوں میں ہنسنا' بولنا اور مسکرانا سکھادیں گی......" اس نے قریب آ کر رازدارانہ انداز میں پوچھا اور شنائیہ کا دل شدت سے رونے کو چاہا۔

"بس کرو عیشال' بے چاری صدمے میں ہے۔" شازمہ نے بھی ہنسی اُڑائی تو شانے اُچکاتے اس کی نظر سامنے اُٹھ گئی۔ شاہ زرشمعون ہال سے نکل رہا تھا۔ بڑے اپنی اپنی باتوں میں مصروف تھے۔

"ویرے......" وہ تیزی سے اس کے پیچھے آئی' اس کی پکار پر شاہ زرشمعون کے قدم رکے تھے۔

"بہت شکریہ ویرے۔" وہ تشکر کے احساس سے گویا ہوئی۔

"خوش رہو۔" اس کے پُرسکون چہرے کی طرف دیکھتے شاہ زرشمعون مسکرا کر دعا دیتے واپس پلٹ گیا تو وہ بھی فرحت بھری سانس لیتے واپس اندر جاکر شنائیہ کو چھیڑنے کا ارادہ لیے پلٹی مگر اُچھل کر دو قدم پیچھے ہوئی۔ اس کے عین پیچھے سبحان آفندی آ کھڑا تھا۔ اس کا شک درست نکلا۔ وہ بات کرچکی تھی' تب ہی شکریہ ادا کررہی تھی۔

"آج خوش تو بہت ہوگی تم؟" لب دانتوں تلے دبا کر شوخ ہوا۔ عیشال جہانگیر نے بھنویں سکیڑ کر اس کے پُرسکون انداز اور مسکراہٹ کو ملاحظہ کیا۔

Digitized by Google

''الحمدللہ، بہت خوش ہوں۔ میرے لیے کچھ نا کرنے والے شاید نہیں جانتے کہ میرا رب کبھی میرا بُرا نہیں ہونے دے گا۔ میری فکر میں خود کو ہلکان نا کریں......اب سے میری چوکیداری کرنے کی بھی آپ کو کوئی ضرورت نہیں۔ اب کچھ بھی ہوجائے...... مرنے کی کوشش نہیں کروں گی۔'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہنے سے ذرا نا جھجکی۔

''چلو شکر ہے، تمہیں عقل تو آئی۔ یعنی اب میں تم سے پہلے چین کی نیند سوسکوں گا۔ ورنہ تو اس چوکیداری نے خاصا تھکا دیا تھا مجھے اور کوئی حکم میرے لائق......'' لب دبائے وہ شریر مسکراہٹ سے گویا ہوا تو وہ رخ موڑ گئی۔

''جی نہیں......'' وہ نخوت سے بولی تو سبحان آفندی کو شنائیہ کا انداز یاد کرکے ہنسی آنے لگی۔ بے چاری بری پھنسی تھی۔ اس کی ہنسی کو بے عزتی گردان کے وہ پیر پٹختی چلی گئی تھی۔

❁......❁......❁

ماورا یکی بڑی بے چینی سے اپنے سے آگے لائن میں بیٹھی عورتوں کو دیکھ کر پھر سامنے موجود مردوں کی لائن کو دیکھنے لگی۔ دونوں لائنیں خاصی لمبی تھیں، جانے اس کا نمبر کب آتا...... بے چینی سے کلائی میں بندھی گھڑی میں اس نے وقت دیکھا۔ منزہ بیسے اصرار کرکے وہ رپورٹس لیے ہاسپٹل چلی آئی تھی۔ یہ ایک بڑا پرائیوٹ ہاسپٹل تھا۔ اسی ہاسپٹل میں منزہ کا مرض تشخیص ہوا تھا لیکن اب منزہ نے دوسرے ڈاکٹر کو دکھانے کا سوچا تھا اور اسی سلسلے میں وہ رپورٹس لیے بیٹھی تھی۔ ہاسپٹل میں ایک ہی مرض کے کئی اسپیشلسٹ موجود تھے۔ قسمت آزمانے کے لیے وہ دوسرے ڈاکٹر تک رسائی کررہی تھی مبادا کوئی امید افزا خبر مل جائے۔ یونیورسٹی سے دو کلاسز لے کر وقتِ مقررہ پر وہ ہاسپٹل چلی آئی تھی لیکن نمبر لینے کے بعد بھی اسے انتظار کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

''یا اللہ! اتنے مرض دیتا ہی کیوں ہے کہ مسیحا بھی تنگ آجائے۔'' اتنے بڑے سے ہال میں ہر ڈاکٹر کے مریض اپنی اپنی لائن میں براجمان تھے۔ وقفے وقفے سے ناموں کی پکار ہوتی تو مریض اپنی باری پر خوش ہوتے بیماری سے عاجز آئے اُٹھ کھڑے ہوتے۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے، اتنی ینگ تو ہو۔'' ساتھ بیٹھی آنٹی نے انتظار کی صعوبتوں کو دُور کرنے کے لیے گفتگو کا آغاز کرنا چاہا۔ اس سے پہلے وہ اپنے سامنے والی سے محوِ گفتگو تھیں۔ وہ اپنی باری آنے پر ڈاکٹر کے کمرے میں جاچکی تھی اس لیے وہ اب ماورا سے مخاطب تھیں۔

''والدہ کی رپورٹس چیک کروانے آئی ہوں۔'' اس نے کہا۔

''رپورٹس چیک کروانے کے لیے بھی لمبا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ کیا ہوا تمہاری اماں کو؟'' خاتون کو جہاں یہ جان کر سکون ہوا کہ اسے کوئی مرض نہیں، وہ سوال کرگئیں۔

''بلڈ کینسر۔'' اس نے بے حد دُکھ سے کہا۔ اس موذی مرض کا نام لیتے ہی اس کی نظر میں اپنی کمزور و نحیف ماں کا چہرہ آ گیا تھا۔

''اوہ...... اللہ شفا دے، اس موذی مرض سے، ڈاکٹر جنید اس مرض کے اچھے ڈاکٹر ہیں، جن سے تم ملوگی لیکن اس ہاسپٹل میں اس مرض کے سب سے قابل ڈاکٹر چودھری بخت ہیں۔ اپنی والدہ کو انہیں دکھاؤ۔'' آنٹی نے اس کے علم میں اضافہ کیا تو وہ مزید معلومات لینے کی غرض سے ان کی طرف گھوم گئی۔

''چودھری بخت کا روم کون سا ہے اور ٹائمنگ؟''

''یہ تو تم ریسپشن سے پتا کرلو۔ میری عزیزہ بڑی تعریف کررہی تھی چودھری بخت کی، ماشاء اللہ بہت شفاء ہے ان

Digitized by Google

کے ہاتھ میں۔" آنٹی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھیں۔
"بہت شکریہ' میں پتا کرلوں گی۔" وہ مشکر ہوئی۔ اسی لمحے اندر سے خاتون کی واپسی کے ساتھ آنٹی کا نام پکارا گیا تو وہ اُٹھ کر چلی گئیں۔
اللہ اللہ کر کے ماورا ایجی' کے نام کی پکار ہوئی تو وہ شکر کا سانس لیتی' دھڑکتے دل سے ڈاکٹر کے روم میں داخل ہوئی۔ دل ہی دل میں بہتری کی دعا کر رہی تھی۔
ڈاکٹر نے کیس ہسٹری سننے کے ساتھ رپورٹس بغور دیکھیں اور ان کے چہرے پر کوئی امید افزا لہر نہیں تھی۔ ماورا آس اور امید سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
"ڈاکٹر خرم' ہمارے بہت قابل ڈاکٹر ہیں' جنہوں نے یہ ٹیسٹ کروائے۔ رپورٹس کے مطابق تو میں کوئی امید افزا خبر آپ کو نہیں دے سکتا۔ بہرکیف زندگی و موت تو اللہ کے اختیار میں ہے..... آپ یہ رپورٹس ہمارے سینئر ڈاکٹر چودھری بخت کو دکھائیں..... ممکن ہو ان کا تجربہ آپ کی والدہ کی زندگی بچانے میں کام آجائے۔" ڈاکٹر جنید بڑی اعلیٰ ظرفی سے اپنے سینئر ڈاکٹر کی بڑائی تسلیم کرتے مشورہ دینے لگے تو ماورا ایجی' چونک گئی۔ باہر بیٹھی آنٹی نے بھی یہی نام لیا تھا اور ڈاکٹر بھی ان کی مدح سرائی کر رہے تھے۔
"ڈاکٹر بخت ملیں گے اس وقت؟" ڈاکٹر کی باتوں کی روشنی میں ماورا کو خوشی تو نہیں ہوئی لیکن وہ چودھری بخت سے مل کر تسلی کر لینا چاہتی تھی۔ اب تو یونیورسٹی کا ٹائم بھی ختم ہو گیا تھا۔ بھلے اسے شام تک یہیں بیٹھنا پڑتا وہ ماں کے لیے انتظار بھی کر سکتی تھی۔
"چودھری بخت ان دنوں چھٹیوں پر اپنے گاؤں گئے ہوئے ہیں۔ ان کے آنے پر ہی آپ ان سے مل سکیں گی۔ اپنی والدہ کو بھی چیک اَپ کے لیے لے آئیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔" چھٹی کا سن کر اس کا چہرہ ایک دم بجھ گیا۔ اس کے پاس وقت نہیں تھا اور ڈاکٹر کی غیر موجودگی آڑے آرہی تھی۔
"کب تک آئیں گے ڈاکٹر بخت؟" انتظار کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔
"آپ ریسپشنسٹ سے معلومات لے لیجیے۔ میرے علم میں نہیں۔" ڈاکٹر نے کہنے کے ساتھ گھنٹی بجا کر نیکسٹ پیشنٹ بھیجنے کا عندیہ دیا تو ماورا ایجی' رپورٹس سنبھال کر نکلنے لگی۔
ایشان جاہ اور اس کا گروپ اسی دم ہاسپٹل میں داخل ہوا تھا۔ عزیر کے چچا ہاسپٹلائز تھے۔ وہ ان سے ملنے آیا تو سب ہی ساتھ آگئے تھے۔
"اوئے' یہ اپنی ماورا ایجی' ہی ہے ناں؟" سعید نے ٹہوکا دیتے تیز آواز سے کہا تو سب ہی اس کی نشاندہی پر ریسپشن کی طرف دیکھنے لگے۔
"اپنی.....؟" انشراح نے گھورا تو وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔
"کلاس بنک کر کے یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟" عذیر بھی تشویش میں مبتلا ہوا۔ ایشان جاہ کی نظر بھی اس پر پڑ چکی تھی۔ دو کلاس کے بعد وہ سارا دن نظر نہیں آئی تو ایک تشویش ضرور ہوئی تھی مگر اسے یہاں دیکھ کر وہ بھی کسی قدر حیران ہوا تھا۔
"کیا یہ ممکن نہیں کہ ڈاکٹر صاحب جلد لوٹ آئیں..... انہیں ایمرجنسی کی کال کی جائے تو.....؟" قریب سے گزرتے وہ دانستہ قدموں کی رفتار سست کر چکا تھا۔ ماورا ایجی' کا بے قراری سے کیا سوال اسے حیران کر گیا تھا۔
"میم..... ڈاکٹرز کی چھٹی پر ہم انہیں اسی وقت ایمرجنسی کال کر سکتے ہیں جب پیشنٹ ڈاکٹر کے ہوں' وہ آئیں

Digitized by Google

گئے تب ہی آپ مل سکیں گی..... ہاسپٹل کا کارڈ رکھ لیں' آنے کی زحمت سے بچنے کے لیے آپ کال کر کے ان کی واپسی کنفرم کر لیجیے گا۔" تعاون سے معذوری ظاہر کر کے ریسپشن پر موجود بندے نے پروفیشنل انداز میں جواب دیا تو وہ دُکھی دل سے کارڈ اُٹھا کر پلٹی۔ اس کی نظر بھی ایشان جاہ کے گروپ پر پڑی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تحیر کا رنگ جھلکا لیکن اگلے ہی لمحے وہ سر جھٹک کر خارجی راستے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

ایشان جاہ نے کارڈ سنبھال کر پرس میں رکھتے اسے دیکھ لیا تھا۔ بیگ اور ہاتھ میں موجود کتابیں ظاہر کر رہی تھیں وہ یونیورسٹی سے ڈائریکٹ آئی تھی۔

چودھری بخت اور دیا اسی ہاسپٹل میں ہوتی تھیں' جانے وہ کس ڈاکٹر کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ معلوم ہوتا تو شاید وہ کوئی فیور دے دیتا۔ وہ ریسپشن سے جا کر کنفرم کرنا چاہ رہا تھا مگر وہ سب سنتے تو جان کو آ جاتے..... سو وہ خاموشی سے عذیر کے چچا سے ملنے چلا گیا لیکن ان سب کو وہیں چھوڑ کر جانے سے پہلے وہ ریسپشن پر ضرور آیا تھا لیکن وہ مادرا یحییٰ کے حوالے سے معلومات حاصل کرنے میں ناکام ٹھہرا تھا۔

❀.....❀.....❀

حقیقتاً شنائیہ چودھری کے حواس سلب ہو گئے تھے۔ سب کے درمیان وہ جس طرح ضبط کیے بیٹھی تھی' اس کا دل ہی جانتا تھا۔ پھر وہ زیادہ دیر ان سب کے درمیان بیٹھ نہیں سکی' حویلی میں اپنے اور ماہم کے مخصوص کمرے میں آ کر بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ شاہ زر شمعون وہ بدتمیز اور اکڑو' جس سے بات کرتے بھی اس کی جان جاتی تھی' چودھری حشمت نے اس سے نکاح طے کر دیا تھا' جس کی پابند نا ہوتے ہوئے بھی وہ کئی ہفتوں سے میلوں دُور اپنے شہر میں پابند بیٹھی تھی۔ اس سے جڑ کر تو اس کی ساری آزادی ہی سلب ہو جانی تھی اور پھر حویلی میں مستقل رہنا..... مٹی' گرد و غبار کی آلودہ فضا میں سانس لینا' اسے سوچتے ہی جھرجھری آ گئی تھی۔

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے' میرے کمرے میں آئیں۔" کچھ دیر بعد اس نے دیا کو میسج کیا۔ یہ اس کا اپنا گھر تو تھا نہیں جو وہ انہیں سب کے بیچ سے اُٹھا کر اکیلے میں بات کر لیتی یا کسی ملازم کے ہاتھ پیغام بھیج کر بلاوا بھیجتی..... اپنا گھر ہوتا تو وہ کہیں بھی بات کا آغاز کر سکتی تھی مگر حویلی میں اور بھی عورتیں تھیں جن کے سامنے وہ بات نہیں کر سکتی تھی۔

"صبر کرو' آتی ہوں۔" دیا کو بھی اس کی ذہنی حالت کا اندازہ تھا لیکن وہ سب کے درمیان سے اُٹھ کر ایک دم سے جانا اچھا خیال نہیں کر رہی تھیں۔ فائزہ اور فریال ان سے شاپنگ کے متعلق باتیں کر رہی تھیں۔

"میری جان پر بنی ہے اور کسی کو پروا ہی نہیں۔" خود ترسی میں گھرتی وہ روہانسی ہوئی۔ اسی وقت دیا اندر داخل ہوئیں اور وہ اکیلی نہیں تھیں' دانائی کا مظاہرہ کرتی وہ چودھری بخت کو بھی ساتھ لے آئی تھیں۔ انہیں شنائیہ چودھری کی بے چینی کی وجہ سمجھ آ گئی تھی۔ وہ اس کے اعتراضات بھی جانتی تھیں' شاید وہ اسے قائل نا کر سکیں' تب ہی بہانے سے چودھری بخت کو بھی ساتھ لے آئی تھیں۔ دیا کو دیکھ کر وہ بے چینی سے ان کی طرف لپکی مگر چودھری بخت کو دیکھ کر کسی قدر سنبھل گئی۔

"کیوں پریشان ہو..... بیٹھ جاؤ سکون سے۔" دیا نے صوفے پر بیٹھنے کے ساتھ اسے بھی پکڑ کے بٹھا لیا تو چودھری بخت بھی سامنے صوفے پر براجمان ہو گئے۔

"اس اچانک فیصلے کو سن کے میری بیٹی پریشان ہو گئی ہے۔ آئے تو ہم یہاں نکاح کی تقریب اٹینڈ کرنے تھے اور ہمیں سرپرائز مل گیا لیکن یہ تو بہت اچھا سرپرائز ہے..... میں بابا جان کے اس فیصلے سے بے حد خوش ہوں۔"

Digitized by Google

چودھری بخت اپنے تاثرات ظاہر کر گئے تو شائیہ چودھری ایک لمحے کو چپ سی رہ گئی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا اپنا اعتراض کن لفظوں میں ان تک پہنچائے۔

''پپا..... میں یہ نکاح نہیں کرنا چاہتی.....'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا تو چودھری بخت کے ماتھے پر لکیریں ابھر آئیں۔

''لیکن کیوں.....؟''

''آپ لوگ جانتے ہیں' مجھے گاؤں کی زندگی سے کتنی اُلجھن ہوتی ہے..... یہاں کی آب و ہوا..... ماحول..... سہولتیں..... میں کن کن چیزوں پر کمپرومائز کروں گی؟'' دیا لمبی سانس بھر کے رہ گئیں' وہی اعتراضات جوان کے علم میں تھیں۔

''یہ اعتراضات تو بے بنیاد ہیں میری نظر میں..... یہ تو ہمارے اپنے ہیں۔ ہمیں تردد کی بھی ضرورت نہیں تمہیں یہاں بیاہتے ہوئے' ورنہ ایسی فیملیز کی لڑکیاں بھی ہیں جو شہری علاقوں سے گاؤں میں' اجنبیوں کے گھر بیاہی جاتی ہیں اور پھر سسرال کا ماحول' رہن سہن تو ہر جگہ کا الگ ہوتا ہے' خواہ شہر میں سسرال ہو یا گاؤں میں۔ تمہارے لیے تو پلس پوائنٹ یہ ہے کہ یہاں تمہارے اپنے ہیں۔ تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔'' اس کے سارے مفروضوں کو چودھری بخت اپنائیت کے لبادے میں لپیٹ کر نفی گردانے لگے تو شائیہ چودھری کو گھبراہٹ ہونے لگی۔

''لیکن پپا کچھ تو مزاج کے حساب سے ہو..... میرے لیے ایڈجسٹ کرنا مشکل ہے..... میں نہیں کر سکوں گی۔ ان وجوہات کے علاوہ لائف پارٹنر کا ہم مزاج ہونا' انڈر اسٹینڈنگ کا ہونا ضروری ہے..... مجھے نہیں لگتا میں ایک حاکم مزاج مرد کے ساتھ خوش رہ سکوں گی۔'' اب کے وہ دل کڑا کر کے بول گئی تو پہلی بار چودھری بخت نا صرف چونکے بلکہ ان کے چہرے سے غصہ بھی جھلکنے لگا۔ انہوں نے ایک خاموش نظر دیا پر ڈالی اور وہ ان شکایتی نظروں کا مفہوم جان کر کچھ شرمندہ سی ہو گئیں۔

''لڑکیوں کو ہر جگہ اور ہر حال میں ایڈجسٹ کرنے کی عادت ہونی چاہیے' رہی بات حاکم مزاج کی تو مرد حاکم ہی اچھا لگتا ہے۔ شاہ زر شمعون میں بے انتہا خوبیاں ہیں' مرد کی غیور طبیعت کی تمہیں ابھی سمجھ نہیں آئے گی' یہ اس کی شان ہوتی ہے اور شاید شہری فضا میں رہنے کے باعث ہماری دی ہوئی آزادی کے باعث ہی آج تم اعتراض اُٹھا رہی ہو۔ بابا جان شاید صحیح کہتے تھے کہ بچیوں کو حویلی کے رنگ میں پروان چڑھاؤ..... تمہارے خیالات جان کر مجھے حقیقتاً دکھ ہوا ہے شائیہ..... میں نے کبھی بیٹا نا ہونے کا غم نہیں کیا..... میرے لیے تم اور ماہم بیٹے سے کم نہیں ہو لیکن آج..... شاہ زر شمعون مرد ہو کر بابا جان کے فیصلے پر چوں نا کر سکا اور تم اعتراض کر رہی ہو۔'' چودھری بخت کو شائیہ چودھری سے ایسی بے وقوفانہ اعتراض کی بالکل اُمید نہیں تھی۔ انہیں خاصا ناگوار گزرا تھا جس کا انہوں نے دُکھ کے ساتھ برملا اظہار بھی کیا۔

''پپا میں آپ کو ہرٹ کرنا نہیں چاہتی لیکن.....'' اس نے مذید کچھ کہنا چاہا مگر چودھری بخت ہاتھ اُٹھا کر اسے خاموش کرا گئے۔

''دیا..... اسے سمجھانا تمہاری ذمہ داری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ بات یہیں ختم ہو جائے ورنہ اپنوں کے آگے بیٹی کے ہاتھوں شرمندہ ہونا میرے لیے مرنے کے برابر ہوگا۔'' چودھری بخت سرد لہجے میں کہتے ہوئے چلے گئے تھے۔ دیا تاسف بھرے انداز میں بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ کتنی بار سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ باپ کو دُکھ پہنچانے کا

ذریعہ بن ہی گئی تھی۔ چودھری بخت کے چلے جانے پر شنائیہ بھی خاموش ہوگئی تھی اور کھڑکی کے پاس سے گزرتا شاہ زر شمعون ان کی باتیں سن کر کھڑا رہنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ شنائیہ چودھری اس سے رشتہ جوڑنا نہیں چاہتی تھی' یہ احساس ہی اسے سلگا گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

''انشراح اور ایشان نہیں لوٹے ابھی تک.....؟'' اسٹائلش کپڑوں میں طرح دار سی شناہ نک سک سے تیار صبہا کے روبرو براجمان تھیں۔ شناہ' صبہا کی چھوٹی بہن تھیں لیکن خود کو سینئر سینئر کر رکھنے میں وہ صبہا سے بھی چار ہاتھ آگے تھیں۔ تب ہی سال' دو سال کا فرق دیکھنے والے کو دس سال کے برابر ظاہر کرتا تھا۔ وہ کہیں سے بھی انشراح کی ماں نہیں لگتی تھیں۔ سب انہیں بڑی بہن ہی سمجھتے تھے اور جب کوئی اس حیرت کا اظہار کرتا تو وہ مزید اپنا خیال رکھ کر اس فرق کا بھرم رکھنے میں جُت جاتی تھیں۔

''میں نے ایشان کو کال کی تھی کہہ رہا تھا دوست کے انکل کو دیکھنے ہاسپٹل گیا ہے..... میں نے کہہ دیا ہے انشراح کو تمہاری طرف ڈراپ نا کرے' یہیں لے آئے کہ تم یہیں ہو۔ دیر تو یہ لوگ واقعی کر رہے ہیں' تمہیں بھوک لگ رہی ہو تو کھانا لگوا دوں؟ جانے یہ لوگ مزید کتنی دیر لگائیں؟''

''آپا..... انتظار کر لیتے ہیں۔ دونوں آنے والے ہوں گے۔'' شناہ نے انکار کر دیا۔

''دیکھ لو' یہ نا ہو' دونوں باہر سے کھا کر آئیں اور ہم انتظار ہی کرتی رہ جائیں۔'' صبہا نے مسکراتے ہوئے کہا تو شناہ بھی مسکرا دی۔

''ہاں یہ بھی ممکن ہے۔ ویسے آپا جب بھی دونوں کو ساتھ دیکھتی ہوں مجھے بڑا سکون ملتا ہے۔ ایشان ساتھ ہوتا ہے تو مجھے انشراح کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ آپ جہانگیر بھائی سے بات کر کے ذرا منگنی کی تاریخ تو طے کر لیں۔ کم از کم بچے انگیج تو ہو جائیں۔'' شناہ نے پسندیدگی کا اظہار کرتے دلی خواہش کا اظہار بھی کر دیا تو صبہا بھی سر ہلانے لگیں۔

''ہاں' میں بھی یہی سوچ رہی ہوں بچوں کو انگیج کر دیا جائے۔ اب خود اس خیال کو عملی جامہ پہناؤں گی۔ بس نکاح کی تقریب سے لوٹ آؤں' کرتی ہوں جہانگیر اور ایشان سے بات۔'' صبہا نے ہامی بھری تو شناہ مطمئن ہوگئیں کہ عرصہ سے دونوں بہنوں نے نسبت طے کر رکھی تھی اپنے تئیں۔

''عیشال اور شاہ زر شمعون کا نکاح ہو رہا ہے ناں؟'' شناہ نے کنفرم کرنا چاہا۔ کچھ دنوں پہلے صبہا نے گاؤں جانے کے متعلق بتانے پر یہ اطلاع دی تھی۔ صبہا کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

''نہیں' وہ تو کینسل ہوگیا' شاہ زر شمعون' عیشال کو بہن سمجھتا ہے اس لیے نکاح کینسل کر دیا گیا۔ اب اس ڈائن کی بیٹی کا نکاح ہو جاتا تو اچھا تھا لیکن یہ بھی اچھا ہے کہ بابا جان اسے خاندان سے باہر پھینک دیں۔ حویلی میں اس کا سایہ نا ملے۔ شاہ سے نسبت کے بعد وہ ساری زندگی حویلی میں ہی رہتی۔ اچھا ہی ہوا جو ہوا۔'' صبہا نفرت سے گویا تھیں۔

''آپ کو کس بات کی فکر ہے' جہانگیر بھائی کون سا اسے اہمیت دیتے ہوں گے۔'' شناہ کا لہجہ بھی کم و بیش بہن کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔

''جہانگیر خود بھی حویلی جانا پسند نہیں کرتے اور میری بھی کوشش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ دن حویلی میں قیام نا کریں' جس طرح میری موجودگی میں عیشال کا وجود دُنیا میں آ گیا' یہ نا ہو کل کو بیٹی کے لیے بھی نفرت محبت میں بدل جائے۔'' صبہا دل کا ڈر بیان کر رہی تھیں۔

Digitized by Google

''مجھے نہیں لگتا..... جہانگیر بھائی کبھی اس بیٹی کو اون کریں گے۔ آپ فکر نہ کیا کریں' وہ آپ کے اسیر ہیں۔ تب ہی تو آپ کو چھوڑ کر کہیں جاتے نہیں۔'' ثناء نے چھیڑتے ہوئے کہا تو صبا باتوں کو جھٹکتی نئی نویلی دلہن کی طرح شرمانے لگیں۔

❁.....❁.....❁

''کرلی تسلی.....؟ لاؤ رپورٹس دو۔ انوشیا نے دیکھ لیا تو مشکل ہوجائے گی' کچھ بعید نہیں شادی نہ کرنے کا شور مچا دے..... آج کال آئی تھی' یسریٰ بہن (انوشا کی ساس) کی کہہ رہی تھیں ایک دو دن میں تاریخ رکھنے آئیں گے وہ لوگ۔'' وہ گھر میں داخل ہوئی تو اس کے مرجھائے چہرے کو دیکھتے ہی منزہ بھانپ گئیں..... توقع کے عین مطابق ناکامی ہی ہوئی تھی۔ اس کا دھیان بٹانے کے لیے منزہ نے انوشا کی سسرالیوں کا تذکرہ کیا۔ اس کے باوجود اس کے وجود میں ہلچل نہ ہوئی۔

''رپورٹس دو' میں انہیں جلا دیتی ہوں..... یہ خیال پہلے آتا تو تم بھی اس حقیقت سے لاعلم رہتیں۔'' منزہ کو افسوس ہوا کہ یہ خیال انہیں پہلے کیوں نہ آیا۔ انہوں نے ماورا یحییٰ کے بیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ اپنا بیگ پیچھے کرگئی۔

''نہیں اماں' میرے پاس رہنے دیں..... میں اسے سنبھال کے رکھ لوں گی۔ انوشا کی نظر بھی نہیں پڑے گی۔''

رپورٹس دینے سے معذوری ظاہر کرتے اس نے رکھوالی کی بھی ذمہ داری لے لی۔

''اسے تعویذ بنا کر رکھنے سے کون سا ثواب ملنا ہے۔'' منزہ کو چڑیں۔

''ابھی اس کی بہت ضرورت پڑے گی..... میں پتا کر کے آئی ہوں..... چودھری بخت اس مرض کے بہت قابل ڈاکٹر ہیں' لیکن وہ آج کل چھٹیوں پر اپنے گاؤں گئے ہوئے ہیں' وہ جیسے ہی آئیں گے میں آپ کو ان کے پاس لے کر جاؤں گی۔ ایسے میں پرانی رپورٹس کا ہونا بہت ضروری ہے۔'' منزہ اپنے تئیں علاج کا باب بند کرگئی تھیں۔ ماورا یحییٰ کے لبوں سے نکلتے لفظوں نے انہیں کئی ثانیے کے لیے ساکت کردیا تھا۔

''ڈاکٹر چودھری بخت..... گاؤں.....'' لب پھڑ پھڑا کے رہ گئے۔

''ڈاکٹرز تک تعریف کررہے تھے چودھری بخت کی..... پھر ایک آنٹی نے بھی گواہی دی کہ بہت شفاء ہے ان کے ہاتھوں میں..... ان شاء اللہ' آپ کو بھی شفاء ملے گی ان کے ہاتھوں۔'' چودھری بخت کی جلدی واپسی کی دعا کرتی وہ پُرامید تھی۔ خود کو کئی بار ریمائنڈ کروا چکی تھی روز ہاسپٹل کال کر کے ان کی واپسی کے متعلق کنفرم کرنا ہے۔

''ہم لینڈ لارڈ گھرانے سے نہیں ہیں ماورا' جو علاج کے نام پہ روپیہ پانی کی طرح بہائیں..... جانتی بھی ہو اس مرض کا علاج کتنا مہنگا ہے۔ جب لاسٹ اسٹیج ڈکلیئر ہے تو لیکر پیٹنے سے فائدہ؟ کوئی ڈاکٹر میری موت کا دن بدل نہیں سکتا۔ بھلے سے کتنا ہی قابل اور تجربہ کار ہو..... میں کسی بھی قیمت میں کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤں گی۔'' منزہ نے قطعیت سے کہا تو ماورا یحییٰ ان کی پھولتی سانس کو دیکھ کر خاموش ہوگئی۔ ان کے ایک دم سے بھڑکنے کی وجہ اسے سمجھ نہیں آئی تھی اور وہ اس کی کسی نہ کسی بات پر ناراض ہوجاتی تھیں۔

اس وقت بھی غصے کا تاثر دیتی منہ موڑ گئیں تو ماورا یحییٰ کو ان پر ترس آنے لگا۔ یقیناً اتنی خوفناک حقیقت نے انہیں چڑچڑا کردیا تھا۔ وہ چھوٹے بچوں کی طرح ذرا ذرا سی باتوں پر غصہ ہونے لگی تھیں۔ ماورا اپنی سی سوچ پر انہیں منانے کی سعی کررہی تھی' اس بات سے قطع نظر کہ وہ جانے انجانے میں ان کے سامنے ماضی کی راکھ اُٹھا کرلے آئی تھی۔ منزہ اس شرط پر بات کرنے پر راضی ہوئی تھی کہ وہ دوبارہ کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جائے گی..... ان کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے اس نے حامی بھی بھرلی تھی۔ اسے چودھری بخت کے لوٹ آنے کا انتظار تھا' وہ لوٹ آتے تو وہ

Digitized by Google

انہیں کسی نہ کسی طرح ہاسپٹل لے ہی جاتی۔
چودھری بخت کی ایک جھلک انہیں بھولی نہیں تھی۔ ان کا سامنا کرنا...... انہیں اپنی بیماری سے آگاہ کرنا انہیں مرنا پسند تھا مگر ان کے سامنے مجبور ولاچار بن کے جانا نامنظور تھا۔

❁......❁......❁

شام کی چائے کے ساتھ سب ہال میں جمع ہو گئے تھے۔ نکاح کا تذکرہ زوروں پر تھا۔ چودھری بخت کی جھاڑ کے بعد دیا سے بھی کافی بخت سست سننے کو ملا تھا۔ اس نکاح کی افادیت اور شاہ زرشمعون کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے دیا گنتی ہی بار اس کی کم عقلی پر ماتم کناں ہو چکی تھیں۔ جب جھنجلا گئیں تو اسے سمجھانے کا کام ماہم کے سپرد کر کے کمرے سے نکل گئیں...... ماہم کی ہر بات بھی بے سود گئی تھی۔ دیا اور چودھری بخت کی تربیت کا اتنا اثر تو تھا کہ وہ کبھی انکار نہیں کر سکتی تھی۔ ماہم نے خوش نظر آنے کا کہا تو وہ جل کے سنا گئی۔
''باہر سب تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں، حلیہ ٹھیک کر کے ہنستے مسکراتے آؤ ذرا جو کسی کو شک ہوا کہ تم بے دلی سے مانی ہو میرا مرا منہ دیکھوگی۔'' دیا کا میسج سیل فون پر موصول ہوا تو وہ سر پر ہاتھ رکھ کے رونی صورت بنا گئی۔
''ساری زندگی آزادی دے کر آخر میں یوں بے زبان جانور کی طرح کھونٹے سے ہی باندھنا تھا تو آزادی کیوں دی؟'' وہ ماہم کے سامنے گلہ کرنے سے نہ چوکی۔
''تم پاگل ہو آپی...... فضول میں خود بھی ٹینشن لے رہی ہو اور مما، پپا کو بھی دے رہی ہو...... ویرے شاہ، بہت اچھے ہیں۔'' ماہم بھی تعریف کر گئی تو وہ منہ بسور گئی۔
دیا کے حکم پر چینج کر کے مسکراہٹ سجا کے آئی تو ہال میں خالصتاً عورتوں کی محفل جمی ہوئی تھی۔ لڑکیاں ڈھولکی لیے رونق لگائے بیٹھی تھیں۔ فریال، فائزہ اور دیا سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ ان کے سامنے زیورات کے ڈبے کھلے ہوئے، کپڑے پھیلے ہوئے تھے۔ زمرد بیگم بھی بہوؤں کے ساتھ آ بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھ کر لڑکیوں نے پاس بلالیا مگر فائزہ کے اشارہ کرنے پر وہ ان کے پاس چلی آئی۔
''دیکھو تو ذرا...... یہ کنگن تمہیں آ بھی رہے ہیں یا نہیں۔'' قریب آنے پر فائزہ نے جھٹ اس کے ہاتھ تھام کر گولڈ کے بیش قیمت کنگن پہنا دیے کوئی اور وقت ہوتا تو وہ کنگن کی خوب صورتی پر بچھ جاتی مگر اس وقت مصنوعی مسکراہٹ ہی سجا سکی۔
اسی گھڑی شاہ زرشمعون ہال میں داخل ہوا۔ اس کی نظر بے ساختہ شنائیہ چودھری پر اٹھیں۔ پنک سوٹ میں ہم رنگ دوپٹہ شانوں پر پھیلائے کالے گھنے بالوں کو ڈھیلے ڈھالے انداز میں کلپ سے جکڑے وہ خود بھی پنک پنک سی ہو رہی تھی۔
''خالصتاً زنانہ محفل میں مخل ہونے پر معذرت چاہتا ہوں۔'' اس کی آواز پر شنائیہ چودھری کی نظریں کنگن پر جم گئی تھیں۔
''یہاں کون سا کوئی غیر عورتیں ہیں بیٹا۔'' دیا نے مسکرا کر اس کی خفت دُور کرنا چاہی...... بلیک شلوار سوٹ میں وہ بلا کا وجیہہ لگ رہا تھا۔ انہوں نے ایک نظر شاہ زرشمعون اور دوسری اپنی ناعاقبت اندیش بیٹی پر ڈالی، جس کا منہ تھوڑا پھولا ہوا تھا...... بھلے ان کی نظروں کی تپش پر وہ بار بار مسکرا رہی تھی۔
''شکریہ چچی جان۔'' وہ مسکرایا۔
''ساسو ماں کہنے کی عادت ڈال لو...... ورنہ چچی جان پر مجھے مغالطہ ہونے لگا ہے۔'' فریال نے چھیڑا تو باقی

Digitized by Google

سب مسکرادیے' ضبط کی کوشش میں اس کے چہرے کی سرخی بڑھ گئی۔ غیر دانستہ نگاہ شنائیہ چودھری پر اُٹھ گئیں...... جس کی نظریں کنگن پر ہی تھیں۔

''کوشش کروں گا حکم بجالاؤں چچی جان لیکن برسوں کی عادت لمحوں میں تو نہیں جاسکے گی۔'' وہ بھی جواباً جملہ داغ گیا تو سب کو کسی قدر حیرت ہوئی۔

''اوہو تبدیلی......'' فریال ہی چھیڑ گئیں تو وہ لب دبا کر مسکرادیا۔ جلدی سے مطلب کی بات پہ آیا ورنہ فریال اصل کام بھلادیتیں۔

''چچی جان' سمہان کے کمرے سے کچھ ضروری کاغذات لینے ہیں۔ وہ حویلی میں ہے نہیں......اسے کال کرنے کی کئی بار کوشش کی مگر شاید سگنل ایشو ہے' نیٹ ورک نہیں مل رہا۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس کے کمرے سے کاغذات لے لوں؟'' وہ بہت ادب سے سوال کررہا تھا۔ دیا تو اس تمیز اور انداز پر نہال ہی ہوگئیں۔

''کیسی بات کررہے ہو شاہ...... تمہارے بھائی کا کمرہ ہے' بلا اجازت جاسکتے ہو......اس میں مجھ سے یا سمہان سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔'' فریال نے حیرت کے ساتھ مان بھرے انداز سے کہا تو وہ سر ہلا گیا۔

عیشال بظاہر ان سب کا ساتھ ڈھولکی بجانے میں دے رہی تھی' بظاہر وہ اس سے ناراض تھی مگر نظریں اسے ہی ڈھونڈ رہی تھیں جو کافی دیر سے نظر نہیں آرہا تھا۔ طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی اس کی اور اب حویلی میں نہیں ہے' سن کر اس کا منہ بن گیا۔

''کون سے خزانے دفن ہیں' حویلی سے باہر جو یہ شخص حویلی سے باہر بھاگتا ہے۔'' وہ جل ہی تو گئی......پھر اس کا دل وہاں نہ لگا تو وہ اُٹھ گئی۔

فریال کی اجازت کے بعد وہ سمہان آفندی کے خواب گاہ میں داخل ہوا۔ سمہان آفندی سے بات ہوجاتی تو وہ آسانی سے پیپرز کے متعلق پوچھ لیتا لیکن نیٹ ورک کی وجہ سے پراسیکنڈز کے کام میں گھنٹوں لگنے تھے۔ اس کے کمرے کی ایک ایک دراز چیک کرنے کے بعد وہ ریک کی طرف آیا۔ دُنیا جہاں کی کتابوں کے ذخیرے اس نے جمع کرر کھے تھے۔ وہ کتابوں سے نیچے بنے دراز کھنگال رہا تھا۔ مختلف فائلز کی ورق گردانی کرتے بالآخر اسے مطلوبہ فائل مل ہی گئی تو شکر کا سانس لیتے' باقی ساری چیزوں کو سلیقے سے رکھتے وہ لحہ بھر کو چونکا۔ اسے اپنی نظر پر دھوکے کا گمان ہونے لگا اور اسی شک کو دُور کرنے اس نے دراز سے وہ چیز نکال لی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ حیرت تھی۔

❀......❀......❀

کچھ چہرے یادوں پر اتنے اَنمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں کہ سالوں کی پڑی گرد بھی بس ایک پھونک کی منتظر ہوتی ہے اور سب کچھ پہلے کی طرح واضح ہوجاتا ہے۔ چودھری جہانگیر ریوالونگ چیئر پر جھولتے ماضی کی بھول بھلیوں میں گم تھے۔ اسی اثناء میں ان کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ اپنی تنہائی میں مخل ہونے والے اس فون کو انہوں نے ناگواری سے گھورا۔ اس وقت وہ کسی سے بھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ بجتے ہوئے سیل فون نے سارا سحر توڑ دیا تھا۔ ناگواری سے فون اٹھا کر چیک کیا۔ چودھری حشمت کا نمبر دیکھ کر فوراً ہی کال پک کی۔

''السلام علیکم بابا جان۔'' خود کو پوشیدہ رکھنے میں انہیں کمال حاصل تھا۔ وہ معمول کے لب و لہجے میں گویا ہوئے۔

''والسلام! ہم نے معلومات لینے کے لیے کال کی ہے کہ تم آرہے ہو ناں...... بیٹے نہ ہو عیشال کا نکاح کینسل

Digitized by Google

ہونے کی خبر سن کر تم آنے کا ارادہ ہی ملتوی کردو۔" چودھری حشمت نے خدشہ ظاہر کیا اور جب چودھری جہانگیر نے بولنا شروع کیا تو ان کے خدشوں کی تصدیق ہوگئی۔

"بابا جان عیشال کا نکاح کینسل ہونے کا سن کر میں پہلے ہی اَپ سیٹ ہوں۔ میں صرف خانہ پُری کی نیت سے آرہا تھا لیکن جب نکاح نہیں ہورہا تو کیا میرا آنا ضروری ہے؟" وہ ناگواری کا اظہار کر گئے۔ عیشال کا نکاح شاہ زر شمعون سے نہیں ہورہا۔ چودھری حشمت نے صبح ہی انہیں یہ مژدہ سنایا تھا' جسے سن کر وہ سخت بدمزا ہوگئے تھے۔

"کیسی بات کررہے ہو جہانگیر..... ہم تمہیں اس فیصلے میں ترمیم کی توجیہ بھی بتا چکے ہیں' اسی باعث شاہ کا نکاح شنائیہ سے ہونے جارہا ہے۔ تمہارے دونوں بڑے بھائیوں کی اولاد کا رشتہ ہونے جارہا ہے۔ مانا فیروز گاؤں میں ہوتا ہے لیکن بخت سے تو تمہارا شہر میں بھی واسطہ رہتا ہے۔ بھائیوں کی ہی خاطر آجاؤ..... حویلی کی پہلی خوشی ہے۔" چودھری حشمت نے ناگواری کا اظہار کیا تو وہ کئی ثانیے چپ رہے۔

"جی میں کوشش کرتا ہوں لیکن بابا جان آپ جلد سے جلد عیشال کا رشتہ پہلی فرصت میں طے کریں اور میری ریکویسٹ ہے آپ سے کہ اس کے لیے لڑکا باہر ہی دیکھیں..... اس کے رنگ' ڈھنگ حویلی کے لیے مناسب نہیں....." ہامی بھرتے ہوئے وہ راہ بھی دکھا گئے۔

"ہم بھی یہی محسوس کررہے ہیں۔ شاہ زر شمعون سے نکاح نہ ہونا' یہ بھی حکم ایزدی ہے۔ اس میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی۔ بہرحال عیشال کی پرورش ہم نے کی ہے۔ ہم ہی اس کے لیے کوئی بہترین لڑکا دیکھیں گے..... تم کیوں فکر کررہے ہو؟ پہلے کب تمہیں اس کے حوالے سے ہم نے زحمت دی ہے' جو آگے دیں گے۔" چودھری حشمت کو ان کی شادی کی بات اچنبھے میں ڈال رہی تھی۔

"میں مانوں نہ مانوں' بیٹی تو میری ہی ہے' ماضی میں بھی حویلی میں جتنے تماشے ہوئے صائقہ کی وجہ سے ہوئے۔ اب مزید تماشا عیشال کرے گی تو مجھے گوارا نہیں ہوگا۔" چودھری حشمت اختلاف کا پہلو تو رکھتے تھے مگر اس کے باوجود وہ بولنے سے اجتناب کر گئے کہ بات پھر طویل ہوجاتی اور وہ جانے انجانے میں بیٹے کے زخم ادھیڑ ڈالتے۔ اسی سوچ کے پیش نظر انہوں نے بحث کو طول دینا مناسب نہ جانا۔

"عیشال ہماری ذمہ داری ہے..... تم اس کی فکر نہ کرو' ہمیں اپنی ذمہ داری نبھانا آتی ہے۔ شاہ کے نکاح سے فارغ ہوتے ہی ہم جلد ہی کچھ کرتے ہیں۔" چودھری حشمت کے یقین دلانے پر مطمئن ہوتے وہ حویلی آنے کی حامی بھر گئے تو چند ایک باتوں کے بعد چودھری حشمت نے بھی فون بند کردیا' مگر حویلی سے جڑا سرا ایک بار پھر ان کے زخم ہرے کر گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

وقت بے کیف گزر رہا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد معمول کی گہما گہمی تھی۔ نکاح سے متعلق باتیں اور زیورات و کپڑے زیر بحث تھے۔ ان سب سے اکتا کر وہ چھت کی طرف آ گئی اور اپنی ہی طرح اس ماحول سے بے زار ندا اسے چھت کی سیڑھیوں پر مل گئی تھی۔

"یہاں کیا کررہی ہیں ندا آپی؟" بوریت دُور کرنے کے لیے اس کے پاس بیٹھ گئی۔ یہ نوٹس کیے بنا کہ ندا کا سیل فون روشن ہوا تھا اور وہ کسی قدر گڑبڑا کر گود میں دھری کتاب سامنے کر گئی تھی۔

"تمہاری طرح میں بھی ان باتوں سے بور ہوتی ہوں..... سو پڑھنے کے ارادے سے آ گئی تھی۔" ندا نے سنبھلتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

Digitized by Google

ایک اس شخص کے نہ ہونے سے اسے حویلی سے جیسے چڑ سی ہونے لگتی تھی۔ سارا دن مختلف حیلے بہانوں سے کتنے ہی لوگوں نے اس کا نام لیا تھا۔ سمہان ہوتا تو ابھی یہ کام ہو جاتا..... سمہان آئے تو وہ کام کرے۔ وہ سر جھٹک کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ندا آپی' جب سے آپ کی شادی کی بات شروع ہوئی ہے' آپ بہت اداس نظر آ رہی ہیں؟'' اس کے سوال پر ندا چونکی' پھر سنبھل گئی۔

''نہیں تو..... تمہارا وہم ہوگا۔'' جھٹلانا چاہا۔

''آپ انکل ٹائپ شوہر قبول کر لیں گی؟'' وہ بغور ندا کو دیکھ رہی تھی۔ ندا بے ساختہ سر جھکا گئی۔

''کرنا پڑے گا۔ بڑوں کا حکم جو ہے۔'' جھکے سر کے ساتھ دھیمی آواز نکلی۔

''اُف..... میں آپ کی جگہ ہوتی تو کبھی نہ کرتی۔'' عیشال جہانگیر نے اپنے دل کی بات کی اور حقیقتاً بھی ایسا ہی تھا وہ تو شاہ زر شمعون کے لیے راضی نہیں تھی۔

''اللہ نہ کرے' تم کبھی میری جگہ ہو۔'' ندا نے دہل کے کہا تو وہ منہ بنانے لگی۔

''تم کیوں اتنی بے زار لگ رہی ہو؟'' خود پر سے توجہ ہٹانے کو ندا نے سوال کیا۔

''پتہ نہیں۔'' وہ بے زاری سے کہہ گئی۔

''کہیں میری بھابی نہ بننے کا غم تو نہیں ستا رہا ناں؟'' ندا نے چھیڑا تو وہ ہاتھ جوڑ گئی۔

''توبہ کریں' جو خیالات ویرے کے ہیں' وہی میرے..... سگے بھائی جتنی عزت کرتی ہوں ان کی..... واجان نے تو کہرام ہی مچا دیا تھا فیصلہ سنا کے..... شکر ہے ویرے نے فیصلے میں ترمیم کروا دی۔''

''پھر تو تمہیں خوش ہونا چاہیے۔'' ندا نے یہ سب جان کے سکون محسوس کیا۔ ورنہ سب کے ہی دل میں کہیں نہ کہیں یہ خیال تھا کہ یہ سوچ تو شاہ کی تھی۔ مبادا فیصلے کی تبدیلی پر عیشال ہرٹ ہوئی ہو۔

''حویلی میں میرا دل نہیں لگتا..... کالج سے واپس لوٹنے کو دل نہیں کرتا..... آپ جانتی ہیں حویلی میں میری بات آپ' تائی' چچی جان' دی جان اور سمہان کے علاوہ کسی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ سب کے اپنے شوق' فیشن' میگزین' ڈرامے.....''

''باقی سب تو حویلی میں ہی ہیں' جن کے نام تم نے لیے..... علاوہ سمہان کے..... کہیں سب کے ساتھ تم بھی تو اسے مس نہیں کر رہیں.....؟'' ندا نے ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''توبہ کریں' وہ ملک الموت مس کرنے کی چیز ہے۔'' وہ بدک کر کہہ گئی۔ ندا پر اپنی دلی کیفیت ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''ہر وقت تو اس کے کان کھاتی رہتی ہو' جہاں دیکھتی ہو' بے چارے کی شامت بلا لیتی ہو۔'' ندا نے جیسے کچھ اُگلوانا چاہا مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

''وہ ہے ہی اسی لائق۔ خود لڑاکا طیارہ ہے..... چپ بھی رہوں تو کوئی نہ کوئی بات کر کے غصہ دلاتا ہے۔ اسے بس میری جان جلانے کا شوق ہے۔'' اس نے ہوا میں ہاتھ نچا کر کہا۔

اسی وقت پیچھے سے ان دونوں کے نام کی پکار پڑی۔ ندا جو اس کے چہرے پر غور کر رہی تھی' چونک کر اسے بھی نیچے چلنے کا کہنے لگی۔ روم میں بھی آ کر بے زاری کا زور نہ ٹوٹا تو وہ ادھر ادھر چکر لگانے لگی۔

''دن کا نکلا ہوا ہے۔ اب تو رات بھی گہری ہونے لگی ہے۔ اب تک تو آ جانا چاہیے اسے' پتہ نہیں آج آئے گا

بھی یا نہیں۔" بیزاری سے بڑبڑا کر اس کا نمبر ملاتی وہ یک فراموش کر گئی کہ اس سے سخت ناراض تھی۔
"الہ دین کا جن قبضے میں ہے تمہارے۔ ہر کام میں ایفی شینسی....." جھٹ کال ریسیو کرنے پر وہ ساری ناراضگی بھول کے خبر لینے لگی۔
"سیل فون ہاتھ میں تھا..... تمہاری کال آئی تو ریسیو کر لی۔"
"آن ڈرائیو بلیو ٹوتھ یوز کرتے شرم آتی ہے۔" وقفے وقفے سے سنائی دیتے ہارن پر چڑ کے بولی تو وہ ہنس دیا۔
"او کے جی آئندہ سے فرمائش پوری کرنے کی کوشش کروں گا..... مزید میرے لائق کوئی حکم؟" سرخم کرتے وہ تشویش سے حویلی کا احوال دریافت کرنے لگا تو اس کا دل چاہا کہ سیل فون اس کے سر پر دے مارے۔ اس کا حال پوچھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔
"ہاں آپ کے ہجر میں حویلی والے آٹھ آٹھ آنسو رو رہے ہیں۔ سب کے کام رُکے ہوئے ہیں۔" جل کے کہہ گئی تو اس کا قہقہہ بکھر گیا۔
"اور آپ نے غالباً مجھے میری اوقات یاد دلانے کے لیے کال کی ہے۔" وہ گزشتہ جھڑپوں کے تناظر میں چھیڑنے لگا۔
"ہونہہ....." وہ سر جھٹک گئی۔ "زیادہ ہیرو بننے کی کوشش مت کرو۔ میں نے کام کے سلسلے میں کال کی ہے ورنہ میں اپنی ناراضگی بھولی نہیں ہوں اب تک۔" نروٹھے لہجے میں صاف جتا گئی تو وہ اس لڑکی کے پل میں تولہ پل میں ماشہ والے لہجے پر بھرپور طریقے سے مسکرا دیا۔
"ہاں جی مطلبی لوگ ہیں..... کام پر ہماری یاد آتی ہے۔" لہجہ دُکھی کر گیا۔
"پھر تو حویلی کے سارے لوگ مطلبی ہوئے جو تمہیں کام کے لیے یاد کر رہے ہیں۔" اس نے بھی فوراً بدلہ اتارا۔
"اپنوں کے لیے جان بھی حاضر ہے حکم کریں محترمہ۔"
"میرا نام عیشال ہے محترمہ وحترمہ نہ بولو مجھے۔" وہ چڑ گئی۔ اسٹیئرنگ پر ہاتھ کو گردش دیتے مسکرا دیا۔
"مجھے آئس کریم کھانی ہے مگر آئس کریم ہے نہیں۔" سمہان آفندی نے اسٹیئرنگ پر موجود بائیں ہاتھ کی کلائی کو نظر کے سامنے کیا۔ اس بے تکی بات پر رات کے دو بجے کوئی بھی سر پیٹ لیتا۔ مگر سننے والا سمہان آفندی اور کہنے والی عیشال جہانگیر تھی جس سے وہ ہر بات کی توقع ہر وقت رکھتا تھا۔
"لیکن میں تو حویلی میں نہیں ہوں۔ دو ڈھائی گھنٹے لگ جائیں گے پہنچنے میں۔" اس نے جیسے اپنی مجبوری بتائی۔
"پتہ ہے لیکن مجھے آج کی تاریخ میں آئس کریم چاہیے ورنہ مجھے نیند نہیں آئے گی۔" وہ بضد ہوئی۔
"کسی ملازم کو بھیج کے منگوا لو۔" اس نے جیسے راہ دکھائی۔
"سب اپنے کوارٹرز میں سونے جا چکے ہیں اور میں روم سے نکلنے والی نہیں..... داجان نے مجھے پھر سے بے وقت کمرے سے باہر دیکھ لیا تو جانے اب کیا سزا منتخب کریں اور ابھی میرا ایسا کوئی موڈ نہیں۔ اللہ اللہ کر کے تو جان چھوٹی ہے..... تم منگوا کے دو۔ میں کسی سے نہیں کہہ رہی۔" وہ اپنی بات کہہ کر کال کاٹ گئی تھی۔

❀.....❀.....❀

وہ غنودگی میں چلا گیا تھا لیکن سیل فون کی بجتی دھیمی رنگ ٹون سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وقت کا تعین کر کے اس نے سیل فون اٹھا کر اسکرین پر شناسا چودھری کالنگ دیکھی تو اسے اتنی رات گئے غیر متوقع کال پر بے حد حیرانی ہوئی۔ پہلے تو اگنور کرتا رہا مگر اس خیال سے ریسیو کر گیا کہ جانے وہ کیا کہنے کے لیے کال ملا رہی ہے۔

''ایسی کون سی ایمرجنسی ہوگئی جو آپ سے صبح کا انتظار نہ ہوا اور ایک حویلی میں رہتے کال کی نوبت آ گئی۔'' شاہ زر شمعون کی خوابیدہ اور مخمور آواز سن کر وہ لمحے بھر کو چپ سی ہوگئی۔

''جو بات کرنی ہے وہ نہ دن کی روشنی میں ممکن ہے' نہ سب کے سامنے۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی تو اس کی نظر بے ساختہ وال کلاک پر اُٹھ گئیں۔ ڈھائی بجے کا وقت تھا' جانے کیا خاص بات کرنی تھی محترمہ کو۔

''کیا بات ہے؟'' وہ منتظر ہوا۔

''میں آپ سے نکاح نہیں کرنا چاہتی' آپ داجان کو انکار کر دیں۔'' آرام سے کہہ گئی تو غصے کے ساتھ اسے خود پر افسوس بھی ہونے لگا۔ ایسے کون سے کانٹے لگے تھے اس میں کہ ہر لڑکی نکاح سے انکاری تھی۔ پہلے عیشال کو کہ وہ خود اس کے لیے الگ نظریہ رکھتا تھا اور اب یہ۔

''نکاح آپ کرنا نہیں چاہتیں..... آپ کریں انکار داجان کو..... میں کیوں کروں؟'' اس کے انکار پر شنائیہ چودھری ایک لمحے کو سن سی ہوگئی۔

''وہ..... عیشال کے معاملے میں بھی تو آپ نے کیا ناں..... ایک بار اور.....'' وہ گڑبڑائی۔

''محترمہ' عیشال والا معاملہ الگ تھا..... میں داجان کی ہر بات کو حرفِ آخر سمجھتا ہوں' تب ہی آپ سے نکاح کا سن کر بھی چپ رہا' اگر آپ کو اعتراض ہے تو شوق سے انکار کریں تاکہ میں بھی احمقوں کی ملکہ سے نجات حاصل کرلوں۔'' وہ جل ہی تو گیا تھا۔

''تو آپ انکار نہیں کریں گے۔'' احمقوں کی ملکہ کا خطاب سن کر شنائیہ چودھری غصے میں مبتلا ہوئی لیکن لہجہ نرم ہی رکھا۔

''اگر آدھی رات کو آپ نے صرف یہی کنفرم کرنے کے لیے کال کی ہے تو میری طرف سے بہت بڑا انکار ہے۔'' وہ کمالِ سکون سے گویا ہوا تو شنائیہ چودھری اس انکار پر جل گئی۔

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں آپ کو پسند نہیں کرتی اور خود کہہ رہی ہوں آپ سے نکاح کرنا نہیں چاہتی' اس کے باوجود آپ انکار نہیں کریں گے؟ امیزنگ..... مجھے تو لگا تھا آپ میں سیلف ریسپکٹ اور ایگو اوروں سے کہیں زیادہ ہے۔'' اس کے استہزائیہ انداز اور اس درجہ بدزبانی پر شاہ زر شمعون کے چہرے پر سرخی سی پھیل گئی تھی۔

''محترمہ' مجھے ایگو اور سیلف ریسپکٹ آپ جیسی چھوٹی ذہنیت والوں کو دکھانے کا قطعاً شوق نہیں' جو اپنے فیصلے کے خلاف آواز اُٹھانے کا دم نہ ہوتے دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے کے قائل ہیں۔'' اس نے بھی ادھار نہ رکھا' مگر ضبط کی کوشش میں بھی خون کی گردش تیز ہوگئی تھی۔ ''جب چچی اور چچا جان کے آگے دال نہ گلی تو آپ کو میں ہی قربانی کا بکرا نظر آنے لگا..... پہلے خونی رشتوں کو قائل کرنے کی کوشش تو کریں..... بھرم تو رکھیں' ماں باپ کی عزت کا' پھر بڑی بڑی باتیں کیجیے گا۔'' شاہ زر شمعون کو اس پر بہت غصہ آیا۔

''میرے والدین کی آنکھوں میں آپ کی نادیدہ خوبیوں کی پٹی جو بندھی ہوئی ہے' کیسے اتاروں؟'' اس نے بھی جواباً گولے داغے تو وہ سلگ اُٹھا۔

''محترمہ' آپ کو جو کہنا ہے' خود کہیں..... مجھے زیادہ تنگ نہ کریں اور یہ ہی آپ کے حق میں بہتر ہوگا ورنہ ایسا نہ ہو اس حویلی میں آج آپ کی زندگی کی آخری رات ہو۔'' غیض و غضب سے وہ دھاڑا۔

بظاہر خود کو مضبوط ظاہر کرتی وہ ایک پل کو ڈر ہی گئی مگر کمرے کو لاک دیکھ کر کسی قدر تقویت ملی۔ ماہم بھی سو رہی تھی۔ اس کی موجودگی بھی غنیمت تھی۔ تب ہی وہ دبی آواز میں گفتگو کر رہی تھی۔

Digitized by Google

''یعنی آپ انکار نہیں کریں گے..... یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں آپ کو نہیں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اور اُسی سے شادی کروں گی..... کیسے مرد ہیں آپ؟'' یہ جملے اس کی غیرت پر زبردست تازیانہ تھے اور یہ انکشاف کے وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے' اسے حیرت زدہ کر گیا تھا۔

''میں اُن مردوں میں سے نہیں ہوں جو نام نہاد مردانگی دکھانے کو ہر دم تیار رہتے ہیں..... اچھا ہوا جو آپ نے بتا دیا کہ آپ کسی اور کو پسند کرتی ہیں۔ مزا تو اب آئے گا..... بلائیں اپنے چاہنے والے کو مقابلہ مرد سے ہو تو بات بھی ہے' آپ جیسی کمزور عورت کو دکھا کے کیا فائدہ' داجان نے آپ کو میرے نام سے منسوب کر دیا ہے اور اب یہ میری غیرت کا امتحان ہوگا کہ میں خود سے منسوب لڑکی کو کسی اور کے لیے چھوڑ دوں..... جائیں محترمہ بلائیں اپنے نام نہاد عاشق کو یا پھر مجھے اس کا نمبر دو' میں خود اس کا وجود مٹا کر آپ کو بتاؤں گا کہ غیرت مند مرد اپنی ہونے والی بیوی کی عزت کیسے رکھتا ہے۔'' شنائیہ چودھری نے جب دیکھا کہ وہ بات نہیں مان رہا تو اس نے یوں ہی پسندیدگی کا شوشہ چھوڑا مگر جواباً وہ جتنے بڑے بڑے دعوے کر رہا تھا' اسے سن کر اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تو اس نے جھٹ کال ڈسکنکٹ کر دی تھی۔

❁.....❁.....❁

''بڑا بنتا ہے' ایک آئس کریم منگوا کر نہیں دے سکتا۔'' اسے کال کیے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اب تو آس بھی دم توڑ چکی تھی لیکن ابھی تک کوئی بھی ملازم حویلی سے باہر جاتا اسے نظر نہیں آیا تھا۔ وہ کمرے میں دائیں بائیں چکر لگا کر اپنا غصہ ضبط کرنے میں ناکام ہوئی تو بالکنی میں آ کر سمہان آفندی کی راہ دیکھنے لگی۔

''سارے زمانے کے کام ہو جاتے ہیں' بس ایک آئسکریم نہیں آئی ابھی تک میرے لیے..... آئے ذرا۔'' چلتے ہوئے وہ تیز آواز میں بڑبڑا رہی تھی۔

''آ گیا..... توڑ دو ٹانگیں۔'' جانی پہچانی آواز پر اس نے سرعت سے گردن موڑ کر میڑھیوں کی جانب دیکھا' وہ اوپر آ رہا تھا۔ وائٹ جینز' ٹی شرٹ پر بلیو شارٹ جیکٹ پہنے وہ اسے مبہوت کر گیا' وہ اتنی متحیر ہوئی کہ بے اختیاری میں چند قدم طے کر کے رُک گئی۔

''تم.....!'' چہرے پر خوش گوار حیرت کے رنگ سمہان آفندی کی ساری تھکن زائل کر گئے تھے۔

''یقین کر لو' میں ہی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر کہتے ہوئے آئسکریم کا شاپر اس کی جانب بڑھایا۔

''یہ رہی تمہاری آئسکریم۔'' عیشال بے یقینی سے کبھی سمہان آفندی کو تو کبھی اس کے ہاتھ میں موجود شاپر کو دیکھ رہی تھی۔

''تمہاری کال آئی تو راستے میں تھا۔ ملازم کو کال کی لیکن کسی نے پک نہیں کی تو دو گھنٹے کا سفر ایک گھنٹے میں طے کرنا پڑا..... جانتا تھا' آئسکریم کے غم میں تمہارا غصہ آسمان کو چھو رہا ہوگا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ اس کی بے یقین صورت لطف دے گئی تھی۔

''آئسکریم پگھل جائے گی۔'' اس کے چہرے سے نظر ہٹا کر سمہان آفندی نے اس کی توجہ اس طرف دلائی اور پلٹ کر اپنے کمرے میں جانے لگا۔

''سمہان.....'' پکار بے ساختہ تھی۔

''حکم.....'' اعصابی تھکن کے باوجود وہ تر و تازہ لگ رہا تھا۔

''تھینک یو.....'' وہ ہولے سے بولی۔

Digitized by Google

''آل ویز ویلکم میم۔'' وہ مسکرا دیا۔ اس کا اتنا نارمل انداز اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا اور اگلے ہی لمحے اس نے اپنے انداز کی نفی سنی تو اسے سکون ملا۔

''اور ہاں' آئسکریم لا کر دی ہے تو اس کا مطلب صلح ہرگز نہیں..... میں اب بھی تم سے سخت ناراض ہوں۔'' وہ نخوت سے ناک پھلا گئی تو وہ ہنس دیا۔

''تم جیسی لڑکی کو مجھ سے بہتر کون جانتا ہے' جب تک سزا نہیں دو گی' تمہیں چین کہاں آئے گا خیر..... ہم بھی جان کی بازی لگائے گھومتے ہیں۔ جب چاہیے ہو بتا دینا۔''

''اگر لفظوں سے کوئی جنگ جیتی جاتی تو تمہیں ضرور بھیجتی اس محاذ پر۔'' وہ پتلیاں سیکڑ کا بولی۔

''جسم تھکا ہوا ہے' زبان کو نہ تھکاؤ..... جاؤ آرام کرو جا کر۔ صبح کے لیے سب نے تمہارے نام بہت سے کام پینڈنگ میں رکھے ہوئے ہیں..... اللہ کا غضب اور کوئی حویلی میں اس قابل ہے ہی نہیں جیسے.....'' فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے وہ نخوت سے گھورنے لگی تو وہ ہنس دیا۔

''کم از کم تعریف میں تو تنقید کا تڑکا نہ لگایا کرو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''تعریف' ہونہہ..... آپ جا سکتے ہیں..... آئسکریم بننے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔'' اس کی بات پر وہ مسکرا کر نفی میں سر ہلاتا آگے بڑھ گیا۔ وہ اسے راہداری میں گم ہوتے دیکھنے لگی۔

❁.....❁.....❁

میڈیکل رپورٹس کو کافی دیر دیکھنے کے بعد اس کے آنسو بہنے لگے تھے۔ یونیورسٹی جانے کو بھی دل نہیں کر رہا تھا۔ ہر گھڑی منزہ کی فکر ستانے لگی تھی۔ منزہ اس کی اتری صورت دیکھ کر زبردستی یونیورسٹی بھیج رہی تھیں تاکہ اس کی سوچ منتشر ہو مگر یونیورسٹی آ کر بھی اس کی سوچ منزہ کے گرد ہی گردش کرتی رہی تھی۔ ہاسپٹل کے نمبر پر کال کر کے وہ ڈاکٹر نجت کے لوٹ آنے کی دعا کر رہی تھی مگر ہاسپٹل سے ان کی واپسی کی کوئی خبر نہ ملی تو وہ رپورٹس کو دیکھتے آنسو بہانے لگی۔ ہر گزرتا دن منزہ کی سانسیں کم کر رہا تھا اور یہ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ یونیورسٹی میں رپورٹس کو دیکھتی آنسو بہا رہی تھی۔ کینٹین کی طرف جاتے ایشان جاہ نے اس کے عمل کو بے حد حیرانگی سے دیکھا' منزہ کے دکھ نے اسے آس پاس سے بے خبر کر دیا تھا۔ یک دم اس کا جی اُچاٹ ہونے لگا تو اگلی کلاس لینے کا ارادہ ترک کر کے رپورٹ کو بیگ میں رکھ کر آنسو ہتھیلیوں سے صاف کرتی وہ گھر جانے کے ارادے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ماورا.....'' وہ رک کر حیرت سے ایشان جاہ کو دیکھنے لگی۔ اسے اپنی سماعت کا دھوکا لگا۔

''کوئی بڑی پرابلم ہے' آپ کے ساتھ؟'' اس کے سوال پر ماورا یحییٰ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے۔

''کل آپ کو ہاسپٹل میں دیکھا تھا..... آج بھی آپ رپورٹس کو دیکھ کر رو رہی تھیں..... ہاسپٹل میں آپ کسی ڈاکٹر کے متعلق بھی کنفرم کر رہی تھیں..... مجھے بتا دیں کس ڈاکٹر کی ضرورت ہے آپ کو..... بی کاز اس ہاسپٹل میں میرے چچا اور چچی جان ڈاکٹر ہیں' سوان کے ریفرنس سے آپ کا کام آسان ہو جائے گا۔'' پہلے پہل تو ماورا یحییٰ کو یقین ہی نہ آیا کہ ایشان جاہ سامنے کھڑا یہ سب کہہ رہا ہے اور جب وہ اپنی پوری بات کر چکا تو اس کے لب ناگواری سے بھنچ گئے۔

''مجھے آپ کے ریفرنس کی قطعاً ضرورت نہیں' میں خود کر لوں گی جو کرنا ہے اور برائے مہربانی آئندہ میرے سامنے جنٹلمین بننے کا ڈرامہ مت کیجیے گا میں لوگوں کو پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کرتی۔'' ہر لفظ پر زور دیتی اس پر ایک

سرد سی نظر ڈالی۔

''معافی چاہتا ہوں..... انسانیت کے ناتے مجبور ہو کر آپ سے پوچھ بیٹھا لیکن افسوس' آپ انسانیت کے بھی لائق نہیں ہیں۔'' ایشان جاہ کو اس سے ایسے ردعمل کی امید نہیں تھی۔ یہ سچ تھا کہ وہ ساری مقابلے بازی فراموش کر کے اس کی مدد کرنا چاہ رہا تھا مگر ماورا یحییٰ کے انداز نے اسے جھلسا دیا تھا۔

''مفاد پرست جاگیرداروں کے منہ سے انسان اور انسانیت کی باتیں زیب نہیں دیتیں..... دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے ہر گھڑی تیار لوگ' اپنائیت کا ڈھونگ رچاتے کب پیروں تلے زمین کھینچ لیں کیا پتہ.....'' وہ طنزیہ مسکرائی' ایشان جاہ کے چہرے سے غصہ جھلکنے لگا تھا۔

''دوری بنائے رکھیں مجھ سے' پھر کبھی میرے سامنے ہیرو بننے کی کوشش مت کیجیے گا۔'' اس کے آنسو دیکھ کر جو ہمدردی تھوڑی دیر پہلے وجود میں آئی تھی' اب اس کی جگہ غصے اور افسوس نے لے لی تھی' جو ماورا یحییٰ کے لیے آنے والے دنوں میں یقیناً اچھی خبر لے کر آنے والی ہرگز نہیں تھی۔

❁.....❁.....❁

حسب عادت وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آ رہا تھا جوتوں کی دھمک پر شاہ زر شمعون نے پیچھے مڑ کر دیکھا' بلیک شرٹ' گرے جینز میں خوشبوؤں میں بسا سمہان آفندی تھا۔

''گڈ مارننگ برو۔'' وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

''گڈ مارننگ۔'' دھیمی آواز میں سر کے اشارے سے جواب دیا۔

''ناراض ہو؟'' سمہان آفندی کے لیے اس کا ٹھنڈا رویہ حیران کن تھا۔ ''کوئی مسئلہ ہے برو؟'' اسے اس کے انداز کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ حویلی کے ایک ایک بندے کا مزاج آشنا تھا۔

''الحمدللہ! سب ٹھیک ہے..... کل تو نے مجھے نظر انداز کیا تھا' آج میں کر رہا ہوں۔'' بنا پہیلیاں بجھوائے شاہ زر شمعون نے واضح انداز میں جتایا۔

''میں نے کب نظر انداز کیا..... اور کیوں کروں گا؟'' اس گلہ پر وہ اچنبھے کا شکار ہو کر الٹا اسی سے استفسار کرنے لگا۔

''یہ تو اپنے آپ سے پوچھ۔'' شاہ زر شمعون کا انداز نروٹھا تھا۔

''ٹرسٹ می برو..... میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں..... جان دینے کی حد تک محبت ہے تم سے' تمہیں کبھی نظر انداز کر ہی نہیں سکتا..... پھر بھی انجانے میں کچھ برا لگا تو معاف کر دو' چھوٹے بھائی کو۔'' یہ سچ تھا کہ شاہ زر شمعون کی عزت گزشتہ واقعے کے بعد اس کی نظر میں دو چند ہو گئی تھی اور انہی دنوں وہ اس سے کھچا کھچا رہنے لگا تھا' اسی سوچ کے پیش نظر اس نے معافی مانگنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اسے لگا تھا شاہ زر شمعون کو کچھ محسوس نہیں ہوا لیکن اس نے واضح الفاظ میں جتا دیا تھا۔ معافی مانگتے وہ دائیں کان کی لو چھو گیا تو شاہ زر شمعون کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تو بھلے عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے لیکن اندر سے بہت بڑا ہے۔'' انداز معنی خیز تھا۔

''میں نے کون سا گاؤں کی ٹیارن کو لے کر بھاگنے کا پلان بنا لیا ویرے جو ایسا کہہ رہے ہو میرے لیے۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''بھاگنے کا موڈ ہے تو بتا..... میں ساتھ دینے کو تیار ہوں' لڑکی کا راضی ہونا شرط ہے بس۔'' شاہ زر شمعون معنی خیزی سے مسکرایا۔

"توبہ کرو برو..... دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" اردگرد دیکھتے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

"سوچ لے میں سنجیدہ ہوں۔"

"بھاگوں گا نہیں برو..... جب کبھی ایسا وقت آیا' سب کے سامنے اسے لا کھڑا کروں گا..... پھر چاہے زندگی یا موت..... بھاگتے تو بزدل ہیں اور تمہارا سمہان آفندی بزدل نہیں ہے۔" ایک لمحے کے لیے شاہ زر شمعون بھی چپ سا ہو گیا اور اس چپ میں بہت سے معنی و اسرار پنہاں تھے۔

❁.....❁.....❁

ماورا یحییٰ گھر آئی تو منزہ بازار جانے کے لیے نکل رہی تھی۔ انوشا ابھی اسکول سے نہیں لوٹی تھی۔ کلاس چھوڑنے پر سرزنش کرتی منزہ نے اسے دروازہ اچھی طرح بند کرنے کا کہا' حکم کی تقلید کر کے وہ ابھی کمرے میں آرام کی غرض سے آئی ہی تھی کہ دروازہ بجنے لگا تھا۔

"معاف کرو....." دروازہ کھولنے پر عجیب سے نظر آتے شخص کو دیکھ کر اس نے کہا۔

اس شخص کی آنکھوں کی بڑھتی چمک اور لبوں پر پھیلتی مسکراہٹ سے سراسیمگی محسوس کرتی ماورا یحییٰ سرپیٹ کے رہ گئی۔ صائمہ کے دھوکے میں اس نے دروازہ بنا پوچھے کھول دیا تھا۔ اکیلے پن کا دھیان رکھتے وہ سرعت سے دروازہ بند کرنا چاہ رہی تھی لیکن دروازے پر ہاتھ رکھ کر اس کی کوشش کو ناکام بنا دیا گیا تھا۔

"میں بھکاری نہیں ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"پھر کون ہیں..... کیوں مسلسل دروازہ بجا رہے تھے؟"

"میں یحییٰ سرفراز ہوں..... کہاں ہے تمہاری ماں؟"

"یحییٰ سرفراز.....!" ماورا یحییٰ بری طرح چونک کر اس شخص کا جائزہ لینے لگی۔ آنکھوں میں بے حد حیرت در آئی تھی۔

ولدیت کے خانے میں درج نام سن کر اپنے والد سے غیر مشابہ شخص کو روبرو پا کر اس کے حواس سلب ہونے لگے تھے۔

"کون یحییٰ سرفراز..... کیسے جانتے ہیں آپ میری اماں کو؟" اس کے معصومانہ سوال پر اس نے دانتوں کی نمائش کی اور ماورا یحییٰ کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

چشم مسیحا

فریدہ فرید

ملتان کے خوب صورت اور پوش علاقے کا رہائشی ایک جہانگیر خود کو ایک پتنگ سے تشبیہ دیتا تھا جس کا اپنی خواہش کے بجائے محض ہوا کے رخ پر سفر کا تعین ہوتا ہے وہ کب زمانے و وقت کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن گیا' اس کی ابتدا' بقول اس کے اس کی پیدائش سے ہوئی تھی جہاں وہ دنیا میں آنے سے انکاری تھا مگر سخت ہاتھوں والی جلاد نما دائی نے اسے بلآخر دنیا میں لا کر ہی چھوڑا تھا' وہ کب چاہتا تھا کہ اسے ماں کی نرم گود کی بجائے سخت کھردری زمین نصیب ہو مگر کاتب تقدیر نے یہاں بھی اسے اپنی مرضی نہ کرنے دی اور ماں اسے دنیا میں لانے اور خود دنیا سے کوچ کر جانے کا فریضہ بیک وقت انجام دے گئی۔

یونہی اس سے پوچھے بناء جہانگیر بہادر نے اسے زندگی کے اکھاڑے میں اکیلا مقابلہ کرنے کے لیے چھوڑتے ہوئے خود جذبات کی تسکین کا سامان مہیا کر لیا تھا۔

کشتی کے اکھاڑے ہوں یا کبڈی کے مقابلے' دوڑ لگاتے نوجوان ہوں یا بیلوں کو ہانکتے پہلوان' ہر جگہ ایک کی موجودگی اس کی خواہش کے تحت ہو نہ ہو حالات کے تحت ضرور ہوتی۔ کشتی اور پہلوانی کے لیے زمین ہموار کرتے' شرکاء کو پانی پلاتے وہ جمع شدہ روپوں سے اپنی ضروریات پوری کرنے لگا۔ ہاں زندگی نے ایک مہربانی ضرور کی اور وہ چند جماعتوں کی حد تک تعلیم یافتہ ہو گیا تھا۔

ہیرا جھن میں اس کی آمد بھی کہاں اس کی مرضی پر موقوف تھی۔ پاکستان بھر سے آئے پہلوانوں کے مقابلوں میں وہ کبھی ریفری کا کردار ادا کرتا' کبھی منتظم بن جاتا۔ زیادہ تر اسے پہلوانوں کے تھل تھل کرتے گوشت سے بھرے جسم کو تیل بھرے ہاتھوں سے سہلانے کا کام انجام دینا پڑتا تھا جس نے اس کی طبیعت میں سختی اور تنی پیدا کر دی تھی اور صحبت بھی سخت جسم اور سخت دل لوگوں کی میسر تھی اسی لیے رفتہ رفتہ وہ بھی اس مشین کی مانند ہوتا جا رہا تھا جس میں لیکوئنڈ ڈالا جاتا تو پتھر بن کر نکلتا تھا۔

مذہب' شریعت' اخلاق' معاشرت جیسے اسباق تو ابھی تک کتاب زیست نے پڑھائے ہی نہیں تھے۔ سیکھا تھا تو صرف یہ کہ پیٹ بھرنا ہے اور ہر حال میں کسی نہ کسی طرح سے بھرنا ہی ہے۔ ایسے ہی کسی دن اس کے مشاق ہاتھوں کے دلدادہ امیر پہلوان نے اسے اپنے منشی خاص کی نوکری عنایت کر دی۔

ایک تو تھا ہی بناء ڈور کی پتنگ کی مانند سو خود کو ہیرا جھن کی ہوا کے رخ پر ڈال دیا تھا۔ ہیرا جھن شکر گڑھ سے قریب ایک چھوٹا اور پسماندہ علاقہ ہے' جہاں کا کل رقبہ ایک بڑے شاپنگ مال سے زیادہ اور مکانوں کی تعداد شاپنگ مال کی دکانوں سے زیادہ نہ تھی' غربت اور پسماندگی تو ہر گھر کی کہانی تھی مگر جہالت نے تو جیسے اس بستی میں ڈیرا ڈال لیا تھا۔ یہاں مرد دھوپ سینکتے' حقہ پیتے اور مساج کراتے نظر آتے تو عورتیں' عریاں بچوں کو بوسیدہ اوڑھنی میں چھپائی سارا دن جوتیاں گھستی نظر آتیں۔ گھنے جنگلات بیت الخلاء کا کام انجام دیتے۔ امیر پہلوان کا نام تو جانے کیا تھا مگر اکھاڑوں میں میدان مارنے کا دھنی تھا تو دھن کو نام نہاد سماجی خدمات میں صرف کرنے کے باعث لوگوں میں امیر کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔

ماں سے بچھڑے' باپ کے ٹھکرائے' بھوک کے ستائے ایک کو ضرورت مندوں کو راشن تقسیم کرنے کا کام سونپا گیا تھا' امیر پہلوان کے اکھاڑوں میں شریک مہمانوں کو سہلانا اس کی پارٹ جاب تھی۔

❁......❁......❁......❁

ست رنگی اوڑھنی ہوا کے زوں پر آوارگی پر مصر تھی' وہ انگوٹھیوں سے سجے ہاتھ سے دوپٹے کو ہوا سے واپس کھینچتی اور پھر سر پر ڈال دیتی' یہ حرکت اس کے سانولے کان کی بالیوں کو جھنجھنا دیتی عجیب سی جلترنگ فضا گونجتی تھی یا اس

Digitized by Google

کے من میں مگر وہ ہمیشہ کی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر اس کی اداؤں میں گم تھا۔ اس کے نازک سے ہاتھوں کی دسواں انگلیاں انگوٹھیوں سے مزین تھیں اور ہر انگلی میں کسی نہ کسی رنگ کا پتھر تھا سوائے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی کے جس میں نگینہ کی جگہ خالی تھی۔ شاید اس کا نگ یا پتھر کہیں گر گیا تھا۔ وہ اپنے تئیں قیاس کرنے لگا۔ وہ رنگت اور پہناوے میں ایسی ہی تھی جیسے ہیرا جھن کی ہر عورت' گہری رنگت میں چمک البتہ سب سے الگ ضرور تھی یا پھر یہ اس کی نظر کا کرشمہ تھا۔ بابا ہٹی والے سے سموسے لے کر اس پر چٹنی انڈیلتے ہوئے جانے ساتھ کھڑی اس کی سکھی نے کچھ کہا تھا یا اسے خود کوئی خیال نے گدگدایا تھا مگر ہنسنے کی ادا بڑی دلفریب تھی۔ میلی رنگت اور بغیر دھلے چہرے پر سفید دانتوں کی جھلک جسے اس کی انگوٹھیوں بھرے ہاتھ کے بادل نے اپنی پناہ میں لے لیا' کیا منظر تھا مرے ہوئے کو اور بھی مار ڈالا تھا۔

''سر جی' اپنے دلگیر کی بیٹی ہے' پہلوانوں کا استاد ہے وہ' پتری نے بھی کچھ نہ کچھ تو سیکھا ہی ہوگا۔'' عادل پان والا اس کی محویت کو نوٹ کرتا ہوا اسے تنبیہ کرنے کی غرض سے بولا۔ وہ یک دم چونکا' صاف ظاہر تھا کہ پنواڑی اسے ڈرا رہا تھا کہ اگر وہ یونہی تاڑتا رہا تو پہلوان کی بیٹی داؤ پیچ بھی آزما سکتی تھی وہ دھمکی سے تو نہیں ڈرا البتہ اپنی حرکت پر شرمندہ ضرور ہوا۔

''دکھری کڑی ہے سر جی' تہ ناں بھی بڑا دکھرا ہے غزال۔'' اگرچہ نام عام فہم تھا مگر اس علاقے کے مکینوں کے لیے اور مزاج و طبیعت کے اعتبار سے نام واقعی منفرد تھا۔ وہ پنواڑی کی معلومات پر تشکرانہ مسکراہٹ پاس کرتا اندر بڑھ گیا تھا۔ جہاں راشن لینے والوں کی حالت دگرگوں تھی مگر بھوکے پیٹ صبر کا پھل کھائے خاموش بیٹھے تھے۔ اسے ہر بوڑھے معذور بے بس بلکتے بچے کے ہاتھ پر چند چیزیں راشن کے طور پر رکھنا سخت تکلیف دہ لگتا تھا اسے لگتا وہ مدد نہیں کر رہا بھیک دے رہا ہے مگر ضمیر کی آواز کو وہ ایسے ہی سلا دیتا جیسے اس کے نحیف وجود کو حالات کے تلخ تھپیڑوں نے کچل ڈالا ہو۔

❁.....❁.....❁.....❁

''راشن نہیں صاب پیسہ دے دو۔''

تین ماہ سے زائد ہو گئے تھے اسے اس علاقے میں آئے اور یہ ڈیوٹی انجام دیتے ہوئے تقریباً ہر روز ہی امیر پہلوان کے گھر کے باہر تقسیم راشن کا ڈراما ہوتا۔ سستے داموں خریدا ہوا غیر معیاری سامان آٹا' چینی' خشک دودھ' چاول اور کبھی کبھی کچھ پکی سبزی کے تھوڑے تھوڑے حصے بنا کر ہر مستحق کے دامن میں ڈال دیے جاتے۔ راشن کا پیکٹ اس سوکھے کالے ہاتھ پر رکھتے ہوئے اس نے کبھی سر اٹھا کر اس کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ تقریباً ہر روز ہی راشن کے لیے ہاتھ پھیلاتی مگر پیکٹ رکھتے وقت ہاتھ سمیٹ لیتی اور کپکپاتی آواز میں ایک ہی فریاد کرتی۔

''راشن نہیں' پیسہ دے دو۔''

''او بی بی' تجھے کتنی بار بتاؤں' ادھر صرف راشن ملتا ہے جب لینا نہیں ہے تو آتی کیوں ہو؟'' وہ جھلاتے ہوئے

Digitized by Google

اس کی طرف متوجہ ہوا اور کچھ دیر کے لیے ٹھٹکا' وہ گہری سانولی رنگت کی دبلی پتلی لڑکی تھی اس کی کلائی کی چوڑائی اتنی تھی جتنی ایک کی ایک انگلی' غربت و مفلسی کا چلتا پھرتا اشتہار تھی وہ' کچھ بھی تو بیان لائق نہیں تھا سوائے سرگیں آنکھوں کے' ایک کو جھٹکا اس کی آنکھوں نے دیا تھا' حسین نہیں تھی مگر ان میں لگے کاجل کی دھار سے وہ کہیں اور جا پہنچا تھا' غزال کی سب سے منفرد بات بھی تو اس کی آنکھ کا کاجل ہی تھا۔ وہ میلی ہوتی تھی مگر آنکھ کا کاجل تازہ رہتا تھا جسے قریب سے دیکھنے کے لیے وہ ہر دم مچلتا تھا کیسی لگتی ہے سمندر کی گہرائی قریب سے اور چشم سرمہ نزدیک سے۔ دونوں کو جانچنے کے لیے ان کے اندر اترنا ضروری ہے۔ اسے حیرت تھی کہ لڑکی چہرے سے برسوں کی بھوکی اور بیمار دکھتی ہے مگر آنکھ میں کاجل بڑی مہارت سے لگایا گیا تھا اس سوچ نے اس کے لبوں پر ہلکی بکھیروی تھی۔

"جتنا چاہے ہنس لو صاحب مگر مجھے پیسہ دے دو۔" لڑکی کی دل گرفتہ حالت پر اسے اپنی بے محل ہنسی پر شرمندگی ہوئی۔ وہ بے حس نہیں تھا مگر درد مند میں بھی شمار نہیں ہوتا تھا۔ وہ لڑکی کی التجا پر موم نہیں ہوا تھا مگر اس کی حالت زار پر خوش بھی نہیں تھا۔ سو ہمیشہ کی طرح اس کی بات ان سنی کر کے اسے ایک ہاتھ سے آگے دھکیل کے دوسرے مستحق کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

آج کی رات ایک گزری راتوں میں سے سب سے حسین تھی۔ آج بستر پر کروٹ لینے کا الگ ہی ڈھنگ تھا۔ وہ صحن میں چارپائی ڈالے سر کے نیچے دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے چت لیٹے آسمان کی جانب تکے جا رہا تھا۔ آج ستاروں کے درمیان چاند نہیں کسی اور کا چہرہ تھا۔ مساج کا کام کرتے ہوئے آج دلگیر پہلوان پر اس نے اپنی مہارت کا رنگ جمایا تھا۔ جب سے معلوم ہوا تھا کہ غزال دلگیر کے آنگن کی چڑیا ہے' وہ اس کی خدمت کرنے کے لیے بے چین تھا بالآخر اس کی مشاق کی دھوم اسے دلگیر کے آنگن تک لے آئی تھی۔

دلگیر کے بھدے' گوشت کے پہاڑ نما مسلز کو سہلاتے وہ غزال کی نازک کلائی کو تصور میں لیے ہوئے تھا۔ اس کی کلائی پر زیادہ تو کیا برائے نام گوشت بھی نہیں تھا' کیا وہ تھامنے میں بھی سخت تھی یا نرم گرم لہکتی ہوئی۔

"ماں۔" تڑپتی بلکتی آواز اسے حدود کے دائرے میں لے آئی تھی۔ اس کی خیال کی رو بے لگام ہونے کو تھی مگر مسلسل آتی' روتے بچے کی کراہیں اسے ڈسٹرب کر گئیں۔ یہ آوازیں تقریباً ہر رات کو ہی اسے سونے نہیں دیتی تھیں۔ پتا نہیں آس پڑوس میں کہیں کوئی بچہ ساری رات روتا تھا یا کہیں دور سے آواز آتی تھی۔ چھوٹی سی بستی تھی۔ وہ بھی نزدیک ہی شمار ہوتا تھا۔ بچے کو نہ جانے کیا تکلیف تھی۔ ماں ماں پکارتا تھا اور جواب میں بھیگی سخنی سی آواز سنائی دیتی "ماں صدقے جائے۔"

اسے کیونکہ حقوق العباد سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی اس لیے سر جھٹک کر پھر سے غزال کی نگری میں جا پہنچا اس کی نگاہوں میں وہ منظر جم گیا تھا جب دلگیر کے کندھوں کو دباتے اس کی جھکی نگاہ ہوائی چپل میں قید ان نازک سانولے پاؤں پر جا پڑی تھی غزال کو اتنی گہرائی سے سوچا تھا کہ وہ رنگت دیکھ کر جان گیا کہ سامنے کون ہے۔ یک لخت اس نے سر اٹھایا اور چشم سرگیں کو روبرو پایا تھا۔

"دھیان سے جناب! نازک ہتھاں تہ بوجھ نہ پاؤ ٹٹ جانو گے۔" (ٹوٹ جائیں گے)

مقامی لوگوں سے ہٹ کر اس کے اعضاء زیادہ مضبوط اور بھرے بھرے نہیں تھے شاید اسی لیے اس نے طنز کا تیر پھینکا تھا۔ وہ پہلوان کا بیٹا ضرور تھا اور دن بھر پہلوانوں میں رہتا بھی تھا مگر دیکھنے میں پہلوان نہیں لگتا تھا کیونکہ وہ آج تک اکھاڑے میں نہیں اترا تھا مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ کمزور تھا۔ غزال کی شوخی اسے طعنہ لگی تھی اسی لیے وہ جواب دینے کے لیے مچلا تھا۔

"ماں صدقے جائے ہونڑی (ابھی) آرام آ جائے گا' میرا بچہ صبر کر۔" ایک بار پھر بچے کی چیخ و پکار نے اس کی

Digitized by Google

سوچوں کا سلسلہ منقطع کیا' بچے کی آہ و پکار بڑھتی جارہی تھی۔ جانے کیا مسئلہ تھا وہ جو غزال کے طعنے پر بپھرا ہوا تھا جانے من میں کیا آئی بستر سے اتر کر آوازوں کی سمت بڑھ گیا تھا۔ دو گھر چھوڑ کر تیسرے گھر سے آواز آرہی تھی گھر کے پاس جا کر اسے معلوم ہوا کہ آواز کی شدت اس لیے زیادہ تھی کیونکہ گھر کا کوئی دروازہ یا بیرونی دیوار ہی نہیں تھی۔ صحن میں ایک ٹوٹی چارپائی پر وہ ماں بیٹا ایک دوسرے سے لپٹ کر غم ہلکا کررہے تھے۔ دور چارپائی پر ایک نیم جان بوڑھا پتھرائی آنکھوں سے ان دونوں کو تک رہا تھا۔ بوڑھے کے صرف حلق میں جان تھی باقی جسم سے لگتا تھا روح نکل چکی ہے۔ وہ جتنا تن فن کر کے آیا تھا اتنا ہی غمزدہ کھڑا تھا۔ یہ منظر اس کی بے حس برداشت سے بھی باہر تھا۔

"کیا تکلیف ہے اس بچے کو' ڈسپنسری کیوں نہیں لے جاتی ہو؟"

بچے کی تکلیف میں مگن دکھیاری ماں کو مخاطب کرنے کے لیے اسے تیز لہجہ اپنانا پڑا۔ جس کے نتیجے میں اس دبلی پتلی عورت نے سر اٹھایا تھا۔ وہ لمحے میں پہچان گیا کہ یہ وہی سانولی تھی جو روز راشن کی جگہ روپے مانگتی تھی۔ پہچان کے ساتھ ہی وہ جان گیا کہ بغیر دیواروں کا بے امان گھر' نیم مردہ باپ اور بیمار بچہ ہی وہ اسباب تھے جو اس کی فریاد بن جاتے تھے۔

"صاب' میرے بچے کے لیے کہاں کوئی ڈسپنسری ہے۔ سوائے میرے آنسوؤں کے اس کے لیے جہان میں کوئی دوا نہیں۔" درد اس کی آنکھوں کے کاجل کے ساتھ بہہ رہا تھا تو محرومی الفاظ بن کر زبان سے ادا ہو رہی تھی۔ ایک ایک لمحے کے لیے اس کے درد کی شدت سمجھ پایا دوسرے لمحے اس کا دھیان اس کی کالی آنکھوں کی طرف جا رکا' سرمے کا بھید اس نے جان لیا تھا۔ غزال کی آنکھ میں شوخی اور ساحل زندگی پر کھڑا ہونے کا کاجل تھا جس کا انداز دل میں اتر جانے والا تھا جب کہ اس سانولی ماں کی آنکھوں میں دکھ اور سمندر زندگی میں بے اماں ہونے کا سرمہ تھا جس کی رنگت دل چیر دینے والی تھی' ہر رنگیں چشم کی کہانی ایک سی نہیں ہے۔ زندگی کی سیپ میں سب کے لیے موتی نہیں ہیں۔

"مسئلہ بگاڑنے کے بجائے اسے کسی کو دکھاتی کیوں نہیں؟ اسے سکون ملے گا تو دوسرے لوگ بھی سکون سے رہ پائیں گے۔" ایبک پر جانے کیوں جھنجھلاہٹ سوار ہوئی۔ غزال سے جدائی کا اثر تھا یا اس سانولی کے کرب کو محسوس کر کے بھی رد کردینے کی ضد' جو بھی تھا' اس کی ہمدردی الٹھ مار تھی۔

"کس کو دکھاؤں صاب میرے لیے تو ڈسپنسری والا دروازہ بھی نہیں کھولتا۔ ہاتھ دیکھنے کے بھی بہت سارے پیسے مانگتا ہے' کہاں سے لاؤں؟ آنکھ میں کاجل لگا کے جاؤں تو ایک چمچہ شربت پلا دیتا ہے جس سے یہ سو جاتا ہے۔ میرا کاجل ختم ہوگیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس کا شربت بھی ختم ہوگیا۔" بلکتی ماں جس کا نام ایبک نے از خود سانولی رکھ دیا تھا نے برستی آنکھوں کے ساتھ آپ بیتی بیان کی تھی۔ وہ جانتا تھا سہولیات زندگی سے محروم بستی کے اکلوتے دواخانے کا اکلوتا کمپاؤڈر نما ڈاکٹر اخلاقیات سے یقیناً عاری ہے' پیرہن مفلسی پر سرمۂ بے بسی کی فوقیت واضح ہوگئی تھی۔ اس کے پاس مرہم تھا نہ لفظی مسیحائی کا ہنر' الٹے پاؤں واپس آ کر تکیوں کے درمیان ضمیر اور کانوں کو دباتے اسے غزال کو دیا جواب ضرور یاد تھا جس پر چشم سرمگیں کی مسکان دلفریب تھی۔

"کمزور ہاتھوں کو نہیں بڑے جگر کو دیکھو' پہلوانی ہاتھوں سے نہیں ہمت سے ہوتی ہے۔"

غزال کی ایک انگلی کے بغیر نگینے کی انگوٹھی کے متعلق جان کر ایبک کافی پُرجوش ہوا تھا۔ دل گیر پہلوان کی شرط تھی کہ جو دلیر اس کی بیٹی کی انگوٹھی میں زمرد کا پتھر جڑے گا' اس سے بیٹی کا بیاہ کرے گا اور اب تک انگوٹھی خالی ہونے کا مطلب واضح تھا کہ ہیرا جھن میں کوئی دلیر پیدا نہیں ہوا تھا اگر چہ ایبک غزال کو اپنے بڑے جگر کو آزمانے کا نیوتا دے

Digitized by Google

چکا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ تین وقت کھانے اور چار کپڑے جوڑے بنوانے سے زیادہ آمدنی اسے میسر نہ تھی۔ اسے اپنی اوقات سے زیادہ خواب دیکھنے کی کبھی عادت نہیں رہی تھی۔ پنواڑی کے منہ سے تفصیلات جان کر وہ خود کو بے نیاز ظاہر کرتا آگے بڑھ گیا تھا مگر بناء سیکھی کے تنہا آئی غزال کو دیکھ کر اس کی بے نیاز بیکار کی ایکٹنگ ثابت ہوئی۔

چوڑیوں بھری کلائی سے چہرے پر آئی بے ترتیب بالوں کی لٹوں کو کان کے پیچھے سمیٹتی' وہ اس کے حوصلے مضبوط بنا گئی تھی۔ اسے دیکھ کر غزال نے ادا سے بالوں کو جھٹک کر بکھرا تھا۔ اس کی شوخی بھری مسکراہٹ ظاہر کرتی تھی کہ وہ ایبک کے حال دل سے آگاہ ہو چکی ہے۔

''اصل پہلوان اکھاڑے میں نظر آتے ہیں اور نقلی سڑک پر۔'' غزال نے پاس آتے ہی ایک بار پھر اس کی نیم پہلوان ہونے پر چوٹ کی تھی شاید اس کے نزدیک مردانگی کا معیار پہلوانی ہی تھا۔ میلے ست رنگے جوڑے میں گہری رنگت کو اس نے نگاہ بھر کے دیکھا تھا۔ بیان کرنے کے لیے کچھ بھی خاص نہیں تھا اس میں مگر ایبک کو سارے جہان میں وہی خاص لگا کرتی تھی۔ جذبات نگاہ بن گئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں کھنچے تازہ سرمے کے ڈورے ہی اس کا کل نقش تھا۔

''اگر اکھاڑے میں واقعی پہلوان ہیں تو پھر تو بغیر نگینے کی انگوٹھی پہنے سڑک پر کیوں ہے؟'' ایبک کی جوابی چوٹ بھی کافی تیکھی تھی۔ وہ ہیرے جڑنے لائق تھی مگر زمرد پتھر جڑنے والا بھی اب تک اسے نصیب نہ ہوا تھا۔ وہ سرتاپیر اس کے لیے تڑپتا تھا مگر پتھر جڑنے کی اوقات اس کی بھی نہیں تھی۔

''تجھے اتنی فکر ہے میری خالی انگوٹھی کی تو جڑ دے ناں نگینہ۔''

کیا آفر کر گئی تھی وہ؟ جو بات وہ دل میں بھی نہ کہتا تھا اسے سرعام کر گئی تھی۔ اس نے صاف لفظوں میں جتا دیا تھا کہ وہ پہلوانی کا طعنہ اسے اس لیے نہیں دیتی تھی کہ وہ کشتی نہیں لڑتا بلکہ جتانے سے مقصود یہی تھا کہ وہ اسے پانے کے لیے جتن نہیں کرتا' ایک جو آج تک صرف پیٹ بھر روٹی کھانے اور جی بھر کے سونے کے لیے زندہ تھا اسے کیا سوجھ عطا کر گئی تھی وہ مگر جوش آتے آتے بھی ماند پڑ گیا تھا۔ کہاں سے لاتا وہ زمرد کا پتھر' اس کی قیمت اتنی تھی جتنی اس نے اب تک کی زندگی میں مجموعی طور پر کمایا تھا۔ عمر لگتی اسے روپے اکٹھے کرنے میں مگر اس کے اندر ترنگ ضرور پیدا ہو گئی تھی۔ نیم مردہ کو زندگی کے جھوٹے دلاسے پر شربت صحت پلا دو تو وہ زندہ ہو ہی جاتا ہے۔

❁.....❁.....❁.....❁

ہیرا جھمن میں آج کل رونقیں اور ہنگامے عروج پر تھے۔ کھیلوں کا سیزن تھا۔ مقابلوں کی بھرمار تھی پہلوانوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں دیگر مقامات سے آئی ہوئی تھیں۔ ہیرا جھمن سیزبانی کے فرائض انجام دے رہا تھا ایبک کی دیہاڑی بھی عروج پر تھی۔ اکھاڑوں کے انتظامات کے ساتھ پہلوانوں کے مساج سے وہ خوب دادا دپیسہ سمیٹ رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ ان سب کے باوجود وہ کبھی بھی زمرد کا پتھر نہیں خرید سکتا اور پتھر نہ خریدنے کا مطلب غزال کو حاصل نہ کرنا تھا۔ اس کی معلومات کا واحد ذریعہ عادل پنواڑی تھا۔ اسی کے توسط سے اس نے جانا تھا کہ کشتی میں ناقابل شکست پہلوان جہانداد کو زیر کرنے والے کے لیے پچاس ہزار انعام کی رقم مختص تھی۔ یک مشت اتنی رقم پانے کا اس سے اچھا موقع اور کیا ہو سکتا تھا مگر سوال یہ تھا کہ منوں ٹنوں کے حساب سے گوشت کے پہاڑ جہانداد کو شکست دے گا کون؟ وہ ان ہی خیالات میں گم تھا کہ دھڑ سے کوئی وجود اس سے آن ٹکرایا۔

''ارے دیکھ کے چل' یہ آنکھیں کاجل لگانے کے لیے ہی نہیں دیکھنے کے بھی کام آتی ہیں۔'' دبلی پتلی پانچتی سانولی کو کافی دنوں بعد دیکھ کر وہ جھنجلایا اور اس کی سرمگیں چشم پر طنز بھی کر دیا' کافی دن سے سانولی راشن کی لائن میں دکھائی نہیں دی تھی۔ رات کو بچے کی آہ و بکا تو روز کا ہی تماشا تھا۔ اب وہ اس کے لیے محض ایک تماشا ہی تھا۔

Digitized by Google

سانولی آنکھوں میں کاجل نہیں تھا مگر جانے کیوں آج ایبک کو اس کی آنکھوں میں امید چمکتی دکھائی دی تھی۔ غیر متوقع منظر تھا اس لیے وہ بے نیاز نہ رہ سکا اور دریافت کر بیٹھا۔

"کیا بات ہے خوش دکھائی دے رہی ہے۔ بچہ ٹھیک ہے تیرا اب؟" سانولی خوش نہیں تھی پُر جوش تھی۔ ایبک کو دریافت کرنے کے لیے یہی لفظ سوجھا تھا۔ جواباً وہ پھول کی مانند کھل گئی۔ شاید ہمدردی کے بول تو دور کی بات ہمدردی کے سوال سے بھی اب تک محروم تھی۔

"صاحب آپ کو پتا ہے شہر سے ڈاکٹروں کی ٹولی آئی ہے اور وہ بچوں کا فری میں علاج کررہے ہیں میرے بچے کا بھی وہ علاج کردیں گے۔ بناء کاجل لگائے۔" سانولی سادگی سے بیان کرتی تھی اور سب ہی کچھ کہہ دیتی تھی۔ بناء کاجل میں ایک ماں کی بے حرمتی اور بے بسی کی اذیت ناک کہانی موجود تھی۔

"یہ تو اچھی بات ہے اب تیرا بچہ روئے گا نہیں اور محلے والے بھی سکون سے سوسکیں گے۔" اسے ماں اور بچے کے سکون سے زیادہ اپنے آرام کی خوشی تھی۔ ظاہر ہے جب تک آرام میسر نہ آتا وہ غزال سے وصال کے سپنے کیسے دیکھ پاتا۔

❁......❁......❁......❁

آج پہلی بار اس نے سفید رنگ پہنا تھا۔ گہری رنگت پر ٹھنڈک کا احساس دیتا یہ رنگ اس پر جچ رہا تھا۔ خلاف توقع وہ آج اتنی میلی نہیں تھی۔ تازہ کاجل کے ساتھ صابن سے منہ بھی دھو رکھا تھا۔ کان کی بالیاں ذرا زیادہ جھول رہی تھیں شاید اس کی خالی انگوٹھی پُر ہونے چلی تھی۔ یہ بات اسے پہلے ہی معلوم ہوچکی تھی کہ غزال کو چاہنے والے دو پہلوان اس بار زمرد کا پتھر لانے کا مکمل تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ جہانداد پہلوان سے جیت کر پچاس ہزار لانے والوں کی خوش فہمی نے غزال کو انوکھا غرور بخش دیا تب ہی تو وہ آج اس کے پاس رکنے کے بجائے نخوت سے سر جھٹکتی آگے بڑھ گئی تھی۔ دل گیر کے گھر اور مٹھائی کی دکان کے درمیان امیر پہلوان کی رہائش تھی۔ تب ہی وہ ہر روز اس سڑک پر نظر آتی اور اس سے ٹکراتی بھی ضرور تھی۔ ایبک نے کسی سوچ کے تحت بے نیازی سے گزرتی غزال کی چوڑیوں سے بھری کلائی تھام لی تھی۔

"ابھی تو صرف اکھاڑے میں اترنے کا ارادہ کیا ہے۔ دونوں مرد کون سا تجھے بیاہ لے گئے ہیں جو زمین پر پاؤں نہیں پڑرہا تیرا۔" ایبک نے اسے جھٹکے سے خود سے قریب کیا۔ چھ ماہ کی تانک جھانک کے بعد اسے یہ حوصلہ کسی کمزور لمحے نے دیا تھا۔ غزال کی چشم سرمگیں میں پہلے حیرت پھر اس کی دیدہ دلیری پر مسرت اور آخر میں اس کے طنز پر استہزائیہ تاثرات ابھرے تھے۔ کاجل بھری آنکھوں نے ایک ہی لمحے میں کتنے رنگ بدل ڈالے تھے ایبک ان نگاہوں میں ڈوب کے رہ گیا تھا۔

"ہاریں گے بھی تو اکھاڑے میں اتر کر ہی ناں، تیری طرح سڑک پر کھڑے اکھیاں تو نہیں سینکیں گے۔" وہ ہر بار کی طرح پھر اس کی کم ہمتی کو نشانہ بناگئی تھی۔ کیا وہ چاہتی تھی کہ وہ اسے پانے کے لیے جتن کرے؟ مارے یا مر جائے مگر کچھ کرجائے؟ ایبک کی مردانگی کو چار چوٹ لگائی تھی اس نے۔

"دیکھ صرف آنکھیں نہیں سینکتا رات بھر تجھے سپنوں میں دیکھتا ہوں۔ دن بھر تجھے سوچتا رہتا ہوں۔ تیری کاجل کی لکیر میرے دل پر کھنچی ہے۔" ایبک نے حال دل سنا ہی دیا مگر غزال کی آنکھوں میں کچھ اور ہی خواہش تھی۔

"مگر میرے سپنے میں صرف وہی آئے گا جو اس انگوٹھی کا نگینہ لائے گا۔" اس کی خود پر جمی نگاہوں کے سامنے اپنا خالی نگینے کی انگوٹھی والا ہاتھ لہرا کر غزال نے اسے اس کی اوقات یاد دلادی تھی۔ وہ باتوں سے بہلنے والی نہ تھی۔ اسے پانے کے لیے الفاظ اور خواب نہیں ہمت و طاقت درکار تھی۔ ایک ہی پل میں اپنے ہاتھ سے اس کی نکلتی کلائی کو دیکھتے اس کے ناتواں دل نے سرعت سے فیصلہ کیا تھا کہ ایبک کے لیے بناء باپ کی شناخت کے نہیں مگر ایک اعزازی نام کے ساتھ جینا ناگزیر ہے۔

Digitized by Google

پہلوانوں کا مساج کرتے کرتے ایبک نے اپنا نام بھی اسی فہرست میں لکھوا دیا تھا۔ دن بھر مختلف مشقیں کرتے، مسلز کی مالش کرتے وہ ہمت جمع کرتا رہتا تھا۔ اسے ایک فیصد بھی اپنی جیت کا یقین نہیں تھا مگر وہ غزال کو بناء کوشش کے ہارنے کے لیے بھی تیار نہ تھا۔ کشتی کے مقابلے تین حصوں پر مشتمل تھے۔ پہلے حصے میں دس دس پہلوانوں کی دو ٹولیاں بنائی گئی تھیں جن کا انتخاب قرعہ اندازی سے ہوا تھا۔ جو ٹولی جیت جاتی اس کے دس کے دس پہلوانوں کی آپس میں کشتی دوسرے راؤنڈ میں ہوتی تھی اور اس میں سے پہلے تین نمبر پر آنے والے پہلوان جہانداد پہلوان کے مدمقابل ہوتے اور اس کے نتیجے میں جیتنے والے کے لیے پچاس ہزار کا انعام مقرر تھا اور ایبک کے لیے وہ انعام نہیں، غزال انعام تھی جس کے حصول کے لیے اب اس کی بے چینی عروج پر تھی۔

شام کو ہونے والے پہلے کشتی کے راؤنڈ کے لیے وہ صبح سے مصروف مشق تھا۔ اسے ٹولی نمبر دو میں شامل کیا گیا تھا جس کے دیگر شرکاء سب ہی منجھے ہوئے نامی گرامی پہلوان تھے، نوآموز واحد وہ ہی تھا اور صحت میں بھی سب سے پیچھے دیگر پہلوانوں کے ساتھ کھڑا وہ چھوٹا پہلوان ہی دکھتا تھا اور اسے یقین تھا کہ اسے دیکھ کر غزال طنز کیے بناء نہیں رہے گی اپنی مصروفیات میں وہ راشن تقسیم کرنا نہیں بھولا تھا۔ مستحقین کو راشن کے پیکٹ بانٹتے دو سانولے ہاتھ اس کے جھکے سر کے سامنے دراز ہوئے تھے۔

"پیسہ دے دو صاب۔"

ایبک نے حیرت سے سانولی کو دیکھا وہ پچھلے ایک ماہ سے لائن میں نظر نہیں آئی تھی اور وجہ اس نے خود بتائی تھی کہ شہر سے آنے والے ڈاکٹرز اس کے بچے کا علاج کررہے تھے مگر آج پھر اسے سابقہ مطالبے کے ساتھ سامنے پا کر وہ متعجب ہوا۔

"تو میرا سر کھانے کے لیے پھر آ گئی؟ راشن لینا ہے تو لے نہیں تو جا۔" ایبک نے سرد لہجے میں اسے ڈپٹا۔ وہ آج کل ویسے بھی ٹینشن میں تھا۔ اکھاڑے میں اترنے سے زیادہ اسے غزال کے طعنوں کی فکر تھی۔ غزال کو ہارنے سے زیادہ اس کی نظروں سے گر جانا تکلیف دہ تھا۔ ایسے میں سانولی کے ساتھ مغزماری کا اسے کوئی شوق نہیں تھا۔

"صاب، مجھے روٹی نہیں چاہیے اپنے بچے کے لیے دوا چاہیے اسی راشن جتنے پیسے دے دے نا۔" التجائی، لجائی، کپکپاتی آواز اس پر وقتی اثر انداز ہوتی تھی، وہ جلد ہی خود کو متاثر ہونے سے محفوظ کرلیتا تھا۔ وہ صاحب حیثیت نہیں تھا۔ مالی امداد کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا مگر لگتا تھا کہ وہ صاحب دل بھی نہ رہا تھا۔ دو آنسو پونچھنا بھی بھول گیا تھا۔

"دیکھ بی بی تیرے بچے کا علاج فری میں ہو تو رہا تھا پھر کیا ہوا؟" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سوال کر بیٹھا تھا اگرچہ یہ اس کے نزدیک وقت کا ضیاع تھا۔

"سینے میں گٹھلی بتائی ہے انہوں نے" کہتے ہیں اس بیماری کا علاج مہنگا ہے، فری میں نہیں کرسکتے۔ بہت سارا پیسہ چاہیے۔" مجبور ماں کی آخری امید بھی دم توڑ گئی تھی۔ آج نہ آنکھ میں کاجل تھا نہ ہی امید کی چمک۔

"تو کیا سمجھتی ہے، اس راشن کے بدلے پیسے لے کر تیرے بچے کا علاج ہوجائے گا۔ پاگل، یہ سارا سامان دو ڈھائی سو سے زیادہ کا نہیں ہے۔" وہ سخت جھنجھلایا ہوا تیز لہجے میں بول رہا تھا۔

"سر مہ تو آجائے گا ناں۔"

کیا کہا تھا ایک ماں نے؟ اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ کتنی کاری ضرب لگی تھی ضمیر پر۔ اس سے کئی لمحوں تک کچھ بولا نہ گیا راشن وہ دیتی نہیں تھی اور بے بس ماں کو اس مقصد کے لیے روپے دینا اسے گوارا نہ تھا۔ دل پر منوں بوجھ پڑا تھا وہ سانولی کو آگے دھکیلنے کے بجائے آج خود کو سینٹر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

غزال کی آنکھ کا کاجل واقعی پھیل رہا تھا یا پھر اسے ہی ایسا دکھائی دے رہا تھا اسے ہر چیز ہی دو لگ رہی تھی

Digitized by Google

اکھاڑے کے گرد بنائی گئیں حفاظتی اینٹوں کی دیواریں اسے آسمان سے بات کرتی لگ رہی تھیں۔ ایک آنکھ سوج کے پھیل گئی تھی تو دوسری سکڑ گئی تھی۔ کشتی کا پہلا راؤنڈ اختتام کے قریب تھا۔ ایک تو ابتدائی لمحات میں ہی دو چار پہلوانی مکوں اور داؤ پیچ سے ہی چت ہوگیا تھا۔ کوئی بھی لڑائی ہو جیتنے کے لیے دو چیزیں درکار ہیں ایک طاقت دوسرے عقل۔ ایبک کے پاس دونوں چیزوں کی کمی تھی۔ ٹولی نمبر ون میں اس کے ساتھی ذرا تگڑے تھے ایک اس کے ڈھیر ہوجانے سے زیادہ نقصان نہیں ہوا اور اس کی ٹولی سخت مقابلے کے بعد بالآخر جیت ہی گئی عزت رہ گئی تھی اس کی۔

دن بھر ٹکور کراتے، زخموں پر مرہم لگاتے اس کے پیش نظر صرف غزال کی ہونٹ دبائے تیکھی مسکراہٹ ہی تھی۔ اسے پاس آنے کا موقع نہ ملا تھا ورنہ کچھ نہ کچھ ارشاد عالیہ ضرور عنایت کرتی۔ گرچہ وہ اس کی غیرت پر ضرب لگاتی تھی مگر حقیقت یہی تھی کہ وہ اس کے اندر اشتعال پیدا کرکے اسے خود کو پانے کے اسباب مہیا کرنے پر اکساتی تھی۔ جذبات ایک طرفہ نہ تھے دونوں طرف ایک دوسرے کے لیے دھڑکنیں ایک ہی پیغام دیتی تھیں۔ اس خیال نے ایبک کو عجب توانائی مہیا کی تھی۔ اسے لگا کہ وہ مردہ نہیں ہے مقابلہ ابھی باقی ہے اور جسم میں جان بھی۔

ایک دن کے وقفے سے ہوئے دوسرے راؤنڈ میں تیزی اور طاقت کا مظاہرہ عروج پر تھا۔ دس منجھے ہوئے پہلوان ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار تھے۔ ایبک دعا کررہا تھا کہ آج کے راؤنڈ کو دیکھنے غزال نہ آئے ورنہ اسے یقین تھا کہ کوئی دیکھے نہ دیکھے غزال اس کی کپکپاتی ٹانگیں ضرور دیکھ لے گی مگر وقت قبولیت کا نہ تھا، غزال پراندہ ہلاتی سکھیوں کے ساتھ جھمکے لہراتی عین اس کے سامنے آگئی تھی۔ وہ اس کے لبوں سے کسی شرارتی اشارے کا منتظر تھا مگر نگاہ اس کی آنکھوں پر جا ٹھہری تھی، کاجل سے عاری شفاف آنکھیں اسے اجنبی سی معلوم ہوئی تھیں۔ اسے لگا کہ غزال کے کاجل نہ لگانے کا کوئی خاص مقصد تھا جب کہ وہ جانتی تھی کہ ایبک کو اس کی آنکھیں ہی اس کی طرف مائل کرتی تھیں۔

کاجل نہ لگانے کی وجہ جلد ہی اسے معلوم ہوگئی جب کشتی کے دوران مسلسل اسے پہلوانوں سے زیر ہوتے دیکھ کر غزال نے پھرتی سے ایک پرچی اس کی طرف اچھال دی۔ آنکھوں پر چھائی دھند صاف کرکے اس نے بمشکل پرچی پر لکھی عبارت پڑھی۔

"اس آنکھ میں کسی اور کے نام کا کاجل نہ لگنے دینا میرے سیاں۔"

کیا پیغام دیا تھا غزال نے ایک بزدل کو سیاں بنا دیا تھا۔ آس جوڑ لی تھی اس کی کم ہمتی کے ساتھ۔ ایبک نے ایک لمحے کے لیے دل میں سوچا کیا وہ غزال ہی نہیں کسی اور عورت کی آنکھ کا کاجل بن سکتا ہے نہیں، مغلوب شخص کبھی کسی عورت کی آنکھ میں جھانک بھی نہیں سکتا۔ اس اذیت ناک سوچ کے ساتھ اس نے ہمت جمع کرکے سر اٹھایا، جہاں ایک اور جھٹکا اس کا منتظر تھا۔ پہلے اور دوسرے نمبر کے پہلوان منتخب ہوچکے تھے تیسرے نمبر پر سبقت لے جانے والوں میں سے ایک پہلوان وہ تھا جس نے غزال کی خالی انگوٹھی کو نگینے سے پُر کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی گویا اگر وہ جیت جاتا تو ایبک چشم غزال کا کاجل ہار جاتا۔ جانے دل و دماغ نے گھائل بدن کو کیسے توانائی فراہم کی کہ وہ یک بیک چھلانگ لگاتا، تیر کی طرح سے رقیب پہلوان پر جھپٹا۔ کتنی بار گرا، مار کھائی، ڈھیر ہوا مگر جوش جنون نے ہارنے نہ دیا اور اس نے بے دم ہوتے ہوئے رقیب پہلوان کو چت کردیا اور تیسرے نمبر کے اعزاز کو اپنے نام کرلیا۔ بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے سوچا تھا کہ جیت کے لیے صرف طاقت اور عقل ہی نہیں کسی کو پانے کا جنون اور کسی کے کھو جانے کا خوف بھی ضروری ہے۔

کل کا سورج اس کی زندگی کا سب سے کٹھن وقت لانے والا تھا۔ ایبک کی حالت ایسی ہی تھی جیسے سزائے

Digitized by Google

موت کے قیدی کی جسے صبح پھانسی چڑھ جانا ہوتا ہے۔ اس نے جہانداد پہلوان کو ابھی تک دیواروں پر چسپاں پوسٹر پر ہی دیکھا تھا اور اتنا دیکھنا ہی اس کے لیے جان لیوا تھا۔ غزال بھگو بھگو کے نہ مارتی تو شاید وہ اس دلدل میں اترتا ہی نہیں مگر اب واپسی کے راستے بند تھے۔ پیچھے غیرت کی موت تھی تو آگے وصال غزال مگر درمیان میں ہڈیوں کا سرمہ بھی تو تھا اور اس کی ساری جان بیچ کے معرکے پر اٹکی تھی۔ غزال اس کی ہمت بڑھانے کے لیے گاہے بگاہے سکھیوں کے ذریعے پیغامات ارسال کر رہی تھی۔ کبھی چٹھی میں کاجل کا تل لگا کے بھیج دیتی تو کبھی پراندے کا ایک دھاگا۔

"اب کیا لائی ہے؟" اپنی سکھی سے کہہ سکون سے بیٹھے اور مجھے بھی مشقیں کرنے دے۔" منجھے ہوئے امیر پہلوان سے داؤ پیچ سیکھتے یہ پانچویں بار تھا کہ اسے غزال کی چٹھی ملی تھی۔ وہ سخت ہیجان میں مبتلا تھا۔ وہ غزال کو اتنی گہرائی میں جانے نہیں دینا چاہتا تھا جہاں سے نکلنا محض شرمندگی تھی۔ اس کی سکھی کو ڈانٹ پلا کے بھگانے کے بعد اس نے چٹھی کھولی تھی تو ہک دک رہ گیا تھا غزال نے اب کے اپنی خالی انگوٹھی ہی اسے بھیج دی تھی گویا وہ اس پر لازم کر گئی تھی کہ انگوٹھی کو نگینے سے پُر کر کے ہی واپس لوٹائے۔

ایبک کا فکر و غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا تھا۔ کیا سوچ بیٹھی تھی غزال کہ کوئی معجزہ ہوگا اور وہ چیونٹی نما ہاتھی پہلوان کو پچھاڑ دے گا۔ انگوٹھی کو اپنا اپنے ہاتھ میں دبائے وہ پژمردہ گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ غزال کی امید عروج پر تھی تو ایبک کی ہمت پستی کی طرف راغب تھی۔ جیت کی امید پیدا نہیں ہو رہی تھی اور ہار کا خوف جان چھوڑ نہیں رہا تھا۔ خالی انگوٹھی کیسے واپس لوٹائے گا؟ ایک عورت کے سامنے کیسے سر اٹھائے گا۔ غزال نے انگوٹھی بھیج کر اس پر قرض چڑھا دیا تھا۔ ایک قرض دار بن کر کیسے وہ اس کے سامنے جائے گا۔ اپنی تکلیف وہ سوچوں میں مگن اسے سخت چیز سے ٹھوکر لگی، وہ گرتے گرتے بچا تھا۔ خود کو سنبھال کے وہ تیر کی طرح مڑا اس کے گھر سے تھوڑا دور زمین پر درانتی پڑی تھی جس سے وہ ٹکرایا تھا وہ اسے اٹھانے کے لیے جھکا تو حیرت کی شدت سے ساکت رہ گیا۔

وہ یقیناً سانولی تھی، انتہائی اجاڑ اور ویران دکھائی دیتی تھی۔ کپڑے مٹی سے لت پت تھے اور سر کے بال گھونسلے کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر وحشت نے خوفناکی پیدا کر دی تھی۔ ایبک کو گرانے والی درانتی اٹھا کر وہ اپنے گھر کے صحن کے کونے میں کھدائی کر رہی تھی جہاں اس نے ایک چھوٹے سے سوراخ جتنا گڑھا کھود لیا تھا وہ مجنونانہ انداز میں اپنی طاقت سے کئی گنا زیادہ زور آزمائی کر کے یہ کام انجام دے رہی تھی۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ ایک ٹھوکر کھا کر اس کے پاس کھڑا اسے تک رہا تھا۔ مغرب گزرے کافی دیر ہو گئی اترتی رات میں یہ جنونی منظر...... ایبک کو ایک پل کے لیے خوف سا محسوس ہوا تھا۔ کافی ہمت جمع کر کے اس نے سانولی کو پکارا تھا۔

"کیا کر رہی ہے تو، پاگل تو نہیں ہو گئی۔ اپنا گھر توڑ رہی ہے یا کچھ نکالنا ہے زمین کھود کے آخر یہ تماشا ہے کیا؟" اس کے پے در پے سوالات کو نظر انداز کرتی سانولی کو اس نے آگے بڑھ کر جھٹکے سے اپنی طرف موڑا اور انتہائی سختی سے اپنا سوال دہرایا۔ قریب سے دیکھنے پر سانولی کی آنکھوں نے اس پر ہیبت طاری کر دی تھی۔ کاجل سے بے نیاز آنکھیں گویا زندگی سے بھی خالی تھیں۔ اتنی ویرانی شاید مدتوں بے آباد گھر میں بھی نہ ہو جتنی سانولی کی آنکھوں میں تھی۔

"زمین سے کچھ نکال رہی ہے تو؟" اب کے ایبک نے چبا چبا کے مختصراً دریافت کیا۔

"نہیں، زمین میں کچھ ڈال رہی ہوں۔" روبوٹ کی طرح ویران لبوں سے جواب نکلا ادھورا اور مبہم جواب۔

"کیا؟" ایبک نے بھی اسی کے انداز میں پوچھا۔

"اپنا بچہ۔" سانولی نے سفاکی سے کہا، لہجہ پتھر تھا مگر اس کے اندر کیسے طوفان تھے کوئی واقف نہ تھا اور ہو بھی کیسے سکتا ہے ایک ماں کے درد اور مجبوریوں کی اذیت کو

Digitized by Google

سمجھنے کے لیے دل جگر درکار ہے۔ ایک سن دماغ‘ ساکت وجود کے ساتھ کھڑا رہ گیا تھا۔ سینے میں ایک لوتھڑا تھا جو آج معمول سے ہٹ کر دھڑک رہا تھا۔ اپنی پوری زندگی میں آج پہلی بار اسے لگا کہ یہ لوتھڑا درد کے احساس سے آشنا تھا‘ وہ کون سی دنیا میں جیتا تھا‘ دنیا کی اصل صورت تو یہ تھی جو اس وقت اس کے سامنے تھی۔

”تو کیا تیرا بچہ......“ وہ اپنے الفاظ مکمل نہ کرسکا۔ پتا نہیں آج زبان تھرتھرا کیوں رہی تھی اور قدم ڈگمگائے کیوں جاتے تھے؟ اتنا بوجھل دل تو تمام عمر نہ ہوا تھا۔

”نہیں‘ ابھی زندہ ہے مگر ڈاکٹر نے کہہ دیا ہے کہ کل تک پھوڑے کو کاٹا نہیں تو پھٹ جائے گا۔ کل کی رات نہیں تڑپے گا۔ کاٹنے کے لیے پیسہ نہیں لاسکتی لیکن کل رات کے لیے اس کا بستر تو بچھا سکتی ہوں‘ وہی بنا رہی ہوں۔“ سانولی کی آنکھوں کا پانی خشک ہوچکا تھا اور زبان فریاد کرنے سے تھک چکی تھی۔ وہ روانی سے سپاٹ لہجے میں بولتی گئی۔ یہ بھی نہ دیکھا کہ ایک مردہ قدموں سے خود کو گھسیٹتا آگے بڑھ گیا تھا۔ اس روبوٹ کو اپنے بچے کی قبر تیار کرنے کے لیے تنہا چھوڑ کر۔

اکھاڑے میں گرمی عروج پر تھی اور شائقین میں جوش آسمان سے باتیں کررہا تھا۔ جہانداد پہلوان حسب سابق اپنی طاقت کا مظاہرہ کررہا تھا۔ پہلے دو مقابلوں سے پہلے اور دوسرے نمبر پر آنے والے پہلوانوں میں سے ایک تو اچھی خاصی دھنائی کے بعد واپس لوٹ چکا تھا دوسرے کی دھلائی جاری تھی جو کافی چست اور پھرتیلے پن سے اپنا دفاع کررہا تھا اور کبھی کبھی حملہ بھی کرگزرتا جو لگ کر بھی جہانداد پہلوان پر بے اثر ہوجاتا‘ اللہ جانے کون سا تیل استعمال ہوا تھا اس کے جسم پر‘ ایک اپنی باری کا منتظر تھا۔ غزال کی نگاہیں اس پر جمی تھیں جو جانے کس سوچ میں مستغرق تھا۔ وہ جان بوجھ کر غزال کی جانب دیکھنے سے گریزاں تھا جو آج شوخی کے موڈ میں قطعاً نہ تھی۔ وہ شدت سے چاہتی تھی کہ ایک ایک بار اس کے دعا کے لیے جڑے ہاتھ دیکھ لے۔ وہ اس کی جیت کے لیے آسمانی مدد کی متمنی تھی کیونکہ سب جانتے تھے کہ غیبی امداد ہی آئے تو آئے ورنہ اور کسی میں جہانداد کو زیر کرنے کا دم نہیں تھا جو پچھلے کئی سالوں سے فاتح تھا۔ بڑے بڑے پہلوان آئے اور گئے مگر انعام کی رقم اس سے کوئی چھین نہیں سکا۔ ایسے میں ایک کس کھیت کی مولی تھا وہ اکھاڑے کی مصنوعی دیواروں سے چمٹا قبل از وقت اگی مولی ہی کی طرح لگ رہا تھا۔ شدید ٹینشن میں بھی اس سوچ نے غزال کے لبوں پر ہنسی کھلادی تھی۔

ایک کے نام کی پکار ہوتے ہی غزال کے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہونے لگیں۔ تالیاں پیٹتے اس کی نظر اپنے ہاتھ پر ٹکی تھی جہاں آج خالی انگوٹھی بھی نہیں تھی۔ اس نے حسرت و خواہش کے زیر اثر ایک کی طرف ملتجی نظروں سے دیکھا جس کی جیب میں اس کی انگوٹھی اور ہمت میں دونوں کی یکجائی پوشیدہ تھی۔ حسب توقع کشتی کا منظر تھا۔ جہانداد کھلونے کی طرح ایک کو اٹھا اٹھا کے زمین پر پٹخ رہا تھا جو صرف کمر زمین سے نہ لگنے دینے کی حد تک دفاع کررہا تھا۔ اس کی ہڈیاں ایک ایک کرکے چٹختی جارہی تھیں اور حواس قابو سے باہر ہوتے جارہے تھے۔ جو سیکھا تھا کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ سارے داؤ پیچ بھول چکے تھے آخری داؤ لگایا تھا جہانداد پہلوان نے اور وہ چاروں شانے چت ہوگیا تھا۔ گرتے گرتے اس کی دھندلی آنکھوں میں چشم سرمگیں کی جھلک تھی‘ ڈوروں کی صورت میں مہارت سے کھچا سرمہ کہیں سے بھی نہ پھیلا‘ نہ بے ترتیب ہوا‘ ہنستا کھلکھلاتا بھی ناز دکھاتا‘ کبھی روٹھ جاتا کبھی ملن کی آس جگاتا تو کبھی ہجر کے گیت گاتا اور کبھی ہاں کبھی...... کیا خاموشی تھی۔ کیا تھا جو وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا مگر ذہن و دل پر چھائے جارہا تھا۔ چشم سرمگیں کی کون سی ادا تھی جو ذہن میں آنا چاہتی تھی مگر وہ آنے نہیں دینا چاہتا تھا‘ کیوں وہ سر جھٹک رہا تھا۔ کیا سوچ تھی جسے وہ جھٹلا رہا تھا۔

جہانداد پہلوان اس کے اوپر چڑھ کر کشتی کو فائنل ٹچ دینے والا تھا۔ ریفری نے ایک دو تین کی گنتی شروع

Digitized by Google

کردی۔ وہ امید کھونے والا تھا یا زندگی' دل میں شدید درد اٹھا تھا' کسی یاد نے کسی سوچ نے دل کو آری سے چیر ڈالا تھا' کس جذبے نے کس جنون نے اس کی مردہ ٹانگوں میں حرارت بھر دی تھی کہ اس نے جیت کے نشے میں دھت جہانداد پہلوان کے اپنے اوپر گرتے وجود پر ٹانگوں کی گہری ضرب لگائی عین جہانداد کے دل پر لگی اس کی لات اتنی ہی زوردار تھی جتنی پُرزور اذیت کچھ لمحے قبل کی سوچ نے اس کے دل کو پہنچائی تھی۔ تقریباً مردہ فریق اور مکمل طور پر فتح کی سوچ لیے آنے والے جہانداد کے لیے داؤ غیر متوقع تھا' وہ پیچھے کی طرف لڑھک گیا اور پیٹھ کے زمین پر لگتے ہی وہ اتنا ہی معمولی ہو گیا تھا جتنا آج تک غیر معمولی رہا تھا۔

شائقین کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ ہر نفس حیرت کی انتہائی حد پر تھا۔ ایبک کے جہانداد پہلوان پر گرتے اور تین نمبروں کی پکار ہوتے ہی فضا میں وہ مارا کے نعرے گونج اٹھے تھے۔ غیر متوقع نتیجے نے چند ہی لمحوں میں اکھاڑے کا بازار گرم کر دیا تھا۔ آتش بازی اور تالیوں کی گونج کے ساتھ ایبک دلیر پہلوان کے نعروں نے سماں باندھ دیا تھا۔ لوگوں کے کندھوں پر نڈھال سا چڑھا ایبک دلیر' غزال کی آنکھوں سے رواں خوشی اور تشکر کے آنسو لمحے بھر ہی دیکھ پایا اور غزال کی انگوٹھی ہوا میں لہرا کر خود لوگوں کے بازوؤں میں جھول گیا۔

❁.....❁.....❁.....❁

خوشگوار موسم' پُر بہار شگوفے' ہری ہری ٹہنیاں' شاداں و فرحاں محو پرواز پرندے بہار کے تمام لوازمات مکمل تھے' بہار تو کب سے آئی ہوئی تھی' تب ہی تو جشن بہاراں کا اہتمام کیا گیا تھا مگر اسے لگ رہا تھا کہ جیسے آج ہی بہار آئی ہو۔ اس سے پہلے کب اسے ہوش تھا کہ بہار ہے کہ خزاں؟! اندر کے موسم نے بدل کے باہر کے موسم کی پہچان کرائی تھی۔ ہلکی بوندا باندی نے ماحول کو اور بھی مہکا دیا تھا۔ وہ صحن میں ٹھہرے پانی میں چھن چھن پازیب بجاتی پھر رہی تھی۔ بالوں کی آرائش اور پراندے کا جھولنا الگ دیدہ زیب تھا۔ آنکھ کے کاجل میں کیا نئی بات تھی کہ خوشی سے پھیل جاتا تھا تو کچھ سوچ کر شرم سے سمٹ جاتا تھا۔ غزال اپنے ہاتھ کی واحد بغیر انگوٹھی کے انگلی کو ادا سے چومتی اور حیا سے دانتوں میں دبا لیتی تھی۔ کچھ ہی دیر میں اس کا سیاں اس کی انگلی میں نگینہ جڑی انگوٹھی پہنانے آنے والا تھا۔

ایبک دلیر لیوں پر مطمئن مسکان سجائے پُر اعتماد قدموں کے ساتھ اس کے گھر کی جانب رواں تھا۔ جیب میں رکھی انگوٹھی کو نکال کر اس نے پُر سوچ انداز میں مٹھی میں دبایا تھا۔ آج وہ مردانہ وار دلگیر پہلوان کے گھر کے اندر اپنی غزال کے روبرو ہوگا۔ اس کے چہرے پر کچھ چھا ہو جانے کا عزم تھا۔ فتح کے دن سے تین روز بعد زخموں کے نشانوں کے ساتھ وہ غزال کے دروازے پر آن رکا تھا۔ دستک کے لیے ہاتھ اٹھے نہ تھے کہ دروازہ غزال کے درد دل کے مانند بے تابی سے وا ہوا تھا۔ وہ اپنے فیصلے پر دلیری سے جما بیچ صحن میں منتظر کھڑی نکھری و مہکتی غزال کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے پر جمی تھیں۔ غزال کی آنکھوں میں فخر کا سرمہ سا آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔ وہ جس لمحے کے انتظار میں خالی انگوٹھی لیے گھومتی تھی' وہ آن پہنچا تھا۔ ایک طویل انتظار جس کے دوران اکثر اسے لگا کہ شاید وہ خالی انگوٹھی کی طرح خالی دامن ہی رہ جائے گی مگر اس کا انتظار رنگ لایا تھا اور اس کا سیاں اس کی بے رنگ زندگی میں رنگ بھرنے آ چکا تھا کمال ادا سے اس نے بند ہونٹوں اور مسکراتی آنکھوں کے ساتھ اپنی ہتھیلی ایبک دلیر کے آگے پھیلا دی تھی۔

ایبک کی نگاہوں میں اطمینان اور سکون کا ٹھنڈا سا احساس تھا' وہ احساس جو طوفان گزر جانے کے بعد ہر چیز پر طاری ہو جاتا ہے۔ ایبک نے پُر اعتماد طریقے سے ہاتھ کی ہتھیلی کو غزال کی کمزور ہتھیلی پر کھول دیا تھا۔ انگوٹھی ہاتھ سے ہاتھ منتقل ہو گئی تھی۔ غزال نگاہوں سے صدقے اتارتی اپنی ہتھیلی پر جھکی تھی مگر انگوٹھی پر نگاہ پڑتے ہی دنگ رہ گئی تھی اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر شدید حیرانی سے ایبک

Digitized by Google

کی طرف دیکھا۔ اس کی شوخی سراسیمگی میں بدل گئی تھی۔ انگوٹھی ہنوز نگینے سے خالی تھی۔

"انعام کی رقم ابھی تک نہیں ملی کیا؟" اس نے اپنی فکر پر قابو پاتے ہوئے وجہ دریافت کی۔

"اسی روز مل گئی تھی۔" ایبک کا انداز پُراسرار تھا جن پر اب غزال کی توجہ گئی تھی۔ وہ اس کی مسلسل خاموشی کو جانے کیا سمجھ بیٹھی تھی۔ ایبک کے جواب پر اس نے بھنویں اچکاتے "تو" کا اشارہ کیا۔

"غزال میں صرف اپنے لیے جیا کرتا تھا' کیا کھانا ہے' کیا پہننا ہے' کیسے رہنا ہے پھر تو آئی میری زندگی میں تب میں نے جانا' جینے کے لیے زندگی میں کچھ اور بھی چاہیے اور وہ ہے سنگت اور جب تیرے لیے جینے لگا تو زندگی نے ایک سبق اور دیا۔"

"کیا؟" ایبک جو تمہید بیان کر رہا تھا' غزال نے بے صبری سے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا' کہیں دور پنواڑی کی دکان پر ریکارڈ بج رہا تھا۔

"اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا"

ایبک نے غزال کی چشم سرمگیں میں جھانکتے ایک ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے اس کی آنکھ کے کنارے سے بھیگتا پھیلتا کاجل صاف کیا اور خود کلامی کرتے ہوئے بولا۔

"چشم سرمہ کی کہانی۔"

"کسی اور کے نینوں کا کاجل بھا گیا ہے تجھے؟" غزال شدید تپ کے بولی۔ اسے صرف نگینے کا جواب چاہیے تھا۔ ایبک کی کہانیوں سے اسے دلچسپی نہیں تھی۔

"فضول مت سوچ' نہ بول' صرف سن وہ بات جو شاید تجھے اچھی نہ لگے مگر سچ ہے میں نے کچھ پانے کے لیے تقدیر سے لڑنا تیرے لیے سیکھا' میں اکھاڑے میں اترا تیرے لیے' میں نے انعام پانا چاہا تو صرف تجھے پانے کے لیے مگر میں جیتا تو صرف ایک سرمگیں چشم کی حرمت کے لیے۔ میرے پاس صرف تیری خالی انگوٹھی نہیں تھی' میرے گھر سے چند قدم دور ایک خالی قبر بھی تھی۔ میں ہار جاتا تو تیری انگوٹھی تو نہ بھرتی مگر وہ خالی قبر ضرور بھر جاتی۔

ایک ماں کی دعائیں التجائیں' ایک ننھی تکلیف سے چور جان اور ایک ماں کا بے حرمت ہوا کاجل..... سب ہار جاتے۔ میں لڑا تیرے لیے تھا غزال مگر جیتا اس ماں کے لیے ہوں۔ جب جہانداد پہلوان نے زمین پر پٹخا تو تیرے نینوں کی رنگینی میں بدہوش تھا' ہوش دلایا تو بے مول ہوئے چشم سرمہ کی بے وقعتی نے' میں نے داؤ آزمایا یہ سوچ کر کہ اگر مجھے اس روپے سے تیری خالی انگوٹھی کے لیے زمرد کا پتھر خریدنا ہوا تو جہانداد پہلوان صرف پیچھے لڑھک جائے گا اور اگر یہ انعام کسی ماں کی گود کو اجڑنے سے بچانے کے لیے ہے تو جہانداد پہلوان ڈھیر ہو جائے گا اور جو کچھ ہوا تو نے دیکھ ہی لیا' میری لات میں اثر نہیں تھا' ایک ماں کی دعا مقبول ہوئی تھی سو جس کا حق تھا اسے مل گیا۔ تیری خالی انگوٹھی تو کوئی بھی بھر دے گا اور کبھی بھی مگر اللہ کا کرم ہے کہ وہ خالی قبر بھرنے سے بچ گئی۔ آج کے بعد بھول جانا کہ ایبک' دلیر بھی تھا۔ بزدل کہہ کر بھلا دینا۔"

ایبک نے ساری حکایت اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہی تھی مگر آخری الفاظ سر جھکا کر ادا کرتا واپس پلٹ گیا۔ خالی ہاتھ' غزال کی خالی انگوٹھی کی طرح۔

"صحیح کہا تو نے' نگینہ جڑنے والا تو کوئی بھی آ جائے گا مگر تجھ سا دلیر کبھی پیدا نہیں ہوگا' یاد رکھنا یہ آخری اکھاڑہ نہیں تھا زندگی کا اور نہ ہی امید کی آخری کرن۔" غزال نے اس کے عقب سے صدا لگاتے اس پر پانی کا چھینٹا پھینکا جو تہی دامن ضرور لوٹ رہا تھا مگر شکست خوردہ نہیں تھا' زندگی نے دونوں کو سبق پڑھا دیا تھا۔

دلیر وہ نہیں جو میدان مار لے' دلیر وہ ہے جو دل جیت لے۔

میری عید پاکستان

انعم خان

گاڑی اسپانسس شملہ پاک انڈوگروسری شاپ کے بالکل سامنے پارک تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ خالی تھی۔ جاذب چند منٹ پہلے ہی نویرہ کو گاڑی میں ہی رکنے کا کہہ کر گروسری شاپ کے اندر گیا تھا۔ نویرہ نے اس کی بات پر نظریں موبائل اسکرین پر جمائے محض اثبات میں سر ہلایا تھا۔

پچھلے کچھ دنوں سے اس کی طبیعت بھی بوجھل تھی۔ دل بھی اکتایا سا رہنے لگا تھا۔ بچے اسکول میں تھے۔ کچن میں کافی سامان ختم تھا اور وہ شروع سے ایشیائی چٹ پٹی چیزوں کی دلدادہ تھی۔ جاذب گھر میں تھا سو بچوں کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ شاپنگ کے لیے آ گئی مگر پھر پارکنگ کے بعد موبائل پر بہن کے میسج اور بوجھل طبیعت کے باعث رکنے کو ترجیح دی۔ میسج کا جواب دینے کے بعد اس نے موبائل سائیڈ پر رکھا اور نظر اٹھا کر ارد گرد دیکھنے لگی۔ یوں ہی ادھر ادھر دیکھتے اچانک اس کی نگاہ گروسری شاپ کے داخلی دروازے پر ٹھہر گئی۔ اول تو وہ حیران ہوئی مگر اگلے چند لمحوں میں متعجب نگاہیں طمانیت کے تمام رنگ سمیٹے مسکرائی تھیں۔ گروسری شاپ کے داخلی دروازے کے شیشے پر سبز ہلالی پرچم چسپاں تھا۔

❀......❀......❀

نویرہ احمد توصیف احمد اور شائستہ بیگم کی منجھلی بیٹی تھی۔ اس سے بڑی شمائلہ اور چھوٹی زیمل تھی جبکہ تینوں بہنوں سے چھوٹا ان کا اکلوتا بھائی عبدالاحد تھا۔ توصیف احمد کے بڑے بھائی اعجاز احمد اور بھابی شمع بیگم کے پانچ بچے علینا، حمزہ، سعد، عائرہ اور عذیر تھے۔

اعجاز احمد اور توصیف احمد شروع سے ایک ہی گھر میں دو الگ الگ پورشنز میں رہائش پذیر تھے۔ دونوں بھائیوں میں باہم اتفاق اور گہرا انس تھا۔ جو دونوں گھرانوں کے بچوں میں بھی منتقل ہوا تھا۔ گھر کا ماحول ابتدا سے پُرامن اور محبت سے بھرا تھا۔ جس نے گھر کے ہر مکین کے دل میں وسعت پیدا کی تھی اور معمولی بگاڑ کو بھی گھر کی دہلیز پار کر کے اندر داخل ہی نہیں ہونے دیا تھا۔ ان دونوں کی ایک ہی بہن سامعہ تھیں۔ جن کی شادی خالہ زاد منظور احمد سے ہوئی تھی۔ ان دونوں کے بھی پانچ بچے شہباز، عظیم، جاذب، عافیہ اور سکندر تھے۔

شہباز اور عظیم شادی شدہ تھے۔ دونوں کی شادی خاندان سے باہر غیروں میں ہوئی تھی اور دونوں کی بیویوں کا رویہ سب خاندان والوں کے ساتھ تقریباً غیروں والا ہی تھا۔ دونوں کے دل کشادہ تھے نہ باہم اتفاق کے لیے کبھی دونوں میں سے کسی نے کوشش کی تھی۔ ہر گھر کی طرح سامعہ بیگم کے گھر کی فضا میں بھی کبھار سنگینی و تلخی گھل جاتی۔ دونوں بہوؤں میں صبر کا مادہ بہت کم تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ضبط ہار جاتیں۔ شوہروں سے منہ ماری کرتیں، بچوں کی وجہ سے آپس میں الجھتیں، ساس یا سسر کی طبیعت خراب ہو جاتی تو چار قدم دور کھڑی ہوتیں۔ شہباز اور عظیم کو برا بھی لگتا، بیویوں کی وجہ سے ماں باپ کے سامنے شرمندہ بھی ہوتے لیکن وہ دونوں بیٹوں کو صبر اور تحمل کا مشورہ دیتے۔ بچوں کے مستقبل اور پرورش کی خاطر تمام چپقلش بھولنے کا کہتے۔ خود بھی بہوؤں کے رویے کو ذہن پر سوار نہ کرتے، گھر کی بات چادر دیواری کے اندر رکھنے کے ہی قائل تھے۔

اعجاز احمد کی بیٹی علینا اور بڑا بیٹا حمزہ بھی شادی شدہ تھے۔ دونوں صاحب اولاد بھی تھے۔ توصیف احمد کی بڑی بیٹی شمائلہ کی شادی اعجاز احمد کے بہت قریبی دوست کے بیٹے سے ہو چکی تھی۔ اعجاز احمد اپنی سب سے لاڈلی بھتیجی نویرہ کو بہو بنانا چاہتے تھے لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی خواہش کو زبان پر لاتے ان کی بہن سامعہ نے اپنے بیٹے جاذب کی پسند پر بناء کوئی اعتراض کیے اس کی خوشی کے لیے توصیف احمد سے نویرہ کا ہاتھ مانگ لیا تھا۔

Digitized by Google

جاذب خوش شکل، با اخلاق اور ہر لحاظ سے قابل تھا کچھ سال پہلے پڑھائی کے سلسلے میں آسٹریلیا گیا تھا، پڑھائی کے بعد وہیں نوکری مل گئی اور پھر مستقل وہیں رہائش پذیر ہوگیا لیکن اس دوران ایک چہرہ کبھی اس کی یادوں سے محو نہیں ہوا تھا اور وہ چہرہ اس کی اولین محبت نوریہ احمد کا تھا۔

سامعہ بیگم نے جب اس کی شادی کی بات کی تو جاذب سے اس کی پسند پوچھنا لازمی جانا اور اب اس کی پسند جاننے کے بعد سامعہ بیگم نے اپنے بیٹے کی خواہش کا احترام کیا۔ اس رشتے پر دونوں گھرانوں میں سے کسی کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا یوں چند ماہ بعد ہی دونوں کی شادی کردی گئی تھی۔ ایک ماہ بہت جلدی گزر گیا۔ خاندان بھر میں دعوتوں کا سلسلہ بھی تمام ہوا۔

"میرے بعد کیا کروں گی؟" جاذب نے شریر نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے ناسمجھی کے عالم میں پوچھا۔

"مطلب یہ کہ دو ماہ بعد میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"آپ میری مسکراہٹ ساتھ لے جائیں گے۔" وہ یک دم اداس ہوئی۔

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ اور میری غیر موجودگی میں بھی تم بہت خوش رہو۔" دل کی آواز کو اس نے زبان دی۔

"اور مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کے بغیر خوش تو کیا، صرف زندہ بھی کیسے رہوں گی؟" اس کا لہجہ مدھم ہوا۔

جاذب نے خمگین نظروں سے اسے گھورا۔

"خبردار..... ایسے مت کہو..... ورنہ میں وہاں تمہارے لیے پریشان رہوں گا بلکہ میرا دل جانے سے انکاری ہوجائے گا۔" محبت بھرے لہجے میں ڈپٹا۔

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ واپس نہ جائیں؟" محبت کے ہاتھوں مجبور ہوکر وہ بولی۔

"نہیں نوریہ..... جانا ضروری ہے۔ محبت بے شک زندگی میں لازم ہے۔ میاں بیوی کے رشتے کے لیے اہم ہے لیکن میں باقی رشتوں کو بھی تو نظر انداز نہیں کرسکتا۔

شہباز بھائی اور عظیم بھائی یہاں جاب کرتے ہیں' شادی شدہ ہیں' دونوں کے بچے ہیں لیکن ان کی آمدنی اتنی نہیں کہ وہ بیوی بچوں کے ساتھ امی لو یا عافیہ اور سکندر کی مکمل ذمے داری اٹھا سکیں۔ پردیس کاٹنا بہت دشوار ہے۔ اپنوں سے دور رہنا' اکیلے رہنا' خوشی غم میں سب سے دور رہنا بہت کٹھن ہے اور بھی سو مسائل ہوتے ہیں۔ کھانا کھانے تک کی کبھی کبھار فرصت نہیں ملتی۔ ٹائم ہو بھی تو تھکاوٹ کی وجہ سے پکانے کو دل نہیں کرتا لیکن پھر بھی کسی نہ کسی کو تو سب کے لیے سوچنا پڑتا ہے اور میں کم از کم سب کے لیے سوچنا چاہتا ہوں' اپنی ذمے داری نبھانا چاہتا ہوں۔" جاذب ایک دم سنجیدہ ہوا۔

نوریہ نے تحمل سے اسے سننا اور بولنے سے گریز کیا' اتنی کم عقل تو وہ بھی نہ تھی کہ محض اپنے لیے ضد کرتی۔

"اور مجھے یقین ہے تم میری بات سمجھو گی..... میں ہر سال آؤں گا..... مجھے یقین ہے میرے جانے کے بعد سب تمہیں بہت محبت دیں گے' تمہارا خیال رکھیں گے۔" جاذب نے اس کی خاموشی اور سنجیدگی کو رفع کرتے ہوئے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

❁.....❁.....❁

جاذب کی واپسی کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ نوریہ کے گھر والے صبح جاذب سے ملنے آئے تھے۔ البتہ ان کے جانے کے بعد اب جاذب سے جدائی کا خیال نوریہ کے لیے کسی آزمائش سے کم نہیں تھا۔

"اپنا بہت خیال رکھنا نوریہ۔" بیگ گاڑی میں رکھنے کے بعد وہ کمرے میں اس سے ملنے آیا تھا' وہ منہ لٹکائے کھڑی تھی۔ جاذب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تب ہی اس کا ضبط تمام ہوا۔ آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر گالوں پر پھسل گئے تھے۔

"یوں روتے ہوئے الوداع کرو گی تو سارے راستے میں بے قرار رہوں گا۔" جاذب نے اسے قریب کیا۔ اس نے آنسو صاف کیے۔

"میں آپ کو بہت یاد کروں گی۔" وہ افسردہ ہوئی۔

"میری محبت بھی تمہاری یادوں کی پابند رہے گی۔" دل تو اس کا بھی اداس تھا۔ کئی پل ان کے قربت میں خاموشی سے گزرے۔ جاذب کو شہباز بھائی کی آواز سنائی دی تو نوریہ کے سنگ باہر آیا۔ باقی سب سے ملا اور دعاؤں کے حصار میں روانہ ہوا۔ لو اور عظیم بھائی اسے ایئرپورٹ چھوڑنے گئے تھے۔

جاذب نے آسٹریلیا پہنچتے ہی اپنی خیریت کی اطلاع دے دی لیکن اس کے جاتے ہی گھر پرایا پرایا لگنے لگا تھا۔ اداسی کے آثار چہرے پر بھی نمایاں تھے۔ پھوپو کو اس کی کیفیت کا اندازہ تھا اسی لیے دو دن بعد اسے میکے رہنے بھیج دیا۔ میکے آتے ہی بہن بھائیوں کی سنگت' اور امی لو کی محبت اسے اداسی کے خول سے باہر کھینچ لائی تھی۔ تایا لو بھی خاص اس سے ملنے آئے تھے۔ مائرہ بھی فراغت ملتے ہی اس کے پاس آ جاتی۔ جاذب سے بھی چار پانچ بار موبائل پر طویل گفتگو ہوئی تھی۔ میکے میں دو ہفتے سرعت سے گزر گئے۔ پھوپو' منظور احمد اور عافیہ اسے لینے آئے تھے۔ وہ سسرال واپس آ گئی۔ اس بار کمرے میں تنہائی تو تھی مگر دل سنبھل گیا تھا۔

اس نے باقاعدہ گھر کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ نیا معمول ترتیب دیا چکا تھا۔ عافیہ اور سکندر اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گئے تھے۔ عافیہ یونی جاتی اور سکندر کالج..... ناشتے کے بعد وہ کچن سمیٹتی کیونکہ تحریم بھابی اپنے تینوں بچوں کو اسکول بھیجنے کے بعد ناشتہ کرتیں اور ثانیہ بھابی دونوں بیٹیوں کو اسکول بھیجنے کے تقریباً ایک گھنٹہ اپنے بیٹے عمار کے ساتھ تمام کام چھوڑ کر گزارتیں۔ پہلے جاذب کی موجودگی اور نئی نویلی دلہن ہونے کی وجہ سے وہ کچن سے دور رہی۔ پھوپو نے اسے کسی کام کو ہاتھ نہ لگانے دیا مگر اب کچھ دن بعد بڑی بہوؤں کی ذومعنی باتوں نے گھریلو عدالت میں ڈھکی چھپی کارروائی کا آغاز کروایا۔ نوریہ کو پھوپو کے ذریعے ذمے داریاں سونپی گئیں۔ جنہیں چہرے پر شکن لائے بغیر اس نے قبول کر لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

گھر کی فضا پُرسکون تھی۔ سب اپنی اپنی جگہ خوش تھے سوائے اس کی دونوں جٹھانیوں کے اور اس بات کا اندازہ اسے اپنی ذمے داریاں سنبھالنے کے کچھ دن بعد ہوا اور یہ سب سمجھ کر وہ ششدر رہ گئی۔ ان دونوں کو نویرہ سے خوامخواہ کی ضد تھی۔ وہی روایتی جٹھانی دیورانی کی چپقلش' وہی کینہ' وہی حسد جو ہر دوسرے تیسرے گھر میں فساد کی جڑ ہوتا ہے۔ چہرے پر جھوٹی' کھوٹی' پھیکی مسکراہٹ اور باطن منافقت کے کالے رنگ سے رنگا..... انہیں اس کے اٹھنے بیٹھنے میں کجی نظر آتی۔ وہ مسکراتی تو نجانے ان دونوں کے کون سے زخم ہرے ہو جاتے۔ وہ عافیہ سکندر' پھوپو اور منظور احمد کے ساتھ وقت بتاتی تو وہ دونوں اسے خوشامد کا نام دیتیں۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ نویرہ کی سرشت میں منافقت و دکھاوا شامل تھا' نہ فطرت میں چال بازی تھی اور نہ سوچ اس قدر دقیانوسی تھی کہ ظاہر و باطن میں تضاد لاتی۔ وہ جیسی تھی' ویسے ہی ہر ایک سے پیش آتی۔ اس لیے دل کو ان دونوں کے لیے کشادہ کیا۔ وہ اپنی جگہ کھڑی تھیں' نویرہ نے کثافت مٹانے کے لیے قدم آگے بڑھانے کی مثبت سوچ کے ساتھ پیش رفت کی۔ ان دونوں کے دل و دماغ اپنے لیے صاف کرنے چاہے مگر یہاں وہ بری طرح ناکام ہوئی۔ وہ جب بھی ان کے پاس جاتی' دونوں اوّل تو بیزاری نظر آتیں پھر توقف بعد کسی نہ کسی بہانے سے اٹھ جاتیں۔

"اوہ..... زریاب گر گیا ہے۔"

"حسیب کو بھوک لگی ہوئی ہے' اسے کچھ بنا دوں۔"

"عظیم کے کپڑے استری کرنے ہیں۔"

"بچوں کو ہوم ورک کروانا ہے۔"

ایسی ہزار باتیں سامنے آتیں۔ یوں نویرہ کو اپنا آپ نظر انداز ہوتا محسوس ہونے لگا۔ دل بھی خفا تھا لیکن یہ بات اس نے اپنے تک ہی رکھی تھی۔ وہ ان دونوں کی طرح ان باتوں کو اہمیت دے کر کسی کو خوامخواہ پریشان بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ کچن سے فراغت کے بعد لاؤنج میں بیٹھی تھی جب کچھ ہی فاصلے پر تحریم بھابی کے تینوں بچے زریاب' حسیب' ہادیہ اور ثانیہ بھابی کی دونوں بڑی بیٹیاں کشف اور زینب کھیل رہے تھے۔ خود ثانیہ بھابی عمار کو کمرے میں سلا رہی تھیں۔ نویرہ دور سے انہیں ہاتھ ہلاتی ٹی وی کھول کے بیٹھ گئی لیکن چند ہی ثانیوں بعد ایک دم ماحول میں شور گونجا' اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔

کشف' ہادیہ اور زینب کسی بات پر پہلے الجھیں پھر ہاتھوں اور پاؤں کو استعمال میں لایا گیا۔ زریاب اور حسیب نے بھی آناً فاناً بہن کا دفاع کیا۔ وہ فوراً سے پہلے اٹھی' بہت دقت سے ان سب کو الگ کیا' الگ کرتے اسے محسوس ہوا جیسے اس کا ناخن کسی ایک بچے کو چبھا ہو مگر اس نے اس وقت دھیان دیے بغیر انہیں چھڑانا ضروری سمجھا۔ اسی دوران اپنے بچوں کی چیخ و پکار سن کر وہ دونوں بھی وہاں آن پہنچی تھیں۔ وہاں کا منظر' بچوں کی بگڑی حالت' روتی آنکھیں اور سب سے بڑھ کر وہاں نویرہ کی موجودگی.....

ان کا پارہ خود بخود ہائی ہو گیا۔ ثانیہ بھابی خوب لڑائی جھگڑا کرتی تن فن کرتیں اپنے کمرے میں بچیوں کو لے کر چلی گئیں مگر تحریم بھابی کو اس تمام واقعے کے دوران نویرہ کی خاموشی کھٹکی۔ زہر خند نظروں سے اسے گھورا۔

"بڑی خوشی ملی ہوگی بچوں کو لڑا کر۔" طنزیہ' تضحیک بھرے لہجے میں تیر پھینکا۔ وہ ان کے انداز پر ششدر رہ گئی۔

"بھابی.....! میں نے انہیں نہیں لڑوایا..... میں تو انہیں چھڑا رہی تھی۔" جبکہ صفائی پیش کرتے ہوئے بھی اسے شرمندگی محسوس ہوئی۔

"بس بی بی..... سب سمجھتی ہوں میں' ہمیں خود کچھ کہنے کی جرأت نہیں تو بچوں کے ذریعے دل کی بھڑاس نکال رہی ہو..... شرم آنی چاہیے تمہیں۔" وہ تنک کر بولیں۔

ایک نخوت بھری نگاہ اسے پر ڈالے تینوں بچوں کو لیے چلی گئیں مگر اس کے قدم جامد رہ گئے تھے۔ چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ ثانیہ بھابی کشف کو لیے خونخوار انداز میں باہر آئیں اور آتے ہی اس پر چڑھ دوڑیں۔ کشف کی کلائی

Digitized by Google

اس کے سامنے کی جہاں ناخن گہرائی سے لگنے کی وجہ سے خون نکل رہا تھا۔ کشف کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو جمع تھے۔ ثانیہ بھابی کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

"کیا ہے یہ.....؟ کون سی دشمنی نکال رہی ہو میری بچیوں پر..... مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ۔ بچی کو مارتے ہوئے شرم نہیں آئی۔" وہ بھڑکی۔

"بھابی یہ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا..... انہیں چھڑاتے ہوئے غلطی سے لگ گیا ہوگا۔" جھجکتے ہوئے انہیں وضاحت دی۔ ایک لمحے میں اپنا آپ مجرم لگنے لگا تھا۔

لیکن یہ دلیل ثانیہ بھابی کے لیے ناکافی تھی۔ وہ بھی خوب بھڑاس نکال کے تن فن کرتی واپس چلی گئیں۔ وہ مردہ قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں آ گئی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد مارکیٹ سے واپس آنے کے بعد عافیہ اس کے کمرے میں آئی تھی لیکن سامنے نویرہ کا اترا چہرہ اور روتی آنکھیں دیکھ کر گھبرائی اور تھوڑی دیر بعد امی کے ساتھ واپس آئی۔ سامعہ بیگم بھی اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئیں ان کے پوچھنے پر اس نے غمزدہ آواز میں تمام صورت حال ان کے گوش گزار کی انہوں نے افسوس کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ پھر اسے تسلی دی۔ بہوؤں سے باز پرس کی تو بچوں کو بھی سمجھایا۔ دونوں بہوں نے اسے مجرم بنا دیا تھا۔ اس نے چپ سادھ لی مگر اسی وقت تہیہ کر لیا تھا کہ آئندہ محتاط رہے گی کبھی ان کے کسی معاملے میں بھلائی کے لیے بھی ٹانگ بالکل نہیں اڑائے گی۔

اس نے سسرال کی کوئی بات کبھی میکے میں نہیں کی تھی لیکن پہلی بار دل شدید یاسیت کا شکار ہوا تھا۔ پہلی بار ہی اس نے جاذب کی کال آنے پر تمام معاملہ اسے سنایا تھا۔ جسے سننے کے بعد جاذب نے اسے مطمئن رہنے اور سب بھولنے کی صلاح دی۔ جٹھانیوں کی طرف سے سرد جنگ جاری تھی۔ چپقلش بڑھتی جا رہی تھی۔ ذہنی سکون غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ اس دوران ایک سوچ تمام سوچوں پر حاوی ہوئی۔ ایسی سوچ جو اسے اپنے سکون کی واحد وجہ لگی تھی۔

اپنی سوچ کو مناسب لفظوں میں ڈھال کر جاذب کے گوش گزارا۔ جسے تحمل سے سننے کے بعد اس نے ایک لمبی سانس خارج کی اور پھر سنجیدگی سے بولا۔

"یہ مسئلے کا حل نہیں ہے نویرہ..... ہر گھر میں یہ مسئلہ ہوتا ہے۔ چھوٹی موٹی لڑائیاں، بحث اور بلاوجہ کی تکرار ہوتی رہتی ہے۔ سب اس صورت حال سے گزرتے ہیں۔ صبر و تحمل سے سامنا کرتے ہیں۔ یہ ایسے رشتے ہیں جن سے فرار ناممکن ہے، ممکن ہے تو صرف دلوں میں گنجائش پیدا کرنا، اونچ نیچ کو نظر انداز کرنا..... ایک دوسرے کی عزت کرنے سے ہی رشتے مقدس ہوتے ہیں۔ تم تو بہت سمجھدار ہو نویرہ..... سوچ میں وسعت لاؤ، کچھ عرصہ صبر کرو۔" جاذب نے اسے فی الحال سمجھانے کو ہی ترجیح دی جانتا تھا کہ اس وقت وہ جذباتی ہو رہی ہے۔

"علیحدگی ہی اس مسئلے کا واحد حل ہے جاذب، میں ان کے ساتھ اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔" نویرہ نے ذرا سمجھنے کی کوشش نہ کی۔

"نویرہ....."

"نہیں جاذب..... مجھے آسٹریلیا میں آپ کے ساتھ رہنا ہے....." وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

"لیکن....."

"آپ مجھے مت ٹالیے گا..... میں جانتی ہوں آپ مجھے وہاں لے جا سکتے آپ کے پاس پی آر بھی ہے اور آپ اس قابل بھی ہیں کہ مجھے اپنے ساتھ رکھ سکیں۔ اگر آپ کو مالی مسائل یا کوئی اور دقت ہوتی تو میں ایسا کبھی نہ سوچتی مگر ایسا کچھ نہیں ہے اور آپ نے کہا بھی تھا کہ آپ پی آر ملنے کے بعد مجھے آسٹریلیا لے جائیں گے۔" وہ سب سوچ چکی تھی لہجہ بے لچک تھا۔

"آپ نے مجھ سے محبت کی شادی کی ہے، اب اس محبت کو نبھائیں۔ مجھے مثبت جواب چاہیے۔" وہ پہلی بار اس انداز میں اس سے مخاطب تھی۔

جاذب نے بحث مزید بڑھائے بغیر اس سے اجازت

لی اور کال بند کردی۔ نویرہ کی ضد اور ذہنی کیفیت نے کئی دن اسے الجھائے رکھا۔ اگر گھر میں بھائیوں سے ان کی بیویوں کے رویے کی شکایت کرتا تو ان کے اپنی بیویوں سے تعلقات خراب ہوسکتے تھے گھر کا ماحول ناخوش گوار ہوسکتا تھا۔ نویرہ کو پاس بلانا ناممکن نہیں تھا لیکن فی الحال وہ اسے بلانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنے دو بڑے فرض پورے کرنا چاہتا تھا سکندر اور عافیہ کی تعلیم پھر عافیہ کی شادی اور سکندر کی جاب تک کو وہ سوچتا رہتا تھا۔ اب بھی سوچ رہا تھا لیکن اس دوران نویرہ کے تواتر سے ملتے میسج الگ سوچ میں خلل ڈال رہے تھے۔ جاذب نے اگلے دن اسے کال کی نویرہ کی وہی باتیں تھیں۔ جسے سننے کے بعد وہ رسان سے بولا۔

"نویرہ...... مجھے تھوڑا سوچنے کا وقت دو۔" نویرہ نے اسے خاموشی سے وقت دے دیا تھا۔

اگلے دن شام کے وقت وہ اس سے بات کررہا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں نویرہ نے اپنے مطلب کی راہ ہموار کی۔

"پاکستان میں سکون نہیں ہے جاذب...... ایک دوسرے کی زندگی میں دخل اندازی سے لے کر گھریلو سیاست دن بھر کی بے ہنگم روٹین فضول ڈسکشن بجلی پانی گیس کے مسائل ٹریفک جام کان کے پردے پھاڑتے ہارن ٹوٹی سڑکیں مہنگائی بیروزگاری مسیحائی کے نام پر لٹیرے ڈاکٹر بدترین سیاست دھرنے دہشت گردی دن دہاڑے چوری قتل وغارت گرمیوں سردیوں کے مسائل اور تعلیمی نظام...... کچھ بھی تو ٹھیک نہیں ہے یہاں...... کوئی سہولت میسر نہیں کوئی فرد مطمئن نہیں میں تو بالکل مطمئن نہیں ہوں۔" نہایت سنجیدگی سے اس نے نیا مدعا اس کے سامنے رکھا۔ دوسری جانب جاذب حیران پریشان رہ گیا تھا۔

"نویرہ...... کسی بھی مسئلے سے فرار کے لیے اپنی اصل کو بدامت کہو......" نویرہ نے تحمل سے اسے ٹوکا۔

"میں نقص نہیں نکال رہی...... یہ اٹل حقیقت ہے میں

aanchalpk.com
مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ
نئے افق
کراچی
شائع ہوگیا ہے
لفظ لفظ لفظ ہنگامے سطر سطر تجسس سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی
مغربی ادب سے انتخاب
جرم وسزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں
اس کے علاوہ
خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے
اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق
کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

Digitized by Google

یا آپ اسے نظر انداز نہیں کر سکتے اور اگر آپ کو ایسا لگتا بھی ہے تو اس کی ایک وجہ ہے کہ آپ یہاں نہیں رہتے' آپ ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں زندگی میں سکون بھی ہے اور ہر سہولت موجود بھی' ایک ترقی یافتہ ملک میں رہتے ہوئے ترقی پذیر ملک کے مسائل کو نظر انداز کرنا بہت آسان ہے' آپ کو بھی یہ مسائل معمولی لگ رہے ہوں گے مگر میرے لیے یہ معمولی نہیں ہیں۔ نہ میرے اختیار میں ان مسائل کے حل ہے..... اختیار ہے تو اپنا حق مانگنے کا' آپ کے ساتھ رہنا میرا حق اور مجھے اپنے ساتھ رکھنا آپ کا فرض ہے۔" وہ بے لچک انداز میں بولی۔ جاذب اس کی ذہنی کیفیت سمجھ چکا تھا۔ وجہ بھی جانتا تھا۔

"اور سب سے اہم بات....." نویرہ نے یاد آنے پر بات آگے بڑھائی۔

"میں چاہتی ہوں جب ہمارے بچے ہوں تو وہ اس ماحول میں نہ پلیں بڑھیں یہاں پیدا نہ ہوں' یہاں اس گھر کے بچوں کی طرح نہ ہوں' جنگلی' شور شرابے والے..... میں انہیں ایک پُرامن ملک میں سانس لیتا دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے اپنے کیس پر آخری مہر ثبت کرتے ہوئے دوٹوک کہا۔ جاذب کو اس کہ اس بات پر افسوس ہوا۔ وہ بچے جن کا ابھی تک نام و نشان تک نہ تھا' انہیں وہ اپنے فرار کے لیے ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہ رہی تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔"

"ہم اب بات نہیں کریں گے جاذب..... آپ نے بس آخری فیصلہ کرنا ہے' فیصلہ میرے حق میں ہونا چاہیے جاذب..... ورنہ میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔" اس نے یہ کہتے ہوئے اس کے جواب کا بھی انتظار نہ کیا اور کال بند کر دی' جاذب ہونٹ بھینچ کر رہ گیا تھا۔

کئی دن سوچ و بچار میں غرق رہا' اسے کال کی مگر اس نے کال ریسیو ہی نہیں کی۔ اس نے امی کو کال کی' ان سے کہہ کر نویرہ سے بات کرنی چاہی' نویرہ نے پھوپو کے سامنے چپ چاپ موبائل تو لے لیا مگر نہ اس کی باتوں کو دلچسپی سے سنا نہ خود کوئی بات کی' اس نے توقف بعد کال بند کر دی۔

بالآخر جاذب محبت اور اس کی خاموشی کے آگے ہار گیا تھا۔ نویرہ کو معلوم تھا کہ جاذب جلد یا بدیر اس کے لیے مان جائے گا۔ البتہ اس کی خوشی دیدنی تھی۔ اپنی خوشی کا اظہار بھی اس نے کھل کر کیا تھا۔

"آسٹریلیا آنے کی بات تم نے کسی سے کی تو نہیں؟" جب وہ انبساط کے رنگوں میں رنگ گئی تو جاذب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں..... لیکن اب بتاؤں گی۔"

"تم کسی کو کچھ مت بتانا' نہ یہ کہ تمہاری خواہش پر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے' میں خود سب کو بتاؤں گا۔" جاذب نے اسے منع کیا۔

اس نے فوراً رضامندی ظاہر کی کچھ ہی دیر بعد اس نے لو کو کال کی' امی بھی قریب ہی تھیں۔ اسپیکر آن تھا' اس نے پہلے ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ پھر اصل بات کی طرف آیا۔

"لو میں چاہتا ہوں کہ نویرہ کو کچھ سالوں کے لیے اپنے پاس بلالوں۔ یہاں میرے سب دوستوں کی فیملیز ان کے ساتھ ہیں' آپ کیا کہتے ہیں؟" کہتے ہوئے پوچھا۔

ان دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اپنے فرماں بردار بیٹے کی خوشی انہیں عزیز تھی۔ وہ تنگ ذہن بھی نہ تھے۔ پہلے دو شادی شدہ بیٹوں کی زندگیوں میں بھی انہوں نے کبھی کوئی دخل اندازی نہیں کی تھی۔ نویرہ نے بھی ہمیشہ انہیں عزت دی تھی۔ بیٹیوں کی طرح ان کا خیال رکھا تھا۔ اس کی خوشی کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے ان دونوں کے لیے انکار کی گنجائش ہی نہ تھی۔ انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ جاذب کی مشکل آسان ہو گئی تھی۔ اسے لگا شاید وہ اتنی آسانی سے نہ مانیں لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا' اس نے شکر ادا کیا ساتھ ہی انہیں بتایا۔

"میں پھر اپلائی کرتا ہوں۔ میرا کچھ ماہ تک آنے کا بھی ارادہ ہے۔ جب تک نویرہ کا ویزہ بھی لگ جائے گا پھر

Google

میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔" بات ختم کر کے انہوں نے نوریہ کو بلایا' اسے جاذب کی کال کے متعلق بتایا' وہ خاموش مگر مسکراتے چہرے کے ساتھ سنتی رہی البتہ بھابیوں کا ردعمل حسب توقع تھا۔

"ایسی ہوتی ہیں تیز طرار لڑکیاں..... ساس سسر کی خدمت میں چھپی خوشامد کام آ گئی' کیسے شوہر کو قابو میں کرلیا۔ اب ہر فکر سے بھی آزاد ہو جائے گی' نہ گھر بار کی فکر نہ ساس سسر کی جی حضوری۔" خبر سنتے ہی تحریم بھابی جل بھن کر بولیں۔ دل میں حسد خود بخود پہلے سے بڑھ گیا تھا۔

"اور ہمیں پرایا سمجھنے والی بیاس صاحبہ اب سنائیں بھتیجی کی محبت کے فسانے..... بھتیجی تو جا رہی ہے دامن بچا کر۔ اب کام تو ہم ہی آئیں گی۔" ثانیہ بھابی نے سامعہ بیگم پر بھی چوٹ کی۔

یہ گفتگو سا سنجھی تھی۔ جسے اتفاقاً نوریہ نے سن تو لیا تھا مگر اسے سنا اپنے ذہن کے لیے بدمزگی چاہیے تھی سو اب ان کی باتیں اس کے لیے اہمیت رکھتی تھیں۔ چھ ماہ کے اندر اس کا ویزہ لگ گیا تھا۔ جاذب بھی سب سے ملنے اور اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے پاکستان آ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

وہ بے انتہا خوش تھی۔ آنکھوں کی چمک دیدنی تھی۔ مسکراہٹ سمٹنے سے انکاری' وہ امی کے گھر سب سے ملنے اور ایک دن رہنے آئی تھی اور اس سے ملنے بڑی بہن شائلہ بھی اپنے بچوں سمیت آئی تھی۔ سب اس کی خوشی میں خوش تھے۔ کھانے کے بعد خوشگوار محفل عروج پر تھی۔

"کوئی پکڑے اسے..... کہیں اڑ ہی نہ جائے۔" شائلہ نے شرارتاً کہا تو اس سے چھوٹی زیبل نے فوراً عمل کرتے ہوئے اسے مصنوعی مضبوط شکنجے میں لیتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ وہ بھی کھلکھلائی' خود کو اس کی گرفت سے آزاد کیا اور بانہیں پھیلا کر بآواز بلند بھرپور ادا سے بولی۔

"اب مجھے کوئی نہیں روک سکتا..... میں اڑ جاؤں گی' پنکھ پھیلا کر آسمان کی وسعت میں کھو جاؤں گی' باغی ہو جاؤں گی۔" لفظ لفظ مہک رہا تھا' لہجے میں خوشگواریت رچی بسی تھی۔

"ہم تمہارے بغیر اداس ہو جائیں گے۔" لٹو کو وہ بے حد عزیز تھی یہ سبھی جانتے تھے۔ جس پر اسے بھی ناز تھا اور جس کا ہمیشہ وہ بھرپور فائدہ اٹھاتی تھی۔ ناز نخرے اٹھواتی تھی۔ توصیف احمد اس کی خوشی میں خوش تو تھے مگر نوریہ کا سات سمندر پار جانے کا خیال ان کے دل کو بھی افسردہ کر رہا تھا۔

"ہم روز وڈیو کال کریں گے لٹو۔" اس نے محبت بھرے لہجے میں انہیں تسلی دیتے ہوئے یقین دلانا چاہا۔

"بہت یاد آؤ گی نوریہ۔" اسی وقت اعجاز احمد وہاں آئے۔ اس کی آخری بات سن چکے تھے۔ اس کی خوشی کا اندازہ بھی پہلے سے تھا لیکن نوریہ ہمیشہ سے ان کے لیے بہت خاص تھی۔ دل کے بہت قریب۔ اپنی بیٹیوں جیسا اس کا خیال رکھتے۔ پیار کرتے لیکن آج ان کا لہجہ تاسف میں ڈوبا ہوا اور دل غمگین تھا۔

"تایا لٹو..... آپ سب بھی مجھے یاد آئیں گے۔" وہ سنجیدہ ہوئی۔ ان کے بیٹھتے ہی ان کے پاس براجمان ہوئی۔ انہوں نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھا۔

"بیٹا جہاں رہو اللہ پاک تمہیں خوش رکھے آمین۔" انہوں نے دعا دی۔

"آمین۔" باقی سب نے بھی دل سے آمین کہا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

اگلے دن کی ابتدا خوش گوار و بھرپور انداز میں ہوئی تھی۔ ناشتے کے فوراً بعد عبدالاحد گھر سے باہر نکلا اور تقریباً ایک گھنٹے بعد واپس آیا۔ واپس آتے ہی ایک شاپنگ بیگ اسے تھمایا۔

"اس میں کیا ہے؟"

"پاکستانی جھنڈا۔"

"کس لیے؟"

"وطن سے محبت کے اظہار کے لیے۔"

Digitized by Google

"جھنڈا کیسے محبت کا اظہار کرے گا؟"

"وہ ایسے کہ جب آسٹریلیا میں پاکستان کا کرکٹ میچ ہوگا تب تم ساتھ لے کر جانا' تم جھنڈا لہرا لہرا کر یا چاہو تو اوڑھ کر پاکستان سے محبت کا اظہار کرنا اور ہم یہاں پاکستان میں تمہیں جھنڈے کے ساتھ دیکھ کر خوش ہوں گے۔" عبدالاحد کرکٹ کا دلدادہ تھا۔ اسے جھنڈے کے علاوہ بہن کے لیے کوئی اور گفٹ مناسب نہیں لگا تھا۔ سب اس کی بات پر مسکرا دیئے۔

نویرہ نے البتہ شکریہ کہتے ہوئے جھنڈا اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ عبدالاحد کی محبت کا انداز تو پسند آیا مگر ویزہ لگنے کے بعد نئے ملک کی محبت کا بخار سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ وہ تحریم بھابی اور ثانیہ بھابی سے بھی ملی اور ان کی ٹیڑھی میڑھی شکلیں دیکھ کر دل ہی دل میں محظوظ بھی ہوئی۔ عجیب سی ٹھنڈک دل میں اتری۔ اگلے پل خود پر حیرت بھی ہوئی کہ وہ ایسی تو ہرگز نہیں تھی۔ البتہ اپنی منفی سوچ پر مثبت تنقید سے پہلے ہی اٹھ کر چلی آئی۔ بالآخر جانے کا وقت آن پہنچا تھا۔

نئی زندگی کے لیے سفر کا آغاز ہمسفر کے ساتھ ساتھ ہوا وہ بہت پُرجوش تھی۔

❁.....❁.....❁

پاکستان سے آسٹریلیا تک کا طویل دورانیہ جیسے پلک جھپکتے گزر گیا۔ جاذب کے ساتھ آسٹریلیا کی ہواؤں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ فضا میں جلترنگ سے بجتے محسوس ہو رہے تھے۔ پہلا قدم زمین پر رکھتے ہی زمانے بھر کی طمانیت اس کے خون میں سرایت کر گئی تھی۔ انگ انگ سرشار تھا۔

اگلا دن اور اس کے بعد آنے والا ہر دن دلکش تھا۔ جاذب کو جاب جوائن کرنے میں ایک مہینے تھا۔ اس ایک مہینے میں اس نے نویرہ کو ہر تفریحی مقام دکھایا' ہر مشہور جگہ لے کر گیا۔ ہر مارکیٹ میں لے کر گیا' اس نے بھرپور شاپنگ کی۔ نویرہ کو تو پہلے دن ہی جابجا بکھری قدرتی خوب صورتی' سرسبز درخت' ہریالی' کشادہ سڑکیں' صفائی اور لوگوں کا رکھ رکھاؤ متاثر کر گئے تھے۔ اب جب محض ایک مہینے میں ہر جگہ گھوم پھر چکی تو دل و جان سے قربان ہوئی۔ آسٹریلیا آنے کے اپنے فیصلے پر خود کو خوب داد دی۔ آسٹریلیا میں اپنی موجودگی کو اپنی خوش قسمتی قرار دیا۔ جہاں جہاں گئی یادگار کے طور پر اس جگہ کو ہزار زاویوں سے موبائل میں محفوظ کرتی رہی۔ ساتھ ہی تمام تصویریں میکے اور سسرال بھیج کر زبانی تعریفوں میں بھی زمیں آسمان ایک کرتی۔ جاذب اسے دیکھ کر مسکراتا رہتا اور وہ اپنی ذات میں مگن اپنے سکون پر مسرور ہوتی۔

❁.....❁.....❁

محض دائیں جانب والے پڑوسیوں کے علاوہ باقی پڑوسیوں سے اس کی باقاعدہ ملاقات نہیں ہوئی' کسی کے پاس ٹائم نہیں تھا۔ بس چند بار گھر سے نکلتے وقت یا گھر واپسی پر کوئی نظر آجاتا تو چہرے پر مسکراہٹ سجائے' دور سے ہاتھ ہلا کر ہیلو ہائے ہو جاتی۔ پاکستان کی طرح نہیں ہوتا کہ نئے پڑوسیوں کی آمد پر خصوصاً حاضری لگائی جاتی' اخلاق کا تقاضا نبھاتے ہوئے ضروریات کا پوچھا جاتا۔ یہاں سب میں یہ بات نہیں تھی لیکن وہ خوش تھی۔ یہی زندگی تو اسے چاہیے تھی کہ جہاں کوئی بھی اس کی زندگی میں دخل اندازی نہ کرے۔ جاذب کے تمام کام اس کے کہنے سے پہلے کرتی۔ اس کی پسند کے کھانے پکاتی۔ کپڑے استری کر کے رکھتی۔

"میرے آنے سے آپ کی تمام مشکلات تو حل ہوگئیں۔" ہر چیز تیار ملتی تو جاذب شکریہ ادا کرتا جس پر وہ اترا کر کہتی۔

"کیسی مشکلات؟" وہ بھنویں سکیڑ کر حیرت سے استفسار کرتا۔

"کھانا پکانے' برتن دھونے' کپڑے استری کرنے کی اور نہ اکیلا پن' نہ تنہائی' نہ تھکاوٹ' غم تو الحمدللہ ہیں نہیں اور خوشی بانٹنے کے لیے میں موجود ہوں۔ ایک دم پُرسکون زندگی....." وہ پوروں پر وہ تمام باتیں گنتی جنہیں جاذب نے ایک بار پاکستان میں اس سے پردیس کی مشکلات گنواتے وقت کہی تھیں۔

Digitized by Google

"بالکل اس بات سے تو میں انکار نہیں کرسکتا۔" وہ مکمل تائید کرتا۔ حقیقتاً نویرہ کے آنے سے یہاں اس کی زندگی بہت آسان ہوگئی تھی۔

دو ماہ بعد زندگی میں ایک نیا موڑ آیا۔ ایک انمول خوشی نے اسے معتبر کردیا۔ وہ امید سے تھی۔ اسے لگا اب زندگی صحیح معنوں میں مکمل ہوجائے گی اور پھر ایسے دن بھی آئے جب صبح جاذب جاب کے لیے جاتا تو وہ صرف ٹی وی دیکھتی' موبائل استعمال کرتی' گھریات کرتی' کھانا پکاتی' کچن سمیٹتی اور ان سب کاموں سے فراغت کے بعد جاذب کا انتظار کرتی۔ شام کو وہ واپس آتا تو دن بھر کی تھکان کو مسکراہٹ کے پیچھے چھپالیتی۔ آخری دنوں میں اکیلے گھر میں کوفت بھی ہوتی' ایک دو بار جاذب کی مصروفیت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اسے تنہائی کا احساس کاٹنے لگا۔ گرمیوں کے طویل دن تھے۔ امی کے گھر بھی نیٹ خراب ہونے کی وجہ سے رابطہ نہ ہوسکا' کبھی طبیعت بھی ذہن و دل بوجھل کردیتی۔ سسرال میں سلام دعا' حال احوال پوچھنے کے بعد زیادہ باتیں کرنے کے لیے نہ ہوتیں' سامعہ اس کی طبیعت کے لیے فکرمندی کا اظہار کرتیں' اسے اپنی صحت کا خیال رکھنے کی تاکید کرتیں۔ وہ ہاں ہوں کرتی رہتی۔ دل ہی دل میں آسٹریلیا آنے کا فیصلے محض جلد بازی اور ضد لگا' اسی ضد پر تاسف بھی ہوا لیکن زبانی اعتراف کرنے سے گریز کیا کہ کہیں جاذب اس کے تاسف کو مزید تاسف میں نہ بدل دے' اسے پاکستان بھیج کر۔

آخر وہ دن بھی آہی گیا جب ماں باپ اور اپنوں کی دعائیں رنگ لے آئیں۔ وہ ماں کے رتبے پر فائز ہوگئی۔ اللہ پاک نے جڑواں بیٹوں کی صورت اس پر اپنا خاص کرم کیا تھا۔ ان کی فیملی مکمل ہوگئی تھی۔ دونوں بہت خوش تھے۔ زندگی اسی لمحے حسین ہوگئی تھی۔

❁.....❁.....❁

جڑواں بچوں کی پیدائش کے بعد اس کی زندگی نے نیا موڑ لیا تھا۔ وہ بہت مصروف ہوگئی تھی۔ ابتدائی دنوں میں وہ مشکل کا شکار بھی ہوئی۔ پہلی بار دو نومولود معصوم بچوں کی ذمے داری سر پر پڑی تھیں۔ وہ بوکھلائی بھی' ہاتھ پاؤں بھی پھولے۔ روتے بچے کو چپ کرواتے ہوئے خود بھی روئی تھی۔

"ایک ساتھ دو بچے سنبھالنے بہت مشکل ہیں امی....." اس دن اس نے کافی دن بعد امی کو کال کی تو اپنی مصروفیات بتانے لگی۔

"مشکل تو ہوتی ہے بیٹا لیکن یہ آزمائش بھی خوش قسمت لوگوں کی زندگی میں آتی ہے۔ اللہ پاک کا شکر کرو کہ بچے ہیں..... جن کے پاس بچے نہیں ہیں وہ کتنے ترستے ہیں۔"

"جی امی..... شکر تو ہر سانس کے ساتھ ادا کرتی ہوں۔" اس نے فوراً تائید کی۔

"بیٹا جب حماد اور حدید فیڈر پکڑنا شروع کریں گے تو تمہاری مشکل تھوڑی آسان ہوجائے گی۔" وہ اسے تسلی دیتیں۔

"دونوں فیڈر تو پکڑتے ہیں مگر اب ہوشیار ہوتے جارہے ہیں' میری گود کے لیے روتے ہیں۔ اب میں ایک وقت میں دونوں کو کیسے گود میں لوں؟" نیا مسئلہ درپیش تھا۔ پھوپو محض تشفی ہی دے سکتی تھیں۔

"بھئی جڑواں بچوں کی ماں ہو۔ یہ سب تو اب بچوں کے بڑا ہونے تک چلتا رہے گا۔" جواباً سننے کو ملتا۔

لیکن اس کے لیے مسائل اپنی جگہ موجود تھے' کبھی جو کسی ایک کی وجہ سے کبھی رات بھر جاگتی تو صبح آنکھیں نیند سے بوجھل ہورہی ہوتیں۔ جاذب بھی آفس جاچکا ہوتا ایسے میں بچوں کی وجہ سے نہ ٹھیک طریقے سے سوسکتی نہ ہی ہوش وحواس بحال رکھ سکتی۔ گھومتے سر کے ساتھ جاذب کے آنے کا انتظار کرتی' پھر وہ آجاتا تو اس سے فریاد کرتی' انگلیوں پر اپنی مصروفیات و مشکلات گنواتی' جسے سننے کے بعد وہ اکثر یہی کہتا۔

"پاکستان میں اس لحاظ سے لڑکیاں بہت خوش نصیب ہیں۔ ایک بچہ سنبھالنے کے لیے بھی ماں کے ساتھ پورا گھر' دادا' دادی' نانی' پھوپو' خالائیں اور بھائی تک مدد کرتے

ہیں۔ نوکرانیاں بھی بہ آسانی دستیاب ہوتی ہیں۔ سب بچوں کو اٹھاتے ہیں' فیڈر پلاتے ہیں' سلاتے ہیں' نہلاتے ہیں ماں کا آدھا کام تو باقی رشتے کردیتے ہیں۔ مجھے یاد پڑتا ہے اگر کبھی بھابیاں بچوں کی وجہ سے رات بھر سو نہ سکتیں تو صبح نہ صرف امی انہیں سونے بھیجتیں بلکہ ان کے سارے بچوں کا خیال بھی رکھتیں بلکہ کہیں آنا جانا بھی ہوتا تو بلا تکلف بچوں کو کسی نہ کسی کے حوالے کرکے چلی جاتی تھیں..... وہ محبت اور خیال اس ملک میں کہاں..... زندگی کا اصل مزہ اور خوبصورتی اپنے لوگوں' اپنے ملک اور سگے رشتوں میں ہوتی ہے۔ یہاں سب اپنی اپنی فکر میں لگے بس دن رات کاٹ رہے ہیں کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہیں۔"

"ہاں تو اچھا ہے ناں کسی کو کسی سے سروکار ہونا بھی نہیں چاہیے۔ یہاں کم از کم سکون تو ہے۔ وہاں ایسی ہمدردی اور سہولت کا کیا فائدہ..... ایک وقت میں بچے سنبھالو..... ایک دوسرے کی مدد کرو اور پھر نیکی کو دریا میں پھینک دو..... کسی بھی گھر میں جاکر دیکھ لیا جائے تو ایک جیسی ہی صورت حال سامنے آتی ہے۔ معمولی سی مدد کے بعد احسان جتایا جارہا ہوتا ہے' کوئی کسی حال میں خوش نہیں۔ وہاں سب کی فطرت ہی ایسی ہے۔" نوریہ کو وہاں کی مثال ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

"فطرت صرف وہاں نہیں ہر جگہ کے لوگوں کی ایسی ہی ہے بشمول ہمارے..... کوئی کسی حال میں خوش نہیں' سب ہی اپنے اپنے طریقے سے ناشکری کرنے میں مگن ہیں۔" جاذب کو اس کی کوئی بات کبھی بری نہیں لگتی تھی مگر جب بھی وہ پاکستان کے بارے میں گھما پھرا کر یا براہ راست کچھ غلط کہتی' چاہے ڈھکے چھپے الفاظ میں ہی سہی تو اسے برا لگتا..... شدید دکھ ہوتا۔

جس کو نوریہ یا تو محسوس نہیں کرتی اور اگر کرتی تھی تو پھر فکر پالنا ضروری نہیں سمجھتی تھی۔ یہ بات تو وہ بھی طے کرچکی تھی کہ یہاں چاہے کتنی ہی چھوٹی موٹی مشکلات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے' اسے اب پاکستان واپس نہیں جانا۔

❁.....❁.....❁

دن گزرنے کے ساتھ بچے بڑے ہونے لگے جگہ کم ہونے لگی۔ جاذب نے ایک بڑا گھر دیکھ کر گھر تبدیل کرلیا تھا۔ نیا گھر' پرانے گھر سے زیادہ فاصلے پر تھا اور پرانے دوست سارے پرانے گھر کے قریب تھے۔ سو گھر بدلتے ہی دوستوں کے ساتھ میل جول بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ نئے گھر کے قریب کوئی پاکستانی فیملی بھی نہ تھی۔ کسی کی بھی طرف آنا جانا بالکل ختم ہوگیا تھا۔ بس جو زندگی تھی وہ اس کے لیے گھر تک محدود ہوکر رہ گئی تھی۔

اب اس زندگی کا محور جاذب' حماد اور حدید تھے۔ اس کی کل کائنات۔ بچوں کی پہلی' دوسری اور پھر تیسری سالگرہ بھی اسی گھر میں منائی گئی۔ بچوں کے لیے بھی وہی دنیا تھے۔ ماں باپ کے علاوہ صرف مارکیٹ یا تفریحی مقام پر ہی باقی لوگوں کی شکلیں دیکھنے کو ملتیں جن سے کبھی انہیں انسیت محسوس نہ ہوئی۔ نوریہ کے دل میں پاکستان جانے کی کوئی خواہش ہی نہیں تھی۔ بچوں کو البتہ جب جاذب اور وہ ساتھ بیٹھتے تو جاذب پاکستان کے متعلق بتاتا۔ وڈیو کال کے ذریعے سب بڑوں اور بچوں سے بات کرواتا' ان سے ان کے رشتوں کے متعلق بتاتا۔ دونوں بہت خوش ہوتے' جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے۔ ان کی دلچسپی دیکھ کر وہاں سے بھی سب محبت کا اظہار کرتے۔ ملنے کی خواہش ظاہر کرتے۔ جاذب نے ان سب کی خواہش دیکھ کر کئی بار پاکستان چکر لگانے کا سوچا بھی' ہر ماہ پاکستان پیسے بھیجنے کے علاوہ وہ پاکستان جانے کے لیے بھی رقم جمع کرتا تھا۔ اب اس کے پاس اتنی رقم تھی کہ فیملی سمیت بہ آسانی پاکستان جاسکتا تھا۔ خواہش کی تکمیل کرسکتا تھا مگر نوریہ ابھی واپس جانا نہیں چاہتی تھی صاف و واضح انکار کرکے وہ کسی کا دل بھی نہیں دکھانا چاہتی تھی۔ اسی لیے بہانوں کا سہارا لیتی تھی۔

"اتنا لمبا سفر ہے دو چھوٹے بچے ہیں میں کیسے دونوں کو سنبھالوں گی۔ مجھے دیکھ کر تو آپ کے پاس جاتے بھی نہیں..... میرے لیے مشکل ہوگا۔" جاذب کشمکش کا شکار

ہو جاتا۔

"بچے اس ماحول اسی آب و ہوا کے عادی ہیں۔ وہاں جاتے ہی بیمار ہو جائیں گے کچھ سال بعد چلے جائیں گے۔" وہ کہتے ہوئے خود کو کسی نہ کسی کام میں مصروف کر لیتی...... جاذب کے لیے اشارہ کافی ہوتا کہ باقی باتیں غیر ضروری ہیں۔ وہ تاسف سے سر ہلا کر رہ جاتا تھا۔

جاذب نے اپنی خواہش دل میں دبا لی البتہ سوچ لیا تھا کہ اگر کوئی خاص بات ہوئی پاکستان میں تو وہ خود چند دنوں کے لیے چلا جائے گا۔ البتہ جانے کے لیے جو رقم اس نے بچا کر رکھی تھی اس نے ان پیسوں سے امی اور ابو کو حج کروانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ بیٹے کی خواہش نے تو گویا ان کی دلی مراد پوری کر دی تھی۔ وہ بہت زیادہ خوش ہوئے جاذب کو دعائیں دیں۔ جاذب نے کچھ ہی دنوں میں پیسے بھیج دیے۔ انہوں نے اللہ کا نام لے کر اپنی تیاری شروع کر دی تھی۔

❀......❀......❀

منظور احمد اور سامعہ بیگم حج کی سعادت حاصل کر کے پاکستان واپس آئے تو جہاں سب مبارک باد دینے آئے وہیں صلاح و مشورے کے بعد اعجاز احمد اور شمع بیگم نے اپنے بیٹے سعد کے لیے عافیہ کا رشتہ بھی مانگ لیا۔ اس سے قبل وہ عذیر کے لیے توصیف احمد سے زیمل کے لیے بات کر چکے تھے۔ توصیف احمد کو کوئی اعتراض تو نہ تھا پھر بھی انہوں نے اپنے بچوں سے صلاح کے لیے وقت مانگا۔ سامعہ بیگم اور منظور احمد نے بھی سوچنے کا وقت مانگا۔

رشتہ ہر لحاظ سے معقول تھا اعتراض و انکار کا تو کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ البتہ بڑے دونوں بیٹوں سے صلاح کے بعد انہوں نے جاذب سے بھی بات کی۔ اس سے اس کی رائے مانگی۔ اس نے مثبت فیصلے کے حق میں رائے دی۔ نویرہ بھی اپنی جگہ ابو سے عذیر اور زیمل کے رشتے کو لے کر اپنی خوشی کا اظہار کر چکی تھی۔ منگنی کی ایک چھوٹی سی تقریب کا اہتمام کیا گیا اور شادی چھ ماہ بعد ہونا طے پائی تھی۔

جاذب اور نویرہ کو پتا چلا تو وہ بھی خوش ہوئے لیکن یہاں ایک بار جاذب پھر حیران ہوا۔ نویرہ نے خوشی کا اظہار تو بہت زیادہ کیا مگر اس خوشی کو سب کے ساتھ منانے کا نام تک نہ لیا۔ فی الحال اسے اس سلسلے میں اس سے کچھ پوچھنا تھا نہ وہ گھر کی فضاء میں تناؤ چاہتا تھا کچھ دن گزر گئے۔ اس نے گھر کال کی۔ اسے اپنی ذمے داری کا احساس تھا۔ نویرہ کو ساتھ لانے کے بعد ایک دن بھی اپنی ذمے داری سے غافل نہیں ہوا تھا۔ پہلے سکندر کی پڑھائی اور پڑھائی کے بعد دوست کے ساتھ اپنا کاروبار شروع کرنے پر بھی جتنا وہ کر سکتا تھا اس نے مدد کی۔ اب اکلوتی بہن کا فرض بھی اچھے طریقے سے ادا کرنا چاہتا تھا۔

"تو آپ لوگ تیاری شروع کریں۔ پیسوں کی فکر مت کیجیے گا۔ میں ساتھ ساتھ بھیجتا رہوں گا اور عافیہ سے بھی پوچھیے گا اسے کچھ چاہیے ہو تو وہ بھی بھیج دوں گا۔" منظور احمد تو گویا بیٹے کی کال سے ہر فکر سے آزاد ہو گئے تھے۔ انہوں نے عافیہ کی شادی کے لیے اچھی خاصی رقم جمع کی ہوئی تھی۔ سامعہ بیگم نے بھی بیٹے کو دعائیں دیں اور اسے شادی پر آنے کے لیے بھی کہا۔

"جی امی...... میں آؤں گا۔"

"نویرہ اور بچوں کو بھی لانا۔"

"دیکھیں...... کوشش کرتا ہوں۔" اس نے انہیں نویرہ کی سوچ کے متعلق تو نہ بتایا البتہ خرچ کو بہانہ بنایا۔

پاکستان میں تینوں گھروں میں شادی کی تیاریاں جوش و خروش سے شروع ہو چکی تھیں۔ نویرہ تینوں گھروں میں کال کرتی۔ زیمل اور امی سے باتیں کرتیں۔ وہ آنے کا کہتیں تو مختصراً جواب دیتی کہ جاذب سے بات کرے گی۔ بات کرتی بھی تو محض معمولی سا ذکر...... جاذب اس کی سوچ سے واقف اس ذکر کو محض ذکر ہی گردانتا۔ اس بار وہ اسے کسی رشتے کی اہمیت کا احساس باتوں کے ذریعے نہیں دلانا چاہتا تھا۔ باتیں وہ سر کے اوپر سے گزارنے کا ہنر جانتی تھی۔

❀......❀......❀

بچے چار سال کے ہو گئے تھے۔ پری اسکول میں

Digitized by Google

ایڈمیشن شروع ہوئے تو جاذب نے حماد اور حدید کا بھی ایڈمیشن کروادیا۔ دو دن صبح اور دو دن شام میں کلاسز ہوتیں۔ اسکول گھر کے بالکل قریب تھا۔ نویرہ ہی انہیں چھوڑنے اور لانے جاتی کہ اس وقت جاذب جاب پر ہوتا' بچوں کو اسکول جانے کے بعد اس کے پاس اپنے لیے وقت نکلنے لگا' وہ گھر کال کرلیتی لیکن بات زیادہ نہ ہوتی۔ سب اپنی اپنی تیاریوں میں لگے ہوتے کہ اب شادی میں صرف ایک ماہ ہی بچا تھا۔ وہ اس کا حال احوال پوچھتے' بچوں کی دو چار باتیں ہوتیں اور پھر کسی نہ کسی کو کوئی نہ کوئی کام یاد آجاتا۔ ہر ایک کی اپنی اپنی مصروفیت ہوتی۔ وہ انفرادیت سے تنگ آکر کال ہی بند کردیتی۔ بچے اسکول سے واپس آتے تو ان کے ساتھ مگن ہوجاتی۔ جاذب آتا تو اس سے باتیں کرتی۔

"تمہارا دل نہیں چاہتا سب کی خوشیوں میں شریک ہونے کے لیے؟" شادی میں جب محض ایک ہفتہ بچا تو ایک دن جاذب نے کھانے کے دوران نہایت عام سے لہجے میں پوچھا۔

"دل تو چاہتا ہے مگر اب بچے اسکول جاتے ہیں۔" اس نے بھی اسی عام سے لہجے میں جواب دیا۔

"بچے پری اسکول جاتے ہیں..... جہاں پڑھائی کا بوجھ نہیں ہوتا۔ جہاں بچے صرف کھیلتے ہیں۔"

"کھیلتے نہیں ہیں کھیل کود کے ذریعے سیکھتے ہیں۔" اس نے جاذب کی تصحیح کی۔

"لیکن وہاں پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی نہیں دی جاتی۔"

"اتنی مشکل سے بچے نئے ماحول سے مانوس ہوئے ہیں۔ گیپ آیا تو پھر نئے سرے سے مشکل کا سامنا کریں گے۔" جاذب نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"میں البتہ سکندر اور احد کی شادی میں جاؤں گی۔" اس نے بتایا۔

"تب بھی تو بچوں کی پڑھائی کا حرج ہوگا۔" اس نے طنز کیا۔

"میں امی اور پھوپو سے کہوں گی کہ جب بھی ان کی شادی کریں' میرے بچوں کی چھٹیاں ذہن میں رکھ کر ڈیٹ فائنل کریں۔" وہ پل بھر سوچ کر بولی۔

جاذب اس کی دور اندیشی سے محظوظ و متاثر ہوا اور کھانے کے بعد جب نویرہ بچوں کو سلانے کمرے میں گئی تو اس نے لیپ ٹاپ آن کیا۔ بیوی کے خیالات جان گیا تھا۔ اب اگلا فیصلہ اس کے لیے آسان تھا۔ شادی سے دو دن پہلے کی تاریخ کو ذہن میں رکھتے ہوئے فلائٹس چیک کیں اور صرف اپنا ریٹرن ٹکٹ بک کروایا۔ قیام کا دورانیہ محض ایک ہفتہ ہی رکھا۔ ٹکٹ بک کروانے کے بعد لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کردیا اور اس بات کو مخفی رکھا۔ امی تو اور باقی سب کو بھی سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ اگلے دن آفس سے چھٹیاں بھی لے لیں۔ کوئی خاص تیاری تو کرنا نہیں تھی۔ بس دو تین دن بعد مارکیٹ گیا۔ سب کے لیے کچھ نہ کچھ تحفے لیے۔ نویرہ کچھ نہ سمجھی۔ حیرانی سے اسے دیکھتی رہی لیکن جب تحفے رکھنے کے بعد جاذب نے اس کی حیرانی کو رفع کرنا چاہا تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"نویرہ کل میری فلائٹ ہے۔ میرے کچھ کپڑے وغیرہ پیک کردو۔"

"کہاں جارہے ہیں آپ؟"

"پاکستان....." یک لفظی جواب کافی تھا۔

"کیوں؟" حیرت میں ڈوبا سوال کیا۔

"کیا مطلب کیوں؟" سوال کے بدلے تیکھا سوال۔

"ایک دم کیسے؟" اس کی حیرت بڑھی۔

"میری بہن کی شادی ہے۔" اس نے طنزیہ جتایا۔

"تمہارا اپنا تو جانے کو دل نہیں کرتا' اس بار بچوں کے اسکول کا بہانہ بنا دیا' میں بتاتا تو مجھے بھی روکنے کی پوری کوشش کرتیں۔" اب اس نے اس کو آئینہ دکھایا اور وہ اب کہ ششدر رہ گئی۔ دل بھی دکھا۔

"آپ کو سچ میں ایسا لگا..... آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں؟ آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟" آواز بھاری ہوگئی تھی۔

"بات نہ اعتبار کی ہے' نہ ایسا ویسا سمجھنے کی ہے' اس دن میں نے تم سے پوچھا تھا کہ تمہارا جانے کو دل چاہتا ہے تو تم نے کہا کہ تم بچوں کی وجہ سے ابھی نہیں جاسکتیں۔ سکندر اور

احد کی شادی میں جاؤں گی...... میں نے تو تمہاری خواہش کا احترام کیا ہے، بس میں نے زور زبردستی ضروری نہیں سمجھی، تمہاری ہی بات مانی ہے...... کیا برا کیا میں نے؟ اگر زور زبردستی کرتا تو بھی تم خوش نہ ہوتیں۔ اب تو بہت دیر ہوگئی ہے اور وہاں بھی اگر کسی نے پوچھا تو میں ان سے کہہ دوں گا کہ فی الحال تم بچوں کے ساتھ سفر نہیں کرسکتیں...... بہرحال تم میرا سامان پیک کرو پھر مارکیٹ چلتے ہیں۔ میں وہاں ایک ہفتہ ہی رہوں گا تم یہاں ایک ہفتے کے حساب سے گروسری اور باقی جو کچھ چاہیے لے لینا۔" جاذب نے تفصیلی وضاحت کے ساتھ بات ختم کردی تھی۔

نوریہ کئی لمحوں تک گم صم کھڑی رہی۔ سوچوں میں انتشار برپا ہوچکا تھا۔ اس نے دل کو یقین دلایا۔ جاذب نے اس کی خواہش کا احترام کیا اب اسے جاذب کے فیصلے کو تکریم دینا تھی۔ وہ آگے بڑھ کر اس کا سامان بیگ میں رکھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جاذب کمرے میں واپس آیا تو بیگ تیار تھا۔ اس نے بغور نوریہ کو دیکھا۔ وہ بالکل نارمل تھی۔ اسے یہی امید تھی۔

"چلیں مارکیٹ؟"

"ہاں......" وہ تیار تھی۔

"کسی کے لیے کچھ بھیجنا ہو تو وہ بھی لے لینا۔"

"ٹھیک ہے۔"

"چلو تم بچوں کو لے کر باہر آؤ۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔" وہ کہتا ہوا باہر چلا گیا۔

البتہ شاپنگ کے دوران اور گھر میں اسے چپ سی لگ گئی تھی وہ کوئی بات کرتا تو جتنا مختصر جواب دے سکتی، دیتی اور جس وقت جاذب جارہا تھا اس وقت بھی وہ خاموش رہی۔

"اپنا اور بچوں کا خیال رکھنا۔"

فلائٹ سے پہلے اسے میسج کیا۔ نوریہ نے میسج کا جواب بھی نہیں دیا۔ البتہ اس رات بچوں کو سلانے کے بعد اس کی آنکھیں ضبط کے باوجود بھر آئی تھیں اسے جاذب کے پاکستان جانے کا دکھ بالکل نہیں تھا نہ اپنے ساتھ نہ لے جانے کا...... دکھ تھا تو جاذب کی باتوں اور اس کے رویے کا...... طنزیہ اور ذومعنی جملوں کا جو کم ہونے کا نام تک نہیں لے رہا تھا۔ تنہائی اور اکیلے پن کا خیال الگ کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ اتنے سالوں بعد اس نے خود کو بالکل اکیلا اور بے بس پایا تھا۔ ساری رات جاگتے ہوئے گزار دی۔ صبح بچوں کو اسکول بھیج کے خود کو گھر کے کاموں میں مصروف کرلیا لیکن دل بوجھل ہی رہا تھا۔

شام کے قریب جاذب نے خیر و سلامتی سے اپنے پہنچنے کی اطلاع دی تھی لیکن اس کے بعد جس کسی نے بھی جاذب کو وہاں دیکھا۔ نوریہ کو ساتھ نہ آنے کے شکوے بھرے میسج کیے۔ جنہیں پڑھتے ہی جاذب پر غصہ مزید بڑھا گیا تھا۔ اگلے دن جاذب نے بچوں سے بات کی۔ اس سے بھی بات کرنی چاہی مگر نوریہ نے سلام دعا کے بعد کسی قسم کی باتوں میں دلچسپی کا اظہار نہ کیا تو جاذب نے بھی کال بند کردی۔ البتہ نوریہ نے مائرہ، شمائلہ آپی اور سکندر کو میسج کیا کہ اسے کل شادی کے دوران کال بھی کریں اور تصویریں اور وڈیو بھی بنا کر بھیجیں۔ تینوں نے خوشی خوشی ہامی بھرلی تھی۔ شادی کا دن بھی آن پہنچا۔ وہ وقتاً فوقتاً انہیں کال کرتی، جو کوئی بھی فری ہوتا موبائل اس کے ہاتھ میں دیا جاتا، وہ سب کو دیکھتی، سب کے مسکراتے چہرے، چمکتی آنکھیں اور ہلہ گلا دیکھ کر دل ہی دل میں کہتی۔

"ایک ہفتے کے لیے تو میں بھی جاسکتی تھی پاکستان۔"

مگر اب وقت گزر چکا تھا۔ وڈیو اور تصویریں دیکھ کر ہی کام چلایا۔

شادی خوشیاں و مسرتیں سمیٹ کر اختتام پذیر ہوئی۔ اگلے دن جاذب نے تمام فنکشنز پر لی گئی اپنی تصویریں اسے بھیجیں۔ اس نے تمام تصویریں دیکھیں، بچوں کو بھی دکھائیں مگر کچھ تھا جو اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ دل عجیب کیفیت کا شکار ہوگیا تھا۔

❀......❀......❀

جاذب کو واپس آئے چھ ماہ گزر گئے تھے۔ سب کچھ معمول پر واپس آ گیا تھا سوائے نوریہ کی کیفیت کے جو

Digitized by Google

عجیب سے عجیب تر ہوتی جارہی تھی۔ وہ خوش رہنا چاہتی تھی۔ خوش رہنے کی بھرپور کوشش کررہی تھی۔ خود کو خوش رکھنے کے لیے اس نے خود کو ان تمام سوشل سائیٹس پر ایکٹو بھی کرلیا تھا جہاں سے وہ سب فرینڈز اور فیملی ممبرز کے ساتھ چیٹنگ یا کال وغیرہ کرسکتی تھی۔ زیادہ تر وقت فیس بک اور واٹس ایپ پر صرف کرتی لیکن اس سب کے باوجود کچھ تھا جو اس کی خوشی کی راہ میں حائل تھا' کچھ کمی' بے سکونی' بیزاریت اور اکتاہٹ تھی۔

وہ اپنے معمولات سے رفتہ رفتہ تنگ آنے لگی تھی مگر کیوں؟ یہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اپنی کیفیت کا ذکر دانستہ جاذب کے سامنے بھی نہیں کیا۔ البتہ پہلے کی طرح گھر میں زیادہ وقت گزارنے کے بجائے شاپنگ کے لیے بھی جانے لگی۔ بچوں کو بھی قریبی پارک لے جاتی۔ جاذب کی جس دن چھٹی ہوتی تو کہیں نہ کہیں گھومنے چلے جاتے' کسی دوست کی طرف چکر لگا لیتے یا کسی دوست کو گھر مدعو کرتے مگر یہ سب بھی محض وقتی تسکین کا سامان ہوتا تھا۔

ایسے میں ایک دن صبح موبائل چیک کرنے پر جو خبر اس نے پڑھی وہ اس کا دل دہلا گئی تھی۔ شمائلہ آپی کا میسج آیا تھا کچھ گھنٹے پہلے..... تایا ابو کی اچانک ہارٹ اٹیک کی وجہ سے موت واقع ہوگئی تھی۔ ہارٹ اٹیک اس قدر شدید تھا کہ وہ اسپتال جانے سے قبل ہی انتقال کرگئے تھے۔ کل رات ہی تو اس نے اعجاز احمد سے کافی دیر تک بات کی تھی۔ وہ اسے ایک بار پاکستان آنے اور ملنے کا کہہ رہے تھے۔ اسے کافی دیر بتاتے رہے کہ اسے اور اس کے دونوں بیٹوں کو بہت یاد کرتے ہیں اور اس وقت یہ خبر..... اچانک ملنے والا دکھ بہت بڑا تھا۔ تایا جان اس کے دل کے بے حد قریب تھے۔ اسے ان کے انتقال کی خبر سن کر گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ آنکھیں غم سے برسنے لگی تھیں۔ جاذب کو بھی میسج مل چکا تھا۔ اس لیے وہ آفس کے لیے تیاری نہیں کررہا تھا اور شاید نویرے کے اٹھنے کا ہی انتظار کررہا تھا۔ بچوں نے اسے نویرہ کے اٹھنے متعلق بتایا تو فوراً کمرے میں آیا۔

"جاذب..... وہ تایا جان ہ....." اس کی آواز حلق میں ہی پھنس گئی تھی۔ جاذب نے آگے بڑھ کر اسے حوصلہ دینا چاہا۔ وہ روتی رہی۔ جاذب نے سکندر کو وڈیو کال کی۔ سب کو غم سے نڈھال دیکھ کر اسے کا دل پھٹے جارہا تھا۔ وہ تایا جان کی میت کو دیکھ کر صرف روتی رہی۔ بولنے کو کچھ نہیں تھا' نہ الفاظ اور نہ ہی ہمت..... جاذب تمام وقت اس کے ساتھ بیٹھا رہا۔ اسے ڈھارس دیتا رہا اور جس وقت تایا جان کو تدفین کے لیے لے جایا جارہا تھا اس وقت وہ زاروقطار روئی تھی۔ جاذب کو مجبوراً کال بند کرنی پڑی تھی۔ حماد اور حدید الگ ماں کو روتا دیکھ کر پریشان کھڑے تھے۔ وہ دن اس کے لیے ذہنی عذاب کا دن تھا۔

کچھ عرصے سے وہ جس بے سکونی' بے چینی' الجھن اور کوفت کا شکار تھی وہ اس واقعے کے بعد گویا شدت پکڑ گئی تھی۔ اب تو اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ قلبی اطمینان تو جیسے کوئی خواب ہوکر رہ گیا تھا۔ اس سب کی وجہ اس کے نزدیک محض تایا جان کی اچانک موت اور اس کا غم کے موقعے پر سب سے دور ہونا تھا۔ جس کا وہ جاذب سے بھی ذکر کرتی۔ جاذب اوّل تو چپ چاپ اسے سنتا اور پھر سننے کے بعد صرف اس سے دو حرف تسلی کے ہی کہہ پاتا۔ دل تو اس کا بھی اداس تھا۔ گھر کی فضا بھی جیسے آسودگی سے خالی ہوگئی تھی۔ جس کا اثر بچوں پر بھی ہورہا تھا۔ سب ہی خاموش خاموش رہتے۔

رفتہ رفتہ سب کچھ معمول پر آنے لگا۔ بچوں کا اسکول' جاذب کی جاب اور نویرہ کی الجھنیں..... جن سے نکلنے کے لیے وہ فیس بک استعمال کرنے لگی۔ ماہ اگست کا آغاز ہوا۔ اس نے معمول کے مطابق فیس بک کھول کر دیکھی۔ تو حیرت سے بھنویں سکیڑیں۔ اس کی کئی فرینڈز اور کزنز نے اپنی ڈی پیز تبدیل کرلی تھیں۔ کسی نے پاکستانی جھنڈے کو ڈی پی بنایا ہوا تھا' کسی نے پاکستانی جھنڈے سے ڈھکا سر ڈی پی پر لگا لیا تھا' کسی نے معصوم بچے کے گال پر بنے پاکستانی جھنڈے کو نمایاں کیا ہوا تھا' کسی نے مینار پاکستان کے ساتھ تو کسی نے قائداعظم کے مزار کے ساتھ جھنڈے کو ایڈٹ کرکے ڈی پی بنالیا تھا۔ کسی نے علامہ اقبال اور

Digitized by Google

قائداعظم کی تصویروں کو استعمال کیا تھا' کسی نے وطن سے اظہار کے لیے شاعری کا سہارا لیا تھا' کسی نے جذباتی الفاظ کا وطن سے محبت کے لیے فراخ دلی سے اظہار کیا تھا اور کوئی ملی نغموں کی وڈیو پوسٹ کررہا تھا۔

"کچھ زیادہ ہی اس بار سب وطن سے محبت کا اظہار کررہے ہیں..... تعجب ہے۔" جس کا اظہار اس نے جاذب سے کیا۔

"ہر بار ایسا ہوتا ہے شاید اس بار تم نے محسوس کیا ہے۔"

"نہیں میرے محسوس کرنے کی تو بات ہی نہیں ہے..... میں جو دیکھ رہی ہوں وہ کہہ رہی ہوں۔"

"جو بھی ہے لیکن زبردست بات ہے۔ دل میں وطن کی محبت ہو تو اظہار کرنے میں قباحت نہیں۔"

"یہ اظہار صرف یکم اگست سے لے کر چودہ اگست تک ہی کیوں.....؟" سوال زبان سے پھسلا۔

"یہاں کیوں جیسا سوال بے معنی ہے۔ اپنے ملک' اپنی مٹی سے محبت فطری بات ہے لیکن ایک زندگی گزارنے کے لیے انسان کو سو جھمیلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہزار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ معاش کی فکر الگ ہوتی ہے۔ ایسے میں محب وطن شہری کے لیے یہ اگست کے چودہ دن اپنی محبت کو خراج پیش کرنے کے لیے سال بھر کے باقی دنوں سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ ان چودہ دنوں میں جتنا وطن سے محبت کو بیان وظاہر کیا جائے وہ بھی کم ہے اور جو ایسا کرتے ہیں کم از کم ان کا دل مطمئن ہوتا ہے۔ انہیں آزاد ملک کی آزاد فضا میں سانس لینے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان چودہ دنوں میں محبت کا اظہار دراصل شکر ادا کرنے کا ایک خوب صورت طریقہ ہے' خوشی بانٹنے اور ماننے کی ایک خوب صورت سعی ہے' جس کی راہ میں کیوں کے لفظ کو ذہن میں جگہ دینا فضول بات ہے..... ایک کیوں کے لیے پورا سال غور وفکر کے لیے کافی ہوتا ہے۔" جو جواب اسے ملا وہ اس کے لیے محض ایک لیکچر جیسا تھا اور اسے لیکچر نہیں سننا تھا۔ سو دنوں کانوں کا بخوبی استعمال کیا۔

❁.....❁.....❁

پندرہ اگست کی صبح جاذب کی چھٹی تھی۔ جاذب بچوں کو اسکول چھوڑ کر آیا تو نویرہ کچن میں تھی۔ جاذب کے آتے ہی اسے بتایا کہ کچھ سامان ختم ہوگیا ہے۔ اس نے بچوں کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھانا چاہا۔ طبیعت آج بھی بوجھل پن کا شکار تھی جس سے چھٹکارا پانے کے لیے اس نے جاذب کے ساتھ جانے کا سوچا اور یوں ایک گھنٹے بعد وہ اس کے ساتھ اپنی پسندیدہ اسپاٹس شملہ پاک انڈو گرومری شاپ کے لیے گھر سے روانہ ہوئی لیکن جس وقت جاذب گاڑی پارک کررہا تھا اسی وقت شائلہ آپی کا میسج آیا۔ وہ موبائل فون پر مصروف ہوئی جاذب شاپ کے اندر چلا گیا۔ دس منٹ گزر گئے میسج کرنے کے بعد اس نے موبائل واپس رکھا' اندرونی کوفت اور بوریت گاڑی میں بڑھ رہی تھی۔ وہ گاڑی کے شیشے کے پار ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ معاً نظر گرومری شاپ کے دروازے پر ٹھہری۔ اول تو وہ حیران ہوئی مگر اگلے چند لمحوں میں متعجب نگاہیں طمانیت کے تمام رنگ سمیٹ کر مسکرائی تھیں۔

یہی ایک لمحہ تھا' خوب صورت لمحہ' خوب صورت احساس کو سمیٹے' اس کے پُرجوش جذبات کی بھرپور عکاسی کرتا۔ وہ یک ٹک اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے گرومری شاپ کے داخلی دروازے کے شیشے پر پاکستانی سبز ہلالی پرچم کو دیکھا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ گاڑی سے اترے' دروازے کے قریب جائے اور جھنڈے کو ہاتھ بڑھا کر چھوئے' اسے ہاتھوں میں لے کر محسوس کرے۔

وقت جیسے رک سا گیا تھا۔ کل ہی کے دن تو وہ باقی لوگوں پر حیران ہورہی تھی اور آج خود وہ وقت کو حیران کررہی تھی۔ جاذب تمام سامان گاڑی میں رکھنے کے بعد گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے متعجب مگر گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور جب اس نے نویرہ کی نظروں کے تعاقب کرتے ہوئے پاکستانی جھنڈے کو دیکھا۔ تب اس کے لب بھی مسکرا دیئے تھے۔

"کہاں گم ہو؟" گاڑی ریورس کرتے ہوئے اس نے نویرہ کو ہوش وحواس میں واپس لانا چاہا۔

Digitized by Google

معروف صحافی، کالم نگار، مصنف، مفسر
مشتاق احمد قریشی کا ایک اور شاہکار
جاسوسی ادب کے سب سے بڑے نام

ابن صفی

کا وہ رخ جس سے ان کے قارئین نا آشنا ہیں

ابن صفی کا نیا رخ

کسی پریشانی اور زحمت سے بچنے کے لیے
آج سے اپنی کاپی آنچل ادارے سے بک کرالیں۔

0300-8264242

شائع ہو گئی ہے

Digitized by Google

"میں..... کہیں نہیں....." وہ ہڑبڑائی۔ جاذب مسکرایا اور گاڑی آگے بڑھادی۔

گھر پہنچتے ہی وہ کمرے کی طرف بھاگی۔ کمرے میں پہنچتے ہی الماری کھول کر اس نے اپنا بڑا بیگ باہر نکالا اور عجلت میں زپ کھولی۔ اپنے تمام جذبات سمیٹ کر اس نے بہت عقیدت و محبت سے احد کا گفٹ کیا گیا پاکستانی جھنڈا بیگ سے باہر نکالا' ہونٹوں سے لگایا' خوب صورت پُرسحر لمس کو محسوس کیا' آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔ جھنڈے کو فرط جذبات سے چومنے کے بعد جھنڈے کو کھولنے لگی۔ اپنا دوپٹا اتار کر ایک طرف رکھا اور پھر جھنڈے کو دوپٹے کی طرح اوڑھ لیا۔ اسے لگا جیسے پاکستان نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا ہو۔ آنکھیں موند کر وہ اس لمحے میں جینے لگی تھی۔ بے تاب دھڑکنیں خوش کن لے پر دھڑکنیں لگی تھیں۔ وہ بھید جان گئی تھی۔

اس کی بے سکونی کی وجہ..... پاکستان کی پاک سر زمین سے دوری تھی۔ خود ساختہ دوری..... وہ تمام بہانے تھے جو وہ مشکلات سے بھاگنے کے لیے بناتی رہی تھی' خود کو یقین دلاتی رہی کہ وہ یہاں آسٹریلیا میں سب سے الگ رہ کر خوش رہ سکتی ہے' وہاں پاکستان میں چھوٹی موٹی مشکلات سے بھاگنے کے لیے میں اپنے ملک کو کم تر ثابت کرنے پر تلی رہی۔ فرار کی راہ اپنانے پر آمادہ رہی..... اس پر کھل گیا تھا کہ اس کی خوشی تو اس کا ملک' اس کی مٹی' اس کا اپنا گھر اور سب کا ساتھ ہے۔

"میرا پاکستان..... میرا اپنا پاکستان..... میں پاکستان کی محبت کے بغیر خوش کیسے رہ سکتی ہوں۔" وہ جان گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"میں پاکستان واپس جانا چاہتی ہوں....." فیصلہ کرنے اور بہت سوچ بچار کے بعد الفاظ کو ترتیب دیتی رات کو وہ جاذب کے سامنے بیٹھی تھی۔

"ہیں.....؟" جاذب کو گویا اپنی سماعت پر شک گزرا تھا۔ اس کی آواز کے ردعمل پر حیرت سے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا کہا تم نے.....؟"

"میں پاکستان جانا چاہتی ہوں....." اس نے اپنی بات پر زور دیا۔

"کیوں.....؟"

"بس میں جانا چاہتی ہوں۔"

"پھر بھی کوئی تو وجہ ہوگی..... میں نے تو کہیں کچھ غلط نہیں کر دیا؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"پھر اچانک پاکستان کیوں یاد آنے لگا؟"

"مجھے سکون چاہیے۔" اس کا لہجہ اب کے دوٹوک تھا۔ جو جاذب کے لیے بالکل نیا اور حیران کن تھا۔

"یہاں کون سی بے سکونی ہے تمہیں۔" اب کے وہ سنجیدگی سے بولا۔

"یہاں سب پرایا پرایا لگنے لگا ہے اب۔" نویرہ منہ لٹکائے بولی۔

"یہاں کوئی کسی کے لیے کوئی خاص جذبہ نہیں رکھتا' اجنبیوں کی طرح لوگ رہتے ہیں۔ نہ گھر میں رونق' نہ گلی محلے میں' نہ پاس ماں باپ' نہ رشتے دار' نہ دوست..... یہاں پڑوسی ایسے کہ ان کا ہونا نہ ہونا برابر' کئی پڑوسیوں کو تو آج تک میں نے دیکھا بھی نہیں' کب آتے ہیں کب جاتے ہیں کچھ نہیں معلوم' کسی کو یہاں کسی کی خوشی اور غم کی پروا نہیں۔ کوئی مر جائے تب بھی کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہاں رہ کر ہم اپنے رشتے داروں کے دکھ میں بھی شریک نہیں ہو سکتے۔ تایا جان کی موت کا دکھ اب بھی میرے دل میں ہے' میں انہیں قریب سے دیکھ بھی نہیں سکی..... اپنی بیٹیوں جیسا پیار کرتے تھے وہ مجھ سے..... میں یہاں رو کر بھی ان کے گھر والوں کا غم بانٹ نہ سکی۔ ان کے بعد ہر وقت خوف رہتا ہے' کسی اور کی جدائی کا خوف یہاں بیٹھ کر برداشت کرنا بہت مشکل ہے اور شادی بیاہ بھی بے رونق' پاکستان میں کتنا مزہ آتا ہے' کتنے کتنے دن ہم سب کزنز انجوائے کرتے ہیں اور رہی بات بچوں کی..... وہ تو شاید گلی محلے میں کھیلنے کے لیے بھی ترس گئے ہوں

Digitized by Google

گے۔ بتاتے نہیں مگر اب میرا دل کہتا ہے کہ وہ بھی ضرور اس چاردیواری سے نکل کر میرے آپ کے علاوہ کسی اور سے بھی کھیلنا چاہتے ہیں...... جبکہ پڑوسیوں کے بچے تو کبھی باہر نکلے ہی نہیں...... حتیٰ کہ گاڑیاں بھی ہارن نہیں بجاتیں...... آپ ابھی باہر نکل کر دیکھ لیں، ہر طرف ویرانی ہی ویرانی ہے۔" وہ بات مکمل کرتے ہوئے اچھی خاصی جذباتی ہوگئی تھی۔

"یہاں آنا تمہاری اپنی خواہش تھی اور یہیں رہنا تمہارا فیصلہ۔" جاذب نے تمام گفتگو بغور سننے کے بعد مختصراً کہا تو نویرہ روہانسی ہوئی۔

"مگر اب جانا چاہتی ہوں۔"

"تمہیں تو وہاں ہر طرف مسائل کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا...... اب یہ اچانک محبت...... بلکہ شدید طوفانی محبت......؟" حیرانی کا مکمل اظہار سوالیہ انداز میں کیا۔ نویرہ نے یک دم کوئی جواب نہ دیا۔ جاذب اس کی خاموشی پر مزید بولا۔

"آج تو چودہ اگست بھی نہیں......"

"ضروری نہیں کہ محبت کے اظہار کا ایک ہی مخصوص دن ہو...... دل میں اگر وطن کی محبت ہو تو ہر دن چودہ اگست ہوتا ہے۔" اب کہ وہ ترکی بہ ترکی بولی۔ لب ولہجہ محبت و چاہت سے لبریز تھا۔ جس نے جاذب کو خاصا متاثر بھی کیا مگر اس سے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"اور بجلی، پانی، گیس کے مسائل......؟"

"میں رہ لوں گی...... مجھے پاکستان جانا ہے بس۔"

"ٹریفک بھی تمہیں بری لگتی تھی۔"

"اب نہیں لگے گی۔ مجھے پاکستان جانا ہے۔"

"بچوں کے تعلیمی نظام کو لے کر بھی غالباً تم بہت فکر کا اظہار کیا کرتی تھیں۔"

"میں خود بچوں کو گھر میں ٹائم دیا کروں گی...... بس مجھے پاکستان جانا ہے۔"

"وہاں جا کر مہنگائی کا رونا روؤ گی......"

"قسم لے لیں کچھ نہیں کہوں گی۔"

AANCHALPK.COM

تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے

آج ہی قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں

ماہنامہ آنچل کراچی

ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہوسکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔

اکائی

عشنا کوثر سردار کا ایک لازاول ناول ایک پڑھے لکھے گھرانے کا احوال جو لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف تھا

جنون سے عشق تک

ضد وانا سے گندھی عشق کی ایک لازاول داستان سمیرا شریف طور کا مدتوں یادرہ جانے والا دلکش ناول

تیسری زلف کے سر ہونے تک

خاندانی اختلاف کے پس منظر میں لکھا گیا اقراء صغیر احمد کا بہترین ناول جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ دیگا

AANCHALNOVEL.COM

پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں (03008264242)

Digitized by Google

"دھرنے بھی تمہیں برے لگتے ہیں......" گویا وہ اسے سب کچھ یاد دلا رہا تھا۔

"مجھ سمیت کسی کو برے نہیں لگیں گے بلکہ دھرنوں کی نوبت ہی نہیں آئے گی اگر سوچ سمجھ کر ووٹ دیا جائے تو...... پانچ سال رونے سے بہتر پانچ منٹ دل و دماغ سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی دیر ہے بس......" نوریہ برجستہ بولی۔

جاذب نے اب بغور اسے دیکھا۔ یہ نوریہ کا بدلا ہوا روپ تھا۔ جو حیران کن تو تھا ہی مگر خوش گوار بھی تھا۔ البتہ اس نے ظاہر کرنا ضروری نہ سمجھا۔

"تحریم بھائی اور ثانیہ بھابی......؟"

"میں ہر ممکن کوشش کروں گی کہ جو فاصلہ ہمارے درمیان ہے میں واپس جاکر اسے کم کرسکوں۔ اگر انہوں نے موقع نہ بھی دیا تو کم از کم اپنا دل تنگ نہیں کروں گی۔ چھوٹی موٹی باتیں نظر انداز کرنے کی کوشش کروں گی۔ اب ان دونوں کی وجہ سے میں باقی رشتوں سے کٹ کر اکیلے نہیں رہ سکتی۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہاں اور بھی کئی مسئلے تھے جن سے تم بےزار تھیں۔" جاذب ٹھوس لہجے میں بولا۔

"میں مانتی ہوں...... یہاں آنے کے لیے میں نے سب باتوں کو معقول وجہ بنا کر پیش کیا تھا' میں یہ بھی مانتی ہوں کہ یہاں زندگی کی ہر آسائش میسر ہے' ہر سہولت موجود ہے' پکی سڑکیں اور پُرسکون فضائیں' رواں ٹریفک' قوانین کی پابندی کرنے والے لوگ' نہ گھریلو سیاست' نہ بچوں کی لڑائی' نہ ٹریفک کا شور شرابہ' نہ کھانے پینے کو لے کر چھوٹے موٹے مسائل لیکن پھر بھی...... جتنے وقت ایک ساتھ میاں بیوی' بچے ٹائم گزاریں' گھومیں پھریں' آسائشوں سے لطف اندوز ہوں یہاں ایک نارمل بندے کے لیے سکون نہیں ہے...... میرے لیے تو اب بالکل بھی نہیں ہے...... مجھے ایک پاکستانی زندگی گزارنی ہے اور اب مجھے یقین ہے اگر مجھ سمیت سب مل کر دل و دماغ سے صرف پاکستان کے لیے اچھا سوچیں' اچھا کریں تب کسی کو پاکستان سے کوئی گلہ نہیں ہوگا بلکہ اب بھی پاکستان جیسا ہے ہمارا ہے' ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا جو وطن اتنی قربانیوں اور مشکلوں کے بعد ملا' جس نے ہمیں نام دیا اسے برا بھلا کہیں۔" ایک بار پھر وہ جذبات سے بھرپور لہجے میں بولی۔ لہجہ مضبوط و پختہ تھا۔ جاذب نے خاموشی سے سنا اور سننے کے بعد بالکل تحمل و سہولت سے بولا۔

"تم نے جو کہا ٹھیک کہا ہے...... لیکن نوریہ فی الحال جو تم چاہتی ہو ویسا نہیں ہوسکتا۔"

"لیکن جاذب...... میں پاکستان جانا چاہتی ہوں۔" وہ بضد ہوئی۔ "اور آپ بھی تو یہی چاہتے تھے۔" اب کے اس کا لہجہ مدہم ہوا تھا۔

"لیکن اب میں ایسا نہیں چاہتا۔" جاذب نے دوٹوک کہا اور اس سے پہلے کہ نوریہ مزید کچھ کہتی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں سونے جارہا ہوں......" کہتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

نوریہ نے بجھے دل و اداس آنکھوں کے ساتھ اسے جاتے دیکھا تھا۔

❁......❁......❁

اگلا پورا دن اس نے گہری اداسی میں گزارا لیکن وہ مایوس اور چپ ہوکر کونا پکڑنے کے بالکل موڈ میں نہیں تھی' اترے چہرے اور سوالیہ' پُر اصرار آنکھوں کے ساتھ جاذب کے سامنے گئی۔ جنہیں جاذب نے مکمل نظر انداز کردیا تھا۔ اس نے بچوں کو بھی اکسایا۔ ان کے کان میں پاکستان جانے کی بات پُرزور انداز میں ڈالی۔ انہیں کچھ منٹوں میں آمادہ بھی کرلیا۔ وہ دونوں جاذب کے پاس گئے۔ مدعا بیان کیا۔

"آج سے پہلے تو تم نے بچوں کو کبھی پاکستان کے بارے میں ایک اچھی بات تک نہیں بتائی تھی۔ اب اپنا دل چاہ رہا ہے تو انہیں استعمال کررہی ہو؟" جاذب دونوں کو ٹالنے کے بعد اس کے پاس آیا وہ کچن میں تھی۔ جواباً اس بار وہ کچھ نہیں بولی کیونکہ جاذب کے مسلسل انکار اور بچوں کو استعمال کرنے کی بات اس کی آنکھیں نم کرگئی تھی۔

Digitized by Google

جاذب نے بغور اسے دیکھا۔ وہ آنسو جذب کرنے میں مگن تھی۔

"کیا ہوا؟" آگے بڑھ کر نرمی سے پوچھا۔

"پاکستان جانا ہے۔" خواہش دہرائی۔ آنسو جذب کر چکی تھی۔ جاذب نے اب کہ چپ رہنے اور اسے سننے پر اکتفا کیا۔

"میرا صبر اب انتہا کو پہنچ گیا ہے..... میرا وطن بہت خاص ہے..... اس کی ہر خوبی، ہر کمی میری ہے۔ پردیس میں رہتے ہوئے پاکستان کی خوبیوں کو نظر انداز کر کے کمیوں اور خامیوں کو پوروں پر گننا بہت آسان ہے مگر دماغ کو آزادی دے کر اگر دل سے فیصلہ کروں تو پاکستان جیسا اس دنیا میں کوئی دوسرا وطن نہیں، میرا نام، میری عزت، میری شان میرا پاکستان ہے....." اس کا لہجہ تقریری اور انداز یک دم جذباتی ہوا جبکہ ایک ایک لفظ میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی نظر آرہی تھی۔ جاذب کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔

"یہی..... یہی میں تمہیں سمجھانا چاہتا تھا..... اپنی اصل کو کبھی برا نہیں کہنا چاہیے..... کبھی کم تر نہیں سمجھنا چاہیے اور پاکستان..... پاکستان محض ایک ملک نہیں..... محبت کی ایک لازوال داستان ہے، جس کا حرف حرف محبت اور عقیدت سے بھرا ہے، جو بے انتہا قربانیوں کے بعد حاصل ہوا، جس کی بنیادوں میں محبت اور لاکھوں مسلمانوں کا خون شامل ہے اور جہاں ہم مکمل آزاد ہیں۔" جاذب نے اسی کے جذباتی انداز کو دوام بخش کر جذب سے کہا۔ نویرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں اسی آزاد پاکستان میں کھل کے سانس لینا چاہتی ہوں....." وہ جوشیلے لہجے میں بولی۔ "اسی لیے میں پاکستان جانا چاہتی ہوں۔"

"ضرور جاؤ....." جاذب اس کی بات پر مسکرایا۔

"آپ جانے دیں گے؟" وہ اس کی بات پر حیران ہوئی۔ شاید اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

"ہاں کیوں نہیں..... میں بھی پاکستانی ہوں۔ میرے دل میں بھی پاکستان کی محبت ہے۔" جواباً اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ نتیجتاً نویرے کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا تھا۔

"اور یہ رہا اس محبت کا ثبوت....." جاذب نے محبت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے جیب سے ٹکٹ نکال کر اسے تھمائے۔

"یہ کیا ہے؟" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"فلائٹس..... تمہارے اور بچوں کے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ دو دن پہلے ہی اس نے ان کے فلائٹس بک کروا دیے تھے۔ بڑی عید سے تین دن پہلے ان کی فلائٹ تھی۔ نویرہ حیرت میں گھری کھڑی رہی البتہ چہرے پر خوش گوار تاثرات ابھرے تھے۔

"میرا ارادہ تو اسی دن بن گیا تھا جب تم نے جانے کا ذکر کیا تھا لیکن تمہیں اس لیے ٹالا کہ تم خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو، دل و دماغ دونوں سے خود کو پرکھو، مجھ سمیت کئی لوگوں کو روزگار نے پردیس کاٹنے پر مجبور کیا ورنہ کس کا دل نہیں چاہتا کہ اپنے ملک اور اپنے لوگوں میں رہے۔ ہمارا ملک واقعی بہت خاص ہے۔ ایک محب وطن دل، مثبت سوچ اور اسی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اٹھتا پہلے قدم ایک روشن، ترقی یافتہ اور خوش حال پاکستان بنانے کے لیے بہت ضروری ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ نویرہ نے اس کی بات تائید کی۔

"ان شاء اللہ یوں ہی ہم سب کی سوچ مثبت ہو کر نیا پاکستان بنائے گی۔" وہ عزم سے بولی۔

"ان شاء اللہ۔" وہ مسکرائی، دل اب پُرسکون ہو گیا تھا۔

قسط نمبر 20

شبِ آرزو تیری چاہ میں

نائلہ طارق

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

رجاب شفران کے سامنے شرط رکھتی ہے کہ وہ اپنا جرم اپنے گھر والوں کے سامنے رکھے یا پھر اس سے شادی کرنے جس پر شفران اس کی دوسری شرط مان جاتا ہے۔ زرکاش شادی کے بعد خوشیوں بھری زندگی چاہتا ہے دراج اسے یقین دلاتی ہے کہ وہ ماضی کی ہر تلخ بات بھول کر زرکاش سے جڑے ہر رشتے کو اپنا لے گی۔ زندگی کے نئے سفر میں دراج سب کو ساتھ لے کر چلنا چاہتی ہے۔ شفران رجاب کو اس کے گھر چھوڑنے جاتا ہے ساتھ زنائشہ بھی ہوتی ہے رجاب اپنے گھر شفران کو آنے کی دعوت دیتی ہے جس پر وہ معذرت کر جاتا ہے رجاب زنائشہ کو اپنے گھر لے جاتی ہے اور اپنے بھائی، بھابی سے اس کا تعارف کراتی ہے۔ زنائشہ کے جانے کے بعد وہ سب کو بتا دیتی ہے کہ یہ زرق کی بہن تھی۔ عرش زنائشہ کو زرق سے ملوانے لے کر آ جاتا ہے جہاں زنائشہ زرق پر خفا ہوتی اسے اتنا عرصہ لاپتا رہنے کی وجہ دریافت کرتی ہے جس پر زرق اپنا ماضی اس کے سامنے بیان کرتا اسے ہوسٹل میں بھیجنے کا بھی بتاتا ہے۔ عرش ہاسٹل سے زنائشہ کو اپنے ساتھ ساحل سمندر پر لے جاتا ہے اور وہیں اس کے ہاتھ میں کنگن پہناتا اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے زنائشہ بھی اس سے اپنے پچھلے رویہ کی معافی مانگتی اپنے اور دراج کے تعلق کی وضاحت کرتی ہے۔ زنائشہ عرش کے ساتھ واپس گھر آتی ہے تو امام کے ساتھ رجا بھی اس کی منتظر ہوتی ہے امام اور رجا دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن امام کی بہن سحران کی محبت اور شادی میں رکاوٹ ڈال رہی تھی۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁

ڈرائنگ روم میں جھانک کر زنائشہ نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا جو بچوں کو پڑھانے میں منہمک تھی۔

”آ جاؤ رجاب! چائے کے ساتھ رجاہ کا بنایا ہوا زبردست کیک تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“

”اچھا تو آج کیک کے ذریعے رجاہ نے سحر بھابی کے دل میں اترنے کی ٹھانی ہے۔“ رجاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بس کوشش جاری ہے ساتھ ہمارا بھی بھلا کر رہی ہے وہ! جلدی آ جاؤ بھابی سے ہی کیک کٹوائیں گے۔“

”بس دو منٹ رکو آتی ہوں۔“ رجاب نے اس کی بات پر ہنستے ہوئے کہا جبکہ زنائشہ واپس لاؤنج میں موجود سحر کی طرف آ گئی، اسی لمحے ڈور بیل ہوئی کمرے سے باہر آتے شہرام گیٹ کی سمت چلے گئے سامنے موجود شخص کو انہوں نے حیرت سے دیکھا۔

”میں رجاب کا کزن ہوں...... اگر وہ یہاں ہیں تو براہ مہربانی مجھے ان سے ملنے کی اجازت دیجیے۔“

”ہاں! رجاب موجود ہے آپ اندر آ جائیں۔“ اجازت ملنے پر وہ ان کی تقلید میں ہی لاؤنج کی طرف آیا۔

”زنائشہ! رجاب کو بتاؤ کہ اس کے کزن ملنا چاہتے ہیں۔“ شہرام ابھی بول ہی رہے تھے کہ اسی پل رجاب ڈرائنگ روم سے باہر نکلی بری طرح ٹھٹکی اس کے بدلتے تاثرات نے سحر اور زنائشہ کو بھی چونکا دیا تھا۔

”رجاب! میں تم سے بات کیے بغیر نہیں جاؤں گا۔“ حاذق تیزی سے اس کی سمت بڑھا تھا۔

Digitized by Google

"مجھے کوئی بات نہیں سننی تمہاری' تم میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے..... شہرام بھائی اسے کہیں یہ چلا جائے یہاں سے....."
وحشت سے چیختی رجاب تیزی سے ڈرائنگ روم میں جاتی دروازہ بھی بند کر گئی تھی' یہ اتفاق ہی تھا کہ بروقت امام کی آمد ہوئی' اسے معاملہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی مگر باقی سب اس اچانک صورت حال پر دنگ رہ گئے تھے۔
"وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتی آپ سن چکے ہیں' دوبارہ یہاں آنے کی زحمت مت کیجیے گا۔" شہرام کے سخت ناگوار لہجے پر حاذق کسی بھی جانب دیکھے بغیر وہاں سے نکل گیا تھا' زناٹہ تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف گئی تھی۔
"شہرام..... آپ کو پہلے رجاب سے پوچھنا تو چاہیے تھا اس شخص کے بارے میں' اس طرح کسی اجنبی کو آپ گھر کے اندر کیسے لے آئے؟" سحر' رجاب کے ردعمل پر بری طرح گھبرائی ہوئی تھیں' اب شوہر پر برہم ہوئیں۔
"اس نے کہا وہ رجاب کا کزن ہے میں نے سوچا شاید کوئی ایمرجنسی ہو' میرے وہم و گمان میں بھی یہ سب نہ تھا۔" شہرام پشیمان اور پریشان ہو رہے تھے۔
"پتا نہیں وہ رجاب کا کزن تھا بھی یا نہیں' مجھے تو کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے' یہاں رجاب ہماری ذمہ داری ہے' آپ فوراً راسب بھائی کو کال کریں اور اس شخص کے بارے میں بتائیں۔" سحر تشویش سے بولتیں عجلت میں ڈرائنگ روم کی طرف گئیں' شہرام کو بھی یہی مناسب لگا کہ راسب سے رابطہ کیا جائے جبکہ اس سب کے دوران امام بالکل خاموشی سے سب دیکھتا رہا تھا' فی الوقت وہ یہ انکشاف کر ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ حاذق کو جانتا ہے یا یہ کہ وہ واقعی رجاب کا کزن ہے۔
کچھ وقت لگا تھا رجاب کو نارمل ہونے میں' اسے ڈسٹرب دیکھ کر سب پریشان ضرور تھے مگر کسی نے بھی حاذق کے حوالے سے کوئی ایسا سوال نہیں پوچھا جس کا جواب دینا اس کے لیے کٹھن ہوتا' کسی کے دل میں کوئی شک و شبہ نہ آئے اس لیے اسے قبول کرنا پڑا تھا کہ حاذق اس کا تایا زاد ہے اور یہ کہ عرصہ ہوا تایا کے گھرانے سے ان سب کا تعلق ختم ہو چکا ہے۔ شہرام نے حاذق کی آمد کی اطلاع دے کر اپنی ذمہ داری پوری کر دی تھی' یہی کرنا چاہیے تھا مگر رجاب کو راسب اور ان کے متوقع اشتعال نے پریشان کر رکھا تھا' سحر کی تسلی و تشفی بھی اس کے خوف کو کم نہیں کر سکی تھی۔ زیادہ وقت نہیں لگا تھا جب راسب اور ندا پہنچ گئے' رجاب نے خود کو مضبوط رکھنے کی بہت کوشش کی مگر راسب کے سامنے آتے ہی وہ ضبط نہ کر سکی۔ ان کے سینے سے لگتے ہی اس نے آنسوؤں کو مزید نہیں روکا تھا' یہ راسب ہی جانتے تھے کہ کس طرح انہوں نے اپنے اشتعال کو قابو کیا ہوا ہے ورنہ وہ تو حاذق تک پہنچ کر اس کا گریبان پکڑنا چاہتے تھے۔
"ندا..... یقین کریں جو ہوا لاعلمی میں ہوا' رجاب نے بعد میں تصدیق کی کہ وہ شخص اس کا تایا زاد ہے اور اس سے آپ کے تعلقات نہیں ہیں۔ اس شخص کی وجہ سے رجاب کی جو کیفیت ہوئی اس نے ہم سب کو ہی بہت فکرمند کر دیا ہے' رجاب ہمیں اپنے گھر کے فرد کی طرح عزیز ہے' ہمیں بہت شرمندگی ہے' جو آج ہوا وہ آئندہ کبھی نہیں ہوگا۔"
"سحر آپ شرمندہ ہو کر ہمیں بھی شرمسار کر رہی ہیں' ظاہر ہے جو ہوا سب آپ کی بے خبری میں ہوا' ہمیں رجاب کے لیے آپ سب پر مکمل بھروسہ ہے۔" ندا بولیں۔
"ہمارے گھر میں رجاب ہماری ذمہ داری ہے' مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ رجاب کی اجازت کے بغیر میں نے اس شخص کو گھر میں آنے دیا' میں ایک بار پھر آپ سے معذرت چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ سب کو بہت زحمت ہوئی' میں آئندہ احتیاط کروں گا' بھروسہ رکھیے اس گھر میں رجاب ہر طرح سے محفوظ ہے۔" شہرام اب بھی ندامت میں مبتلا راسب سے مخاطب تھے۔
"یہ میں جانتا ہوں شہرام مجھے بھروسہ ہے آپ کو کسی بھی بات کے لیے معذرت کرنے کی ضرورت نہیں۔" راسب بولے۔
"راسب بھائی' رشتہ داری میں تعلقات بگڑنا سننا کوئی انوکھی بات نہیں..... لیکن رجاب جس قدر اس شخص کو دیکھ کر وحشت اور پریشانی کا شکار ہوئی وہ غیر معمولی نہیں تھا..... کہیں ایسا تو نہیں کہ اس شخص سے رجاب کو کوئی نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو..... اگر ایسا کچھ ہے تو آپ ہمیں آگاہ کر دیں تاکہ ہم بھی محتاط رہیں۔" سحر کے کہنے پر راسب نے ایک نظر ندا کو دیکھا جو خاموش تھیں۔
"بھابی' رجاب کے لیے آپ کی اور شہرام کی فکر کو دیکھتے ہوئے میں خود بھی کچھ حقیقتیں آپ دونوں سے شیئر کرنا چاہتا ہوں..... حاذق کے بارے میں جو رجاب نے آپ کو بتایا وہ سچ ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ میرے تعلقات صرف تایا کے گھرانے سے نہیں بلکہ پورے خاندان سے ختم ہو چکے ہیں..... کچھ رشتے اتنے اذیت ناک ہو جاتے ہیں کہ ان سے کنارہ کش ہو کر آگے بڑھ جانا ہی

Digitized by Google

مناسب ہوتا ہے۔" راسب گہری سنجیدگی سے بولتے ایک پل کے لیے خاموش ہوئے۔

"حاذق سے تقریباً چھ برس پہلے رجاب کا نکاح ہوا تھا مگر کچھ ہی دن بعد اس نے رجاب کو طلاق دے دی تھی۔" راسب کے اس انکشاف نے شہرام اور سحر کو ششدر کر دیا تھا جبکہ باہر ڈرائنگ روم کی ونڈو کے قریب کھڑے امام کے لیے بھی مشکل نہ تھا اندر جاری گفتگو کو سننا' ماحول پر چھائے سکوت میں راسب کا بھاری لب ولہجہ گونج رہا تھا۔

"ہاتھ جوڑ کر التجاؤں کے ساتھ جن لوگوں نے رجاب کو مانگا بعد میں انہوں نے ہی اس سے جان چھڑانے کے لیے اس پر کیچڑ اچھالی' آئینہ دکھانے پر مجھے اور میری بیوی کو بے عزت کیا گیا' دھتکارا گیا' رجاب پہلے ہی خود پر ڈھائے گئے ظلم کی اذیت سے گزر رہی تھی' جان چھڑکنے والے رشتوں نے مزید بہتان لگا کر اس پر قیامت ڈھائی' اس کی پاکیزگی پر انگلیاں اٹھائی گئیں' ایک سانحے کو تماشا بنا دیا گیا' ان رشتوں نے جن پر مجھے فخر تھا۔ بس تب سے ہی شب خون مارنے والے ان سب رشتوں سے میرا اعتبار اٹھ گیا..... آپ سب کی بات الگ ہے' اس لیے آپ کے گوش گزار اس حقیقت کو کرنا زیادہ مشکل نہیں لگا اور نہ اس بارے میں کسی سے کچھ کہنا سننا خود ہی اپنے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے۔" راسب کا لہجہ بہت بوجھل تھا۔

"میرے لیے یہ بہت بڑی بات ہے کہ آپ نے مجھ پر اعتبار کرتے ہوئے اپنی اتنی تکلیف دہ حقیقت سے آگاہ کیا' ہمارے دل میں آپ سب کے لیے عزت اور احترام پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔" شہرام نے کہا تھا۔

❁.....❁.....❁

"تم نے ٹھیک ہی کہا تھا شعران....." اس رات حاذق رجاب کے شوہر کی حیثیت سے اس کے ساتھ موجود تھا۔ باقاعدہ شادی نہیں ہوئی تھی لیکن دونوں نکاح کے بندھن میں بندھ کر پہلی بار ساتھ باہر نکلے تھے اور پھر ہم جیسے شیطانوں کے نرغے میں پھنس گئے۔ تم نے غور کیا اس بات پر اس رات ہمارے ساتھ جو دوست تھے' آج بھی ان میں کوئی ایسا نہیں جو مصائب میں نہ گھرا ہو' مجھے دیکھو اپنی کوئی سمت متعین نہیں کر سکا' رجاء میرے انتظار میں ہر آنے والا رشتہ ٹھکرا رہی ہے اور میں اس کے انتظار کو طویل کرتا بس ذلیل و خوار ہو رہا ہوں اور تم خود کس آگ میں جلتے چین سکون سے دور ہو یہ تم جانتے ہو' کسی کو کانٹوں پر چلنے والے ہاتھ کبھی پھول نہیں چن سکتے۔ انسان کی کامیابی اور ناکامی میں اس کے اعمال کا بھی بہت عمل دخل ہوتا ہے..... آج جب ہر حقیقت میرے سامنے ہے تو مجھے لگتا ہے تم سے زیادہ گناہ گار میں ہوں..... اس رات میری مداخلت پر کہیں نہ کہیں رجاب نے مجھ سے یہ امید لگا لی ہوگی کہ میری وجہ سے وہ بچ جائے گی' میں اس کے اور تمہارے درمیان آ جاؤں گا' اسے بچا لوں گا مگر..... ایسا نہیں ہوا' کچھ نہیں بچا۔ حاذق سے اس کا رشتہ بھی نہیں....." سناٹے میں گھرے شعران اسے دیکھ رہا تھا جو کھوکھلی ہنسی ہنستا کھڑکی کی سمت چلا گیا تھا' چند لمحے باہر دیکھتے رہنے کے بعد وہ پھر شعران کی طرف متوجہ ہوا۔

"آج سے پہلے میں اس کے خلاف تھا کہ تم رجاب کے ہر حکم پر سر جھکاؤ مگر اب میں خود چاہتا ہوں کہ تم اس کی مرضی کے مطابق چلو مگر اس طرح کہ اپنے ساتھ' ساتھ اسے بھی نظروں کے راستے سے ہٹا لو۔ تمہاری محبت میں اتنی شدت ہونی چاہیے کہ وہ سب کچھ بھلا کر ایک نئی زندگی کی طرف قدم بڑھانے کے لیے تیار ہو جائے۔ تم اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو ایک کام اور کرو شہرام بھائی اور آپی کو سب کچھ بتا دو کیونکہ تم اب کوئی اور غلطی افورڈ نہیں کر سکتے۔" امام کے خاموش ہونے پر وہ پُرسوچ انداز میں سر کو حرکت دیتا اس کے مقابل آ رکا تھا۔

"امام بھائی اور بھابی کے سامنے اعتراف کرنا' ہر سچ کو بیان کرنا میرے لیے کس قدر مشکل ہے' تم اندازہ کر سکتے ہو' اس سلسلے میں تم کوئی مدد کرو گے تو شاید کچھ آسانی ہو جائے۔" شعران کے کہنے پر امام نے اثبات میں سر ہلایا اور ٹیرس سے بلند ہوتی ہنسنے کی آوازوں پر کھڑکی سے باہر دیکھا' رجاء جانے کیا کہہ رہی تھی کہ ایک بار پھر زنائشہ کے ساتھ رجاب کے کھلکھلانے کی آواز بھی فضا میں بکھری تھی' ان تینوں کی چہکتی آوازوں سے شام نکھر رہی تھی۔

"امام..... ایک بات تو سچ ہے کہ لڑکیاں بس ہنستی مسکراتی ہی اچھی لگتی ہیں لیکن یہ بات زندگی کو کون سمجھائے۔" باہر نظریں جمائے شعران دھیمے لہجے میں بولا اور پھر کھڑکی پر پردہ پھیلا دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

Digitized by Google

عصر کی نماز کی ادائیگی کے بعد وہ واپس لاؤنج میں آئیں جہاں بچے انہیں آتے دیکھ کر آپس میں باتیں کرنا چھوڑ کر پھر شدومد سے اپنے اپنے سپارے میں آج کا سبق دہرانے لگے ان بچوں میں صبغہ کے بھائی کے پوتے پوتیاں اور دونوں گھروں کے ملازمین کے بچے بھی شامل تھے صبغہ بچوں کے پاس جا کر بیٹھی بھی نہ تھیں کہ ٹیلی فون کی بیل بجی۔ گھر کے نمبر پر خال خال ہی کوئی رانگ کال آ جایا کرتی تھی ورنہ تو سیل فون کی موجودگی میں ٹیلی فون کو نگاہی پڑا رہتا تھا' کال ریسیو کرنے پر دوسری جانب خاموشی چھائی رہی تھی۔

"ہمرے کون ہو بھئی' کچھ بولنا نہیں تھا تو فون کیوں کیا۔" ناگواری سے کہہ کر وہ ریسیور رکھنا ہی چاہ رہی تھیں کہ خاموشی ٹوٹ گئی۔

"تائی امی میں..... دراج....." پھنسی پھنسی آواز نے صبغہ کو بے یقین سا کیا۔ اسی بے یقینی میں انہوں نے دراج کے سلام کا جواب بھی دیا۔

"کیسی ہیں آپ' خیریت سے ہیں؟"

"میں تو ٹھیک ہوں لیکن یہ آج تمہیں کیسے خیال آ گیا میری خیریت جاننے کا؟" قریب ہی رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے صبغہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنزیہ کہہ گئیں۔

"تائی امی یقین کریں میں زرکاش سے آپ کے بارے میں روز پوچھتی ہوں۔"

"نہ بھی پوچھو تو میں کون سا شکایت کروں گی' پہلے کون سا تم میرے آگے پیچھے گھومتی تھیں یا مجھے سر پر بٹھا رکھا تھا۔" صبغہ کے تلخ لہجے پر وہ کچھ بول نہیں سکی' صبغہ کو بھی شاید اس کی خاموشی اور اپنے لہجے کی تلخی کا فوراً احساس ہو گیا تھا۔

"زرکاش کا فون بند ہے کیا' جو تم نے یہاں فون کیا' ویسے وہ ابھی آفس سے گھر نہیں آیا۔"

"نہیں تائی امی' میں نے صرف آپ سے بات کرنے کے لیے فون کیا..... آپ کو اچھا نہیں لگا کیا؟"

"نہیں مجھے کیوں برا لگے گا' چلو اتنی مروت کا مظاہرہ تو کیا تم نے۔" صبغہ بولیں۔

"تائی امی' میں کافی دن سے بے چین تھی آپ سے بات کرنے کے لیے' زرکاش کو بتایا بھی مگر انہوں نے مجھے ٹال دیا' آج بجیا سے آپ کے گھر کا نمبر ملا تو پھر رہ نہیں سکی۔"

"زرکاش کو پتا ہے کہ تم نے مجھے فون کیا ہے؟"

"نہیں' ابھی آپ بھی مت بتایئے گا۔ کس منہ سے بار بار کہوں ان سے کہ میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں....." اس کے بجھے لہجے پر صبغہ خاموش ہو رہیں۔

"تائی امی..... میں نے بڑا دل دکھایا ہے آپ کا' بس ایک بار مجھے دل سے معاف کر دیں' آگے کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی' جیسا آپ کہیں گی ویسا ہی کروں گی' بس آپ میری طرف سے اپنا دل صاف کر لیں۔"

"دیکھو دراج..... معاف تو میں نے تمہیں تب ہی کر دیا تھا جب میں نے زرکاش کو تم سے شادی کی اجازت دی تھی' اب تمہارے لیے اپنے دل میں برائی رکھ کے کیا کروں گی' اب تو تم میری بہو بھی ہو۔"

"تائی امی..... میں تو چاہتی ہوں کہ شندا آپی' شیراز اور شیراز سے بھی میں خود بات کر کے ان سب کو مناؤں۔ میری وجہ سے آپ کو اور زرکاش کو ان تینوں کی ناراضگی برداشت کرنی پڑ رہی ہے۔"

"جب وقت آئے گا تو تم خود بھی بات کر لینا مگر ابھی تم درمیان میں مت آؤ' میں اپنی اولاد کے تیور جانتی ہوں' انہیں سنبھال لوں گی' تم اب اس گھر کی بہو اور زرکاش کی بیوی ہو' نہ زرکاش یہ چاہے گا اور نہ میں کہ کوئی بھی تم سے نفرت کا اظہار کرے یا تمہیں بے توقیر جانے۔"

"تائی امی..... زرکاش کو شاید یہ اندیشہ ہے کہ میرے فون پر آپ سے رابطہ کرنے پر آپ کو اور بھی زیادہ ناراضی کا سامنا کرنا پڑے گا' آپ کو بھی ایسا لگتا ہے تو کیا میں دوبارہ آپ کو فون نہ کروں؟"

"تم دوپہر میں مجھے فون کر لیا کرو اس وقت میرے سوا کوئی فون نہیں اٹھائے گا۔" صبغہ بولیں۔

"یعنی آپ مجھے اجازت دے رہی ہیں کہ میں آپ سے بات کر سکتی ہوں' آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟" دراج کے لہجے میں

Digitized by Google

خوشی نمایاں ہوئی۔

"ظاہر ہے‘ میں تم سے کیوں بات نہیں کرنا چاہوں گی‘ زرکاش کی تم فکر نہ کرو میں اسے سمجھادوں گی۔" صبغہ نرم لہجے میں بولیں۔

"آپ بہت اچھی ہیں‘ اتنی خوشی ہورہی ہے آپ سے بات کرکے آپ مجھے بس یہ بتائیے کہ میں ایسا کیا کروں کہ آپ بھی مجھ سے خوش رہیں......؟" اس کے سوال پر صبغہ مسکرائیں۔

"تم سے خوش رہنے کے لیے یہی کافی ہے کہ تم زرکاش کو راضی رکھو‘ اس کا خیال رکھو‘ اسے شکایت کا کوئی موقع نہ دو۔" صبغہ نے کہا جبکہ دراج کو یاد آیا کہ رائمہ کی طرف آنے کے بعد پچھلے تین دن سے اس نے ناراضی میں نہ زرکاش کی خیر خبر لینے کی کوشش کی اور نہ ہی اس کی کوئی کال ریسیو کی تھی۔

❁......❁......❁

"کبھی کبھی تو مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آپ میری بہن ہیں یا دشمن...... میرے منع کرنے کے باوجود آپ نے زرکاش کو کال کردی‘ میری طبیعت کا سن کر وہ کوئی رکنے والے تھے‘ اب کیا منہ لے کر جاؤں گی ان کے سامنے......" ابھی کچھ دیر پہلے وہ اسد کے ساتھ ہاسپٹل سے اپنی آنکھوں کا چیک اپ کرواکر گھر واپس آئی تو فوراً ہی زرکاش کی آمد ہوگئی۔ آج صبح سے آنکھوں میں سوزش محسوس ہورہی تھی۔ پہلے اسے یہی لگا کہ رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے ایسا ہورہا ہے مگر شام ہونے تک آنکھوں کی ہلکی سی تکلیف انفیکشن میں بدل گئی‘ زرکاش کو وہ اس لیے خبر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ ظاہر ہے انا آڑے آرہی تھی۔ اور پھر اسے پتہ تھا کہ زرکاش اسے ساتھ ہی لے جائے گا جبکہ اسے ابھی رائمہ کے پاس رہنا تھا۔

"زرکاش بھائی اگر خود ہی آجاتے تو تب کیا کرتیں تم اور وہ مجھ پر کتنا ناراض ہوتے تمہاری طبیعت کی طرف سے بے خبر رکھنے پر...... کم ازکم اب میں مطمئن ہوں کہ تمہاری بے وقوفیوں میں تمہارا ساتھ نہیں دیا۔" رائمہ نے الٹا اسے گھر کا اور پھر وہی ہوا‘ دراج کو بھی قطعی انداز میں ساتھ چلنے کا حکم دے دیا‘ رائمہ نے اسے کہا کہ کچھ دن میں وہ خود اسے گھر چھوڑ جائے گی مگر دراج نے رخصت ہوتے ہوئے بھی رائمہ سے ناراضی ختم نہیں کی۔

راستے میں زرکاش کی گمبھیر خاموشی نے اسے حیران نہیں کیا‘ وہ خود بھی اسے مخاطب نہیں کرنا چاہتی تھی مگر جب زرکاش نے ہاسپٹل کے سامنے گاڑی روکی تو دراج کو یاد دلانا پڑا کہ وہ چیک اپ کرواچکی ہے مگر زرکاش نے جیسے سنا ہی نہیں تھا‘ اس کی تسلی کی خاطر دراج کو پھر کوفت بھرے معائنے سے گزرنا پڑا‘ انفیکشن زیادہ خطرناک نوعیت کا نہیں تھا بس کاسمیٹکس کے مضر اثرات کا نتیجہ تھا‘ ڈاکٹر نے وہی دوائیں استعمال کرنے کے لیے کہا جو پہلے ڈاکٹر نے تجویز کی تھیں۔ گھر پہنچ کر زرکاش پر اسے سخت غصہ تھا جو اس کی تکلیف سے انجان بنا چپ کی مہر لگائے ہوئے تھا‘ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر اپنی شادی کے البم پر پڑی جو بیڈ پر ہی موجود تھی کوئی اور وقت ہوتا تو وہ خوشی سے اچھل پڑتی مگر اس وقت تو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ آنکھیں ٹشو سے رگڑتی وہ کمرے میں آتے زرکاش کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔

"اور دل لگا کر رولو تا کہ اور حشر نشر ہوجائے آنکھوں کا۔" زرکاش کے بگڑے لہجے پر وہ بیڈ پر بیٹھی آنکھیں ہی صاف کرتی رہی تھی۔

"شادی ہوجانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صبح شام تم میک اپ میں گھومو‘ میں تو تمہارا دھلا دھلایا میک اپ سے پاک چہرہ ہی بھول گیا ہوں‘ اللہ کی پناہ اس حال میں بھی میک اپ کے بغیر نہیں ہو تم۔"

"میک اپ کی وجہ سے انفیکشن نہیں ہوا‘ ڈاکٹرز کا تو کام ہی بک بک کرنا ہے۔" وہ تنک کر بولی۔

"اور تمہارا کام کیا ہے......؟ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینا۔" زرکاش کے گھر کنے پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"ذرا ایک نظر آئینہ دیکھو کیا حال ہورہا ہے آنکھوں کا‘ میں دیکھ کر پریشان ہوا تھا ہوں مگر تم...... اب جب تک میری اجازت نہیں ہوگی تم چہرے پر کوئی کاسمیٹکس نہیں استعمال کروگی‘ اب جانا ہے آنکھیں لے کر زنائشہ اور عرش کی دعوت پر......"

"کیوں ڈرا رہے ہیں‘ ایک تو پہلے ہی میں تکلیف سے بے حال ہوں...... دعوت کینسل کردی تو زنائشہ کا دل ٹوٹ جائے گا اور عرش کیا سوچے گا۔" وہ پریشان ہوئی۔

Digitized by Google

"بس ایک میرے علاوہ سب کے دل کی پروا ہے تمہیں..... ناراضگی جتانے کے لیے ہی کال ریسیو کرلیتیں میری..... میں یہاں تمہاری آواز سننے کے لیے ترس رہا تھا اور تم یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہاری اموشنل بلیک میلنگ میرے لیے کتنی جان لیوا ہوتی ہے پھر بھی سنگ دلی کی انتہا کردی اب رائمہ کی طرف جاکر تم نے کبھی میری کالز اگنور کیں تو اسی وقت تم تک پہنچوں گا ہوش درست کرنے۔" زرکاش کے برہم انداز پر وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی جو سائیڈ ٹیبل کے قریب ہی دواؤں کے شاپر سے آئی ڈراپس نکالتا بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔

"لیٹ جاؤ ڈراپس ڈالنے سے کافی فرق پڑے گا۔" زرکاش نے کہا تو وہ خاموش سے لیٹ گئی ویسے بھی آنکھوں میں خارش زیادہ ہونے لگی تھی اور پھر زرکاش کی محبت پر وہ مزید ناراض نہیں رہ سکتی تھی۔

❁.....❁.....❁

آج کا دن بہت اچھا رہا تھا پہلی وجہ یہ کہ آج رات دراج اور زرکاش ڈنر پر مدعو تھے شہر کے سب سے معروف ہوٹل میں عرش نے ٹیبل بک کروالی تھی دوسری سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ اس کی تاکید پر زرق آج ذرا وقت سے پہلے آ گیا تھا رجاب کو پک کرنے جانے پر سارا اہتمام سحر نے خود کیا تھا اسے زرق کے پاس سے اٹھنے بھی نہ دیا آج اس نے ڈھیروں باتیں کیں زرق سے زرق کی شخصیت میں اتنی سنجیدگی وقار جاذبیت اس کے لیے حیران کن تھی کبھی کبھی اسے لگتا کہ جیسے اپنے باپ کے مرنے پر ہی اس نے زرق کو کھویا تھا وہ تو اب اسے ملا ہے پہلے وہ بالکل ایسا ہی تو تھا بہت کم گو مہذب دھیمے لہجے میں بات کرنے والا بالکل اپنے باپ کی طرح شعقران اور شہرام کے گھر آنے تک اس نے امام کو بھی فون کردیا تھا۔ رجاء کو بطور خاص اس نے ٹیرس پر بلا کر زرق کا تعارف کروایا۔ عرش جانے کس کام میں پھنسا تھا زنائشہ کو بس یہ فکر تھی کہ وہ اسٹائلیٹ نہ ہو کہ دراج اور زرکاش کو میزبان بن کر ان سب کا استقبال کرنا پڑے۔

گھر میں داخل ہوتے عرش کی نظریں اس پر ٹھہر گئیں زندگی میں جسے دیکھ کر سانس لی جائے وہی سانسیں روک دینے پر بضد ہو جائے تو..... کوئی آخر کب تک دھڑکنوں جذبوں اور نگاہوں پر پہرے بیٹھا سکتا ہے مگر وہ یہ کام کر رہا تھا مسلسل کر رہا تھا لیکن ہر بار ضبط کو انتہائی حدوں تک جانے سے روکنا ناممکن ہو جاتا ہے..... لاؤنج میں ہی وہ امام کے پاس کھڑی تصویروں کے بنڈل سے چن چن کر تصویریں نکال کر امام کو دینے میں منہمک تھی جن کو امام البم میں لگاتا جا رہا تھا۔ یہ ڈھیروں تصاویر البم میں سجا کر وہ آج دراج کو گفٹ کرنے والی تھی اپنے انہماک میں وہ عرش اور اس کی نگاہوں سے بھی فی الوقت بے خبر تھی اور عرش وہ زنائشہ کو سیاہ رنگ کے لباس میں پہلی بار دیکھ رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے صحرائی چاندنی سیاہ بدلیوں کی اوٹ سے جھلک دکھاتی آنکھ مچولی کھیل رہی ہو اس کے رخساروں پر بکھری شفق میں بھی چاندنی جھلملا رہی تھی۔ تب ہی زنائشہ کو چونک کر اپنی طرف متوجہ ہوتا دیکھ کر وہ بمشکل مسکرایا زنائشہ سرعت سے اسی کی جانب آئی۔

"عرش کہاں رہ گئے تھے تم.....؟ زرق نے کتنا انتظار کیا تمہارا..... اب زیادہ وقت نہیں ہے تمہارے پاس جلدی سے جا کر چینج کرو اور ایک خوش خبری سننے جاؤ بلا آخر میں نے بھابی کو شیشے میں اتار لیا میرے کمرے میں جا کر دیکھو ذرا، بہت دل لگا کر بھابی کو تیار کر رہی ہے اور ان کے نخرے بھی اٹھا رہی ہے۔"

"تم ذرا آ کر میری بات سنو۔" دھیمے لہجے میں اسے مخاطب کرتا وہ رکا نہیں تھا جبکہ زنائشہ کچھ حیران ہوتی اس کے پیچھے ہی شعقران کے کمرے میں پہنچی تھی۔

"زنائشہ..... ایک بات کہوں تم مانو گی؟" وہ سنجیدگی سے پوچھتا اسے مزید حیران کر گیا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے تم کہو تو..... میں نہ مانوں ایسا بالکل نہیں ہوگا۔"

"تو پھر میری بات مان کر چینج کرلو کوئی دوسرا لباس پہن لو۔" عرش کے کہنے پر وہ حیران ہوئی۔

"مگر کیوں.....؟" زنائشہ کا چہرہ اتر گیا۔

"تمہیں میری بات ماننی ہے یا نہیں؟" زنائشہ کا سوال نظر انداز کرتا وہ اسی سنجیدگی سے بولا جواباً زنائشہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے مگر عرش اس کے سامنے سے ہٹتا ڈریسنگ روب کی طرف بڑھ گیا زنائشہ بجھے دل کے ساتھ واپس پلٹتی ایک پل کے

Digitized by Google

لیے اندر آتے شفران کی طرف متوجہ ہوئی۔

"زنائشہ آج تو تمہارے آگے چاند بھی شرما جائے گا..... چاند سے میری مراد ہے تمہارے مجازی خدا" شفران کے شرارتی انداز پر وہ بمشکل مسکراہٹ کمرے سے نکل گئی۔

"اسے کیا ہو گیا..... تم نے کچھ کہہ دیا کیا اسے.....؟" زنائشہ کی غیر معمولی خاموشی پر شفران نے حیرت سے عرش کو دیکھا۔

"تمہارا ہر معاملے میں بولنا ضروری نہیں ہے۔" عرش کے سخت ناگوار لہجے پر شفران حیرت سے بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ سحر اور رجاء حیران پریشان اس سے سوال کیے جا رہی تھیں' جو خاموشی سے دوسرا لباس پریس کرنے میں مصروف تھی۔

"زنائشہ..... اچانک ہوا کیا ہے کم از کم مجھے تو بتا دو؟" رجاء نے تاسف سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"تم سب نے جھوٹی تعریف کی میری' کوئی اچھی نہیں لگ رہی میں اس سیاہ لباس میں' ورنہ عرش کیوں کہتا مجھے چینج کرنے کے لیے۔" اس کے بھرائے لہجے پر حیرت اور صدمے سے رجاء کا حال برا ہوا۔

"عرش کا تو دماغ خراب ہے اور تم اس کی باتوں میں آ کر میری دو گھنٹے کی محنت ضائع کر رہی ہو۔"

"بس مجھے چینج کرنا ہے' تم جا کر بھائی سے کہو کسی سے کچھ نہ کہیں' میں اپنی مرضی سے چینج کر رہی ہوں۔" انگوری رنگ کے ہلکے سے فینسی لباس میں وہ بڑی بیزار نظر آ رہی تھی۔ شیفون کا بڑا سا دوپٹہ شانوں پر درست کرتی وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑی تھی جب اس کی نگاہ کھلے دروازے سے باہر گئی' عرش اسے اسی جانب آتا دکھائی دیا' خفگی کے باوجود زنائشہ اپنی حیرت نہیں چھپا سکی کہ عرش نے اس کے لباس کے ہم رنگ شرٹ ذیب تن کر رکھی تھی اور بڑی سج دھج کے ساتھ خوشبو میں لپٹا اندر آیا تھا۔

"تم کتنی بار وعدہ خلافی کرو گی.....؟ میری بات نہ ماننیں اگر رونا ضروری تھا۔" اس کی شکایت پر وہ خاموش رہی۔

"اور تم سے کس نے کہا کہ تم سیاہ لباس میں اچھی نہیں لگ رہی تھیں.....؟ مسئلہ صرف یہ تھا کہ تم حد سے زیادہ اور بے انتہا اچھی لگ رہی تھیں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "آ جاؤ جلدی' سب جانے کے لیے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" اس سے پہلے کہ زنائشہ کچھ کہتی وہ کمرے سے نکل گیا۔

مہمان اور میزبان ساتھ ہی پہنچے تھے۔ زنائشہ دیکھ رہی تھی کہ عرش بہت گرم جوشی کے ساتھ زرکاش سے ملا تھا اور دراج سے بھی بہت خوش اخلاقی سے پیش آ رہا تھا۔ بلیک دلکش سازھی میں دراج بلاشبہ قیامت ڈھا رہی تھی۔ شہرام اور سحر سے بہت ملنساری اور ادب کے ساتھ مل کر اس نے زنائشہ کو خوش کر دیا۔ شہرام اور سحر نے بھی گزشتہ تلخیوں کا کوئی تاثر دوران گفتگو نہ آنے دیا۔ کھانا بہت عمدہ تھا اور بہت خوشگوار ماحول میں تناول کیا گیا تھا۔

"سنو' مجھے صبح ہی صبح ایک کام کے سلسلے میں جانا ہے' تین چار دن میں واپسی ہو گی' کوئی کانٹیکٹ اس دوران نہ کر سکوں تو پریشان مت ہونا۔" عرش نے فوراً سے پیشتر اس سے کہا' وہ قدرے حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"کہاں جا رہے ہو تم؟"

"جہاں بھی جا رہا ہوں' اچھے مقصد سے جا رہا ہوں' بھائی کی ناراضگی کا خطرہ ہے اس لیے انہیں اپنے جانے کا نہیں بتا رہا' وہ میری غیر موجودگی میں غصہ کرتے نظر آئیں تو بالکل خاموش رہنا' انہیں یہ خبر نہیں ہونی چاہیے کہ تمہیں میرے جانے کی خبر ہے ورنہ تم بھی پھنسو گی۔"

"مگر کچھ پتہ تو چلے کہ تین چار دن کے لیے تم کس کام سے اور کہاں جا رہے ہو' مجھ سے مت چھپاؤ ورنہ میں پریشان ہی رہوں گی۔"

"مجھے تمہاری سپورٹ چاہیے اور تم ہی مجھے کمزور کر رہی ہو۔" عرش نے زچ ہو کر اسے دیکھا۔ "وعدہ کرتا ہوں' واپس آ کر سب بتا دوں گا' ابھی اگر کچھ بتا دیا تو تمہیں سرپرائز دینے کے لیے جو محنت میں کرتا رہا ہوں سب بے کار رہ جائے گی۔"

"ایک تو تمہارے یہ سسپنس اور سرپرائز کسی دن میری جان لے لیں گے۔"

"زنائشہ..... کہا تو ہے اچھے مقصد سے جا رہا ہوں' اسی میں تمہارا سرپرائز چھپا ہے ورنہ تمہیں بتانے میں کوئی حرج نہ تھا' دراصل

Digitized by Google

اپنی وجہ سے تمہارے چہرے پر خوشی دیکھنے کا موقع میں کسی قیمت پر ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتا اب ایسا پریشان چہرہ بنا کر یا کوئی سوال کر کے مجھے مشکل میں نہ ڈالو۔" عرش نے التجائی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے' مقصد اچھا ہے تو میں کوئی اور سوال نہیں کرتی مگر عرش' تین چار دن تمہیں دیکھے بغیر' کسی رابطے کے بغیر میں سکون سے نہیں رہوں گی' ہم دونوں ہی بچھڑ جانے کی اذیت سے گزر چکے ہیں' اس اذیت کے خوف اور اندیشے سے باہر نکلنے میں مجھے بہت وقت لگے گا' کیا میری تسلی کے لیے تم کوئی اشارہ بھی نہیں دے سکتے؟" اس کے بجھے لہجے پر عرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ایک اشارہ ہے۔" عرش نے اپنی جیب سے کچھ نکال اس کی مٹھی میں قید کر دیا تھا۔

"عرش..... تم نے کیا چیز بند کی ہے میری مٹھی میں؟" اس کی مشکوک نظروں پر عرش بس معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ عرش اس کا ہاتھ بدستور پکڑے لاؤنج کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"اپنے کمرے میں جا کر دیکھ لینا کہ ہاتھ میں کیا چھپا ہے۔" عرش نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا جو ہاتھ آزاد کروانے میں ناکام رہی تھی۔

"عرش..... تم جہاں بھی جا رہے ہو بس اپنا خیال رکھنا اور تین دن کافی ہیں' چار دن مت لگانا۔" اپنے کمرے میں داخل ہوتی وہ اسے تاکید کرنا نہیں بھولی تھی۔

"میں پوری کوشش کروں گا' تم بے فکر رہو۔"

"صبح کب جاؤ گے؟ میں جگا دوں گی تمہیں۔"

"رہنے دو' تم جیسی صورت بنا کر مجھے الوداع کہو گی' میرا جانا مشکل ہو جائے گا' بس ابھی یہی سے اللہ حافظ کہہ دو اور اطمینان سے سو جاؤ۔"

"اللہ حافظ' جلدی آ جانا واپس۔" زنائشہ کا چہرہ اتر گیا تھا' دوسری جانب دروازہ بند کرتے عرش رکا تھا۔

"سنو..... سفر پر جا رہوں تو کہنا یہ تھا کہ روایت کے مطابق اپنی کوئی نشانی' محبت کا کوئی تحفہ یا خوشبو جیسی کوئی بات میرے حوالے کرنی ہے تو بتاؤ' دل و جان سے حاضر ہوں۔" عرش کی شوخ نظروں اور لہجے پر وہ بے ساختہ جھینپی اور نفی میں سر ہلاتی سرخ ہو گئی تھی۔

"غضب ڈھاتی ہو شرماتی ہو تو جب میں واپس آؤں تو ایسے ہی ہنستی ہوئی ملنا۔" اس کی محبت بھری تاکید پر زنائشہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تو وہ اس کا مسکراتا چہرہ آنکھوں میں اتارتا دروازہ بند کر گیا' چند لمحوں تک وہ بند دروازے کو دیکھتی رہی اور پھر پلٹ کر بیڈ کے کنارے آ بیٹھی' دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے دھیرے سے بند مٹھی کھولی تو دنگ رہ گئی' اس کی ہتھیلی پر سیاہ رنگ کا کرسٹل سے بنا بہت خوب صورت اور چھوٹا سا چمکتا دمکتا ایک ہیلی کاپٹر رکھا تھا۔

❁.....❁.....❁

چار نفوس کی موجودگی کے باوجود گہرے سناٹے اور خاموشی کا راج تھا' کچھ گھبرا کر امام نے ایک نگاہ اسے دیکھا جو دیوار سے پشت ٹکائے جھکے سر کے ساتھ کسی مجرم کی طرح کھڑا تھا۔ دوسری نگاہ اس نے شہرام اور سحر پر ڈالی جن کے چہروں پر تفکرات کے سائے بہت گہرے تھے۔ بالآخر اس سناٹے کو شہرام کی آواز نے توڑا۔

"بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی تھی مجھ سے' مجھے لگا تھا کہ خاموش رہنے سے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا' مگر..... اب پچھتانے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہونے والا..... میں پہلے ہی ہمت کا مظاہرہ کر لیتا' نہ بھاگتا شقران کو ساتھ لے کر اس گناہ سے جس کا اب کوئی ازالہ بھی ممکن نظر نہیں آتا کاش میں خاموش نہ رہتا' اس رات اپنے قدم نہ روکتا تو آج کم از کم راسب کے سامنے کھڑے ہونے کے قابل تو ہوتا....." شہرام سخت پشیمان اور مضطرب تھے۔

"مجھے تو رجاب سے زیادہ راسب بھائی کی فکر ہے' وہ یہ سچ کیسے برداشت کریں گے' ایک قیامت آ جائے گی' ہم اب کیا کریں گے..... کیسے رجاب اور راسب بھائی کا سامنا کریں گے۔" سحر از حد پریشان ہو کر بولیں جبکہ شقران نگاہ بھی نہ اٹھا سکا تھا۔

"شہرام بھائی..... جو ہو چکا ہے اب اسے بدلہ بھی نہیں جا سکتا..... بہتر یہی ہے کہ حوصلہ کر کے اب آگے کے بارے میں

Digitized by Google

سوچیں کہ کیا کرنا چاہیے۔ رجاب اپنے بھائی سے شقران کی حقیقت چھپائے رکھنا چاہتی ہے یہ بات آپ سب کے حق میں بہتر ہے کچھ حقیقتوں پر پردہ پڑا رہے تو کیا یہ بہتر نہیں؟" امام نے کہا۔

"نہیں امام میں اب گناہ پر ایک اور گناہ نہیں کر سکتا رجاب کیا سوچ رہی ہے یہ وہ جانتی ہے مگر میں راسب کو اندھیرے میں رکھ کر ان کے اعتبار کا قتل نہیں کر سکتا۔"

"رجاب..... اسی حقیقت کو اپنے بھائی پر عیاں نہیں کرنا چاہتی اس کی کوئی تو وجہ ہوگی..... اسے نظر انداز کر کے کیا آپ شقران کو راسب بھائی کے سامنے کھڑا کر دیں گے..... آپ جانتے ہیں کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟" سحر خوف زدہ نظر آنے لگیں۔

"جو بھی ہو مگر شقران سمیت مجھے بھی اپنی غلطی کا اعتراف راسب کے سامنے کرنا ہوگا..... ہمیں اشارہ مل چکا ہے اگر اب بھی خاموشی اختیار رکھی گئی تو قدرت کی پکڑ بہت سخت ہے اس پکڑ سے ہم کہاں تک بھاگ سکتے ہیں۔" شہرام قطعی لہجے میں کہہ کر شقران کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اگر تم واقعی رجاب سے شادی کا فیصلہ کر چکے ہو اور رجاب کے دباؤ کے بغیر..... تو تمہارا فیصلہ بالکل درست ہے تمہیں یہی کرنا چاہیے مگر راسب کو ہر حقیقت کا علم بھی ہونا چاہیے۔"

"شہرام..... ایک طرف آپ یہ چاہتے ہیں کہ شقران راسب کے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے ان کے عتاب اور سزا کو جھیلے دوسری طرف شقران چاہتا ہے کہ رجاب کو اپنا کر ساری زندگی کے عذاب سے دوچار رہے..... ایک گناہ کی دو سزائیں ہوں یہ کیسے ممکن ہے؟" سحر بولیں۔

"بھابی..... رجاب نے بھی تو ناکردہ گناہ کی اذیت میری بدولت جھیلی اور آج تک عذاب اور اذیت کے درمیان زندگی گزاری..... جب یہ سب ممکن ہو سکتا ہے تو سب ممکن ہو سکتا ہے۔" شقران نظر جھکائے قطعی لہجے میں بولا۔

"شقران اگر امام کا شبہ غلط ہے اور رجاب کے دباؤ کے بغیر تم نے اس سے شادی کا فیصلہ کیا ہے تو تمہیں اس قدر یقین کیوں ہے کہ رجاب بھی تم سے شادی کرنے پر آمادہ ہوگی؟" سحر نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے بس یقین ہے کہ وہ اپنے بھائی کے خلاف نہیں جا سکتی..... آپ لوگ بس اس کے بھائی کو میرے لیے راضی کر لیں....." شقران ٹھہرے لہجے میں بولا۔

"سحر مجھے اب شقران سے زیادہ رجاب کی زندگی کی فکر ہے شقران کی وجہ سے اس کی زندگی برباد ہوئی تھی مگر اب شقران کی وجہ سے ہی آباد بھی ہوگی۔ جب تک میں زندہ ہوں کسی طور نہ شقران کی زندگی عذاب سے دوچار ہوگی نہ رجاب کی..... یہ دونوں ایک ساتھ بہت شاندار زندگی گزاریں گے....." شہرام کے پُریقین لہجے پر سحر مزید کچھ نہ کہہ سکیں۔

"شہرام بھائی میرا تو یہی خیال ہے کہ آپ پہلے رجاب کے بھائی سے اس کا ہاتھ مانگیں..... انکار تو ممکن ہی نہیں ان کی طرف سے اور یقیناً آپ کا یہ عمل رجاب کو بھی کسی مخالفت سے روک دے گا۔ ویسے بھی اس نے ابھی اپنے بھائی کو کچھ نہیں بتایا جب ہی تو وہ یہاں بچوں کو ٹیوشن پڑھانے آ رہی ہے۔" امام نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو ہمیں پہلے ان کے دل میں مزید جگہ بنانی ہوگی ہو سکتا ہے کہ ہمارا یہ عمل راسب کے دل کو ہمارے لیے کچھ نرم کر دے۔ شقران ان کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا اپنے گناہ کا اعتراف کرنا چاہتا ہے ازالہ کرنے کے لیے تیار ہے اس کی ندامت اور رجاب کے لیے اس کی نیک نیت اور ہم سب کا خلوص رجاب اور راسب دونوں پر اثر انداز ضرور ہوگا۔" شہرام بولے۔

"بھائی..... میں رجاب کے بھائی کو سب کچھ بتانے سے پہلے ایک بار رجاب سے بات ضرور کرنا چاہوں گا۔" شقران نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ضرور اس سے بات کر کے اپنے ارادے سے اسے آگاہ کرنا لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس کی مرضی تمہارے ارادے میں شامل ہو یا نہ ہو راسب کا سامنا تمہیں ہر صورت کرنا ہے۔" شہرام نے قطعی انداز اپنایا۔

"سحر..... ہمیں جلد از جلد شقران کے لیے رجاب کا ہاتھ مانگنا ہے تم ذہنی طور پر تیار رہو کسی پریشانی یا خوف میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہم سب کی نیت اور دل کا حال اللہ جانتا ہے اللہ پر بھروسہ رکھو آسانی ضرور ہوگی دعا کرو کہ ہم سب اس آزمائش میں

Digitized by Google

ثابت قدم رہ کر کامیاب ہوں۔" شہرام کے سمجھانے پر بہت تشویش میں گھری سحر بس سر ہلا کر رہ گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

خوشی سے اس کے قدم ہی ایک جگہ نہیں ٹھہر رہے تھے فلیٹ کے ایک ایک کونے کا جائزہ لیتی وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی' زرق اس کے پیچھے ہی تھا جو بالآخر گیلری تک آ رکی تھی۔ گیلری کے بالکل سامنے سڑک کے دوسری جانب پبلک پارک تھا' دور تک پھیلے سبزے پر خوشگوار شام کی رونقیں بکھری ہوئی تھیں۔

"زرق' یہ گھر کتنا پیارا ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے تم نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہے' تم میری خوشی کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔"

"جانتا ہوں تم کس قدر خوش ہو مگر تم سے زیادہ خوش میں ہوں' تمہارے قدم رکھنے کے بعد میرے لیے یہ گھر اب واقعی ایک گھر ہے' میرا نہیں صرف تمہارا گھر ہے لیکن یہ اتنا بڑا اور خوب صورت نہیں جتنا کہ عرش کا گھر ہے۔" زرق نے سنجیدگی سے کہا۔

"میری نظر میں اس گھر کی اہمیت کسی طور عرش کے گھر سے کم نہیں کیونکہ یہ میرے بھائی کا گھر ہے۔" خوشی سے نہال ہوتی وہ یک دم سنجیدہ ہوئی۔

"آج آگر امی ابو بھی ہمارے ساتھ ہوتے تو تمہاری ان کامیابیوں پر کس قدر خوش ہوتے..... جانے کیوں یہ ہوتا ہے کہ درختوں میں پھل تو لگ جاتے ہیں مگر ان درختوں کے بیج بونے والے کم ہو جاتے ہیں۔" خاموش ہو کر زنائشہ نے زرق کے دھواں ہوتے چہرے کو دیکھا اور پھر مسکرائی۔

"مگر تمہاری کامیابیوں پر خوش ہونے' تمہارے لیے دعا کرنے کے لیے میں تو موجود ہوں' ایک وقت وہ تھا کہ میرے سر پر نہ سائبان تھا۔ اس وقت گمان بھی نہیں تھا کہ اسی زمین پر کہیں ایک نہیں دو دو گھر میرے لیے موجود اور منتظر ہیں..... زرق کہیں یہ سب کوئی خواب تو نہیں..... کیا واقعی ہم دونوں ساتھ اپنے گھر میں موجود ہیں؟"

"میں یقین کر چکا ہوں کہ یہ سب حقیقت ہے تم بھی کوئی خواب نہیں دیکھ رہیں۔" گہری سانس بھرتے ہوئے زرق نے اس کا سر اپنے سینے سے لگایا۔

"مجھے اب زیادہ فکر تمہاری ہے۔" زرق کے عجیب لہجے پر وہ حیران ہوئی۔

"میری فکر کرنے کے لیے شہرام بھائی اور بھابی موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر عرش' فکر تو اب مجھے کرنی ہے تمہاری..... اچھی سی لڑکی دیکھ کر اب جلد از جلد مجھے تمہاری شادی کرنی ہے اور کان کھول کر سن لو میری پسند پر کسی کی پسند کو فوقیت نہیں دو گے تم..... رجاب اور اسد بھائی کو بھی میری پسند پر راضی ہونا پڑے گا' سمجھے یا نہیں؟"

"سمجھ گیا ہوں لیکن یہ بات قبل از وقت ہے میں تم سے ابھی عرش کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"عرش کے بارے میں.....؟" وہ چونکی۔

"ہاں..... میں جانتا ہوں اس بارے میں کوئی سوال کرنے کا وقت گزر چکا ہے مگر پھر بھی میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی تم نے جس وقت اپنی زندگی کا ایک اہم فیصلہ کیا وہ کسی بھی دباؤ میں آ کر یا کسی مجبوری کے تحت نہیں کیا تھا؟" زرق کے سوال پر وہ چند لمحوں تک بغور اس کے تاثرات جانچتی رہی پھر دھیرے سے مسکرائی۔

"میں سمجھ رہی ہوں کہ تم کیا جاننا چاہتے ہو..... عرش کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کا فیصلہ میں نے ہرگز کسی دباؤ یا مجبوری کے تحت نہیں کیا تھا' بس ایک جذبہ ضرور محرک بنا جسے میں بیان نہیں کر سکتی..... عرش کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے میں اس وقت بس یہ جانتی تھی کہ وہ میرے لیے ہے اور میں اس کے لیے....."

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کیا تھا' کیسی سرگرمیوں' کیسے پیشے سے منسلک تھا؟" زرق نے درمیان میں بات کاٹی۔

"ہاں سب کچھ جانتے ہوئے بھی..... کیونکہ میں جانتی ہوں کہ اپنی ماں کو زندہ رکھنے کے لیے وہ اپنے آپ کو فروخت تو کیا موت کے حوالے بھی کر سکتا تھا۔"

"کوئی اس کے ماضی کے بارے میں تم سے آ کر سوال کرے گا تو کیا جواب ہوگا تمہارے پاس.....؟ کب تک اس کی اولاد

Digitized by Google

سے اس کا ماضی چھپا کر رکھو گی؟" زرق کے سوال پر اس کے تاثرات پُرسکون ہی رہے۔

"میرے لیے عرش کے ماضی سے زیادہ اس کے آج کی اہمیت ہے مجھے اس کے آج سے زیادہ اس کے گزرے کل پر فخر ہے' اس نے اپنی تسکین' اپنی آسائشوں کی خاطر نہیں ایک اصول رشتے کی محبت میں آنکھیں بند کر کے وہ راستہ چنا..... یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ تباہی کے راستے پر ہے..... مجھے فخر ہے کہ بالآخر وہ اس تاریک راستے سے پلٹ آیا' جس طرح تم پلٹ آئے ہو..... میں عرش کی ہی نہیں تمہاری اولاد کو بھی بہت فخر سے بتاؤں گی کہ وہ اپنے باپ سے یہ سیکھیں برائی کو اچھائی میں کیسے بدلا جاسکتا ہے' ناکامیوں کو کتنی جدوجہد کے بعد کامیابیوں میں بدلا جاتا ہے' مایوسیوں اور تاریکی کے بھنور سے کیسے نکلا جاتا ہے..... مجھے کسی سے عرش یا تمہارے ماضی کو چھپانے کی ضرورت نہیں..... عرش کی اور تمہاری زندگی میں کچھ چیزیں بہت مماثلت رکھتی ہیں..... تم اپنے باپ کی محبت میں ان کی جدائی میں نڈھال دنیا سے غافل اور کٹ گئے تھے اور عرش نے اپنی ماں کی محبت اور ان کی جدائی کے خوف سے صحیح اور غلط کی پہچان کھو دی تھی..... شاید یہی مماثلت ہے جو مجھ سے کئی گنا زیادہ عرش تمہارے لیے بہت خوش ہے۔ وہ تمہاری اس نئی زندگی اور حیران کن بدلاؤ سے بہت متاثر ہے۔" ایک پل کو ٹھہر کر زنائشہ نے زرق کے گہرے سنجیدہ تاثرات کو دیکھا۔

"زرق..... یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں یہ باور کروا رہی ہوں کہ عرش کے ماضی پر سوال اٹھانے سے پہلے تم اپنے ماضی کو بھی سامنے رکھو۔ میں بس تمہاری توجہ اس طرف دلانا چاہ رہی ہوں کہ تم سمجھنا چاہو تو عرش کے گزرے حالات کو مجھ سے بھی زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو' وقت اور حالات انسان کو اس کے محور سے ہٹا کر بھٹکا دیتے ہیں' عظیم انسان وہی ہے جو صعوبتیں اٹھا کر درست راستے کو ڈھونڈ نکالے اور میری زندگی میں ایسے ہی دو عظیم انسان موجود ہیں' مجھے ان پر فخر ہے۔" زنائشہ کے جذباتی لہجے پر زرق نے سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

اس کے سامنے فلک بوس پہاڑوں کا پُرہیبت سلسلہ پھیلا ہوا تھا' ان پہاڑوں میں کوئی بھٹک جائے تو کسی بیرونی مدد یا معجزے کے بغیر قیامت تک ان کی قید سے نہ نکل سکے' رات بھر پہاڑوں پر طوفانی بارش کا جاری رہنے والا سلسلہ اب تھم چکا تھا' نرم چمکتی دھوپ ان پہاڑوں کی ہیبت اور جلال کے سامنے پھیکی پڑ رہی تھی' مخصوص یونیفارم میں ملبوس عرش کی سیاہ گلاسز میں چھپی نگاہیں آسمان کو چھوتی چوٹیوں سے اتر کر دور کھڑے ہیلی کاپٹر پر رکی تھیں' آج پھر اسے ملٹری کی ایمرجنسی ریسکیو ٹیم کے ہمراہ سرچ آپریشن شروع کرنا تھا۔ تین مینیجرز سمیت ایک ایئر کرافٹ ان پہاڑوں میں کہیں غائب ہو گیا تھا' جس کی تلاش میں مقامی ریسکیو ٹیمیں ناکام رہی تھیں۔ ایئر ٹریفک کنٹرول ٹاور کی انفارمیشن کے مطابق کریش کسی فنی خرابی کے باعث پہاڑوں پر ہوا تھا' جس کا ملبہ بھی نہ مل سکا۔ گمشدہ تین افراد کے فیملی ممبرز کی ساری امیدیں اب اس کی ٹیم سے وابستہ تھیں' تین زندگیوں کا سوال تھا اور پھر یہ تھا بھی اس کا پہلا آفیشل پروجیکٹ' پریشر میں ہونا فطری بات تھی۔ پچھلی ناکامیوں کے باوجود آج وہ بہت پُرامید تھا تو بہت فکرمند بھی کہ وہ تین' تین لاشوں کے ساتھ واپس نہیں آنا چاہتا تھا۔

ہیلی کاپٹر کے ساکت روٹر بلیڈز کو دیکھتے ہوئے اس کا دھیان گھر کی طرف گیا' اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ واپس جا کر شہرام کو کنوینس کرے گا کہ فلائٹ اس کی زندگی کا ایک حصہ بن چکی ہے۔ ایک بار آسمان میں اڑنے کے بعد دوبارہ نہ اڑنے کا عہد کرنا ناممکن ہوتا ہے' سے یقین تھا کہ شہرام سمجھ جائیں گے اور فلائٹ کو پروفیشن بنا لینے کے اس فیصلے کو قبول کریں گے۔

"موسم بالکل صاف ہے' ہم یقیناً آج کامیاب لوٹیں گے۔" کاک پٹ میں داخل ہوتے ہوئے اس نے اپنے ساتھی پائلٹ سے کہا' مائیکروفون سے لیس ہیڈ سیٹ پہن کر اس نے باقی دونوں ہیلی کاپٹرز پر نگاہ ڈالی جو ٹیک آف کے لیے ریڈی تھے' اپنے رائٹ ہینڈ سے سیٹ بیلٹ لیول اڈجسٹ کر کے اس نے اپنے بھاری بوٹ تلے موجود پیڈلز پر پریشر ڈالتے ہوئے لیور کو پش کرنا شروع کیا' ہیلی کی روپر ہیوی روٹر بلیڈز پہلے ہی حرکت میں آ چکے تھے' اس کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر نے ٹیک آف کیا تھا' آسمان کی لونچائیوں سے پہاڑوں کا ہیبت ناک تاثر مٹ گیا' مگر ان پہاڑوں کے درمیان تلاش کو جاری رکھنے سے زیادہ اہم اور کٹھن تھا ہیلی کاپٹر کو ان پہاڑوں سے بچا کر نکالنا' درحقیقت کسی کو موت کے منہ سے نکالنے کے لیے موت کے دہانے تک تو جانا ہی پڑتا ہے..... پہاڑوں پر موسم کے تیور کب بگڑ جائیں کچھ پتہ نہیں چلتا' بارش کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا' ہتھیار ڈال کر ان پہاڑوں کی بھول بھلیوں کے

سامنے پسپا ہوکر وہ واپسی کا فیصلہ لینا نہیں چاہتا تھا‘ تب ہی اس کا ساتھی پائلٹ چیخا۔

”وہ دیکھو...... وہ وہاں موجود ہیں۔“ اس کے اشارے پر عرش نے بھی دیکھا‘ کوئی سرخ چیز لہراتا اپنی طرف متوجہ کررہا تھا‘ سگنل ملتے ہی باقی دونوں ہیلی کاپٹرز بھی اس مخصوص پہاڑ کے اوپر چکر کاٹنے لگے‘ لینڈ کرنا ناممکن تھا‘ وہ پہاڑ کے درمیان ایک کھوہ تھی جس کے قریب ہیلی کاپٹر لے جانا اور تیز ہواؤں میں روکے رکھنا بہت مشکل تھا۔ وقت ضائع کیے بغیر عرش نے کنٹرول اور کمانڈ دوسرے پائلٹ کے حوالے کرکے پہاڑ پر اترنے کا تہیہ کیا۔

ہیلی کاپٹر اس ناہموار حصے کے جس حد تک بھی قریب ہوسکا کردیا‘ مگر ہیلی کاپٹر سے اس حصے تک جمپ کے لیے فاصلہ بہت تھا‘ سیفٹی بیلٹ باندھ کر وہ لینڈنگ Skids پر اتر آیا‘ جوش کے ساتھ دل کی دھڑکن بھی بڑھ رہی تھی‘ تقریباً چار دن سے بھوکے پیاسے اور زخمی افراد میں سے دو وا سے بے حس و حرکت دکھائی دے رہے تھے جبکہ سرخ جیکٹ سے متوجہ کرنے والا شخص یقیناً اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ تھا‘ زندہ رہنے کی آس‘ پیاس اور حسرت تھی اس شخص کے چہرے پر...... عرش کو سب کچھ بھول گیا تھا...... گہری سانس بھر کر اس نے ایک نگاہ اوپر منڈلاتے دونوں ہیلی کاپٹرز کو دیکھا اور پھر پوری قوت سے اس کھوہ کی طرف جمپ لگائی مگر ہوا میں لہراتے بے توازن ہیلی نے اس کی طویل جمپ کو بری طرح ناکام بنادیا‘ پتھریلی سطح سے اس کا سر ٹکرایا‘ ناہموار نم کناروں پر اس کی گرفت ٹھیک طرح جم نہ سکی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا۔ گرفت چھوٹتے ہی اسے اپنا وجود نیچے گرتا محسوس ہورہا تھا۔ سائیں سائیں کرتے کانوں میں بس ایک ہی مانوس آواز گونج رہی تھی‘ آنکھوں کے سامنے جو چہرہ ایک دم روشن ہوا وہ زنائشہ کا ہی تھا۔

❁......❁......❁

یک دم نیند سے جاگتی وہ خوف سے لرزتے دل کو سنبھالے اٹھ بیٹھی۔ بہت اونچائی سے اس نے خود کو گرتا دیکھا تھا‘ چند لمحوں تک تو وہ سن بیٹھی رہی‘ آج صبح سے ہی وہ عرش کی طرف سے بہت فکرمند اور گھبراہٹ میں مبتلا تھی۔ عرش کے جانے کے بعد سے ہی گھر کے ماحول میں اسے عجیب سا تناؤ محسوس ہورہا تھا۔ شہرام یقیناً عرش کے اس طرح غائب ہونے کی وجہ سے بگڑے تیوروں میں تھے۔ سحر جانے کیوں بہت چپ چپ اور فکرمند سی دکھائی دے رہی تھیں۔ شفران بھی بہت سنجیدہ اور گم صم تھا‘ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ سب کو ہوا کیا ہے؟ عرش کو گئے آج تین دن ہوگئے تھے۔ اس کا صبر وضبط ختم ہورہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ شفران بے خبر نہیں ہے آج اسے ہر صورت شفران سے پتہ کرنا تھا کہ عرش کہاں غائب ہے۔ وہ چونک اٹھی تھی باہر سے آتی سحر کی تیز پکار پر‘ فوراً ہی وہ کمرے سے باہر نکلی۔

”ابھی ندا کی کال آئی ہے‘ راسب بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔“ سحر کی اطلاع پر اس کا دل حلق میں آیا۔

”شہرام ابھی آرہے ہیں‘ مجھے ان کے ساتھ ہاسپٹل پہنچنا ہوگا۔“ سحر کی بات مکمل سنے بغیر وہ زرق کو کال کرنے دوڑی تھی۔

❁......❁......❁

ایسا کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ ہاسپٹل نہ جاتی‘ زرق کو ہی نہیں رجاب کو بھی اس کی ضرورت تھی‘ رجاب اور ندا کی بکھری حالت نے معاملے کی سنگینی کا احساس دلایا تھا‘ زرق جو بہت ہمت حوصلے سے کام لے رہا تھا‘ زنائشہ کو سامنے دیکھ کر آب دیدہ ہونے لگا مگر وہ جانتی تھی کہ اس نازک وقت میں زرق سمیت رجاب اور ندا کو بھی اس کی ڈھارس اور تسلی کی ضرورت ہے سو اسے خود کو مضبوط رکھنا تھا۔ زرق سے ہی معلوم ہوا کہ دوپہر میں راسب خود ہی ڈرائیو کرتے آفس سے گھر جارہے تھے جب یہ حادثہ رونما ہوا‘ زرق اس وقت کمپنی کے وزٹ پر آنے والے وفد کو لینے ایئرپورٹ گیا ہوا تھا۔ وہیں ہاسپٹل سے اسے ایکسیڈنٹ کی اطلاع ملی ایکسیڈنٹ کافی خطرناک نوعیت کا تھا‘ راسب کی گاڑی مکمل تباہ ہوگئی تھی۔ خود راسب کی حالت بہت نازک تھی‘ اس وقت وہ آپریشن تھیٹر میں تھے‘ ہاسپٹل بروقت نہ پہنچنے کے باعث راسب کا خون بہت ضائع ہوچکا تھا۔ اب مسئلہ یہ درپیش تھا کہ ان کا بلڈ گروپ بہت نایاب تھا اور فی الوقت کم یاب بھی...... آپریشن جاری تھا‘ سو بلڈ کا بندوبست بھی فوراً کرنا تھا...... ندا کے بھائی‘ زرق اور شہرام بھی بلڈ کی فراہمی کے لیے کوشش میں لگے ہوئے تھے‘ تو دوسری جانب زنائشہ کے لیے بہت مشکل ہورہا تھا زرق اور بلکتی رجاب کو سنبھالنا...... آخر اسے قرار بھی کیسے آسکتا تھا‘ اس کا بس چلتا تو ہر رکاوٹ عبور کرکے راسب تک پہنچ جاتی‘ ایک وہی تو اس کا سائبان تھے اس زمین پر‘

Digitized by Google

انہیں وہ کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی تھی۔ انہیں اگر کچھ ہو گیا تو اسے ایک بار پھر زندہ لاش بن کر رہ جانا تھا' اس کی بگڑتی حالت کے باوجود شہرام کو اس سے بات تو کرنی تھی سو موقع دیکھ کر وہ رجاب کو ایک طرف لے گئے تھے۔

"رجاب' ہمت رکھو' یقین رکھو کہ راسب کو کچھ نہیں ہوگا' ہم سب یہاں تمہارے ساتھ موجود ہیں' راسب کے لیے دعا گو ہیں۔" اسے تسلی دے کر وہ ایک پل رکے۔ "مزید بلڈ کا انتظام بھی ہو گیا ہے' شقران کا بلڈ گروپ بھی وہی ہے جو راسب کا ہے۔" رجاب کے یک دم بدلتے تاثرات نے شہرام کو خاموش کر دیا تھا۔

"نہیں..... ایسا ہرگز نہیں ہوگا' وہ یہاں قدم بھی نہیں رکھے گا....." رجاب کا لہجہ ہذیانی ہوا۔

"میں نے اسے بلا لیا ہے' وہ پہنچنے والا ہے' انکار کرنے سے پہلے اتنا یاد رکھو کہ راسب کو اس وقت خون کی اشد ضرورت ہے۔" شہرام بولے۔

"میری اجازت کے بغیر آپ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔" سرخ نگاہوں سے اس نے شہرام کو دیکھا۔

"رجاب' بس یہ یاد رکھو کہ راسب کی زندگی کا سوال ہے' ان کے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے' میں جانتا ہوں' تمہارے لیے یہ ناقابل برداشت ہے لیکن....."

"ناقابل برداشت..... آپ کے بھائی کا خون میرے بھائی کی رگوں میں بہنے کے قابل نہیں ہے' آپ کو پتہ ہونا چاہیے۔" وہ درمیان میں بولی۔

"مجھے سب پتہ ہے رجاب..... تم بھی اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو کہ تمہارے بھائی کو اسی خون کی اشد ضرورت ہے..... تم سوچ لو کہ تمہیں راسب کی زندگی زیادہ عزیز ہے یا اپنی نفرت اور سوچنے کے لیے تمہارے پاس بالکل وقت نہیں ہے اب۔" شہرام کے قطعی لہجے پر وہ ساکت نظروں سے انہیں دیکھتی کچھ کہہ نہیں سکی۔

"کچھ فیصلے ہمیں خود پر جبر کر کے کرنے پڑتے ہیں' لیکن کرنے ہی پڑتے ہیں..... بھروسہ رکھو اس کا نتیجہ بھی بہت مثبت ہوگا۔" دھندلائی نظروں سے وہ شہرام کو دیکھتی رہی جو اس کا سر تھپتھپاتے سامنے سے ہٹ گئے تھے۔ ان کے ہٹتے ہی رجاب کے سامنے زرق تھا جو پتہ نہیں کب شہرام کے عقب میں آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے چھلکتی الجھن سے نگاہ ہٹا کر رجاب نے دائیں سمت دیکھا اور پتھرا گئی تھی۔ کاریڈور میں آتے شقران کا اٹھتا ایک ایک قدم اسے اپنی گردن پر پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

"رجاب....." اس کی آنکھوں سے بہتا سیلاب اور متغیر چہرہ زرق کی تشویش اور الجھن کو بڑھا رہا تھا۔ اس کے متوجہ کرنے پر رجاب سسکتی ہوئی اس کا ہاتھ تھام گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"تم بڑی ہو شذرا' شزا سے زیادہ سمجھدار اور معاملہ فہم ہو' شزا کو سمجھاؤ کہ اب وہ ایک بیٹی کی ماں بن چکی ہے' مزاج میں اب ٹھہراؤ لے آئے' ہر معاملے میں جذباتی ہو جانا ٹھیک نہیں....."

"آخر اس نے ایسا کیا کر دیا جذبات میں' کس حق سے' کس رشتے سے دراج نے اسے کال کر کے بیٹی کی مبارک باد دی..... جب ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں تو کیوں ہم اسے اپنی خوشی میں شامل کریں۔ شزا نے اسے برا بھلا کہا ہے تو ٹھیک کہا..... زرکاش بھائی سمیت اسے جو کچھ چاہیے تھا وہ حاصل تو کر چکی ہے۔ اب کیا اپنی ہوس میں ہماری خوشیاں بھی کھانا چاہتی ہے۔ اس کی وجہ سے اتنی اہم خوشی کے موقع پر شزا اور احمد کے درمیان تکرار ہوئی۔" شذرا تیز لہجے میں بولی۔

"زرکاش بھائی کی طرح اس نے احمد کو بھی جانے کیا گھول کر پلایا ہے' زرکاش بھائی اور اس کی طرف داری میں احمد' شزا کا کوئی ایک لفظ ان دونوں کے خلاف نہیں سنتا۔"

"احمد میں لحاظ مروت ہے' حالانکہ اس کا مظاہرہ تم دونوں' بہنوں کو زرکاش کے لیے کرنا چاہیے تھا' کیا کچھ نہیں کیا زرکاش نے تم تینوں بھائی بہنوں کی خوشیوں کی خاطر' دنیا داری کی خاطر ہی تم دونوں اس کی رضا میں راضی ہو کر شادی میں شریک ہو جاتیں تو خاندان میں طرح طرح کی آج باتیں نہ بن رہی ہوتیں۔ بھائیوں کے لیے تو بہنیں اپنی خوشیاں تک قربان کر دیتی ہیں مگر تم دونوں نے زرکاش کی طرف سے آنکھیں اور دل ایسا پھیرا کہ مجھے سوچنا پڑتا ہے میری تربیت میں کہاں کمی رہ گئی تھی۔" صبغہ شدید تاسف

Digitized by Google

اولادِ نرینہ، تھیلسیمیا، اٹھرا، کا کامیاب علاج

سابقہ عکس رپورٹ جس میں تھیلسیمیا میجر ہونے کی وجہ سے بچہ ضائع کرانا پڑا

فیضیاب محمد حسین اپنی موجودہ کامیاب رپورٹ کے ہمراہ

شہادت نمبر 1

ہم دونوں میاں بیوی کو تھیلسیمیا مائنر ہے۔ ہمارے ہاں ایک بیٹا عبدالرحمٰن عمر سات سال جسے تھیلسیمیا میجر ہے ہر ماہ بلڈ لگتا ہے اسکے بعد ایک حمل گردتھ خرابی اور تھیلسیمیا میجر ہونے کے سبب Genetics Ressource Centre راولپنڈی کی رپورٹ پر ضائع کرانا پڑا۔ ڈاکٹروں نے اس بیماری کی وجہ ہمارے رشتہ ازدواج کزن میرج قرار دیا۔ جس کی وجہ سے ہم بہت پریشان تھے۔ میڈیا کے ذریعے معلوم ہونے پر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں کوٹ ادو حاضر ہوئے۔ دعا کرائی اور علاج حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے علاج کامیاب ہوا اور ہم نے گنگا رام ہسپتال لاہور سے چیک اپ کرایا ہے، جنہوں نے بچہ کو (میجر تھیلسیمیا سے پاک) بالکل تندرست ہونے کی خوشخبری دی ہے اور دوسری ہسپتالوں سے بھی چیک اپ کرائے انہوں نے بھی تندرست بیٹے کی خوشخبری دی ہے۔ یہ علاج کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

فیضیاب

محمد حسین ولد حاجی اللہ یار قوم اترا موضع محمد سعی تحصیل کہروڑ پکا ضلع لودھراں 0300-9784747

یہ طریقہ علاج ان کیلئے ہے جن کے ہاں مسلسل بیٹیاں پیدا ہوں اور بیٹے نہ ہوں یا بچے زندہ نہ رہتے ہوں یا بچے گردتھ خرابی کی وجہ سے پیٹ میں خراب ہو جاتے ہوں یا تھیلسیمیا کا عارضہ لاحق ہو۔

نوٹ: اولادِ نرینہ کیلئے شدید خواہش مند حضرات جن کے بچے میجر اپریشن سے پیدا ہوتے ہوں اور چانسز کم باقی ہوں تو انہیں علاج درجہ اول حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور جن کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں یا گردتھ خرابی کا عارضہ لاحق ہو تو انہیں امید ہونے پر بروقت علاج حاصل کرنا ضروری ہے۔

حصول علاج کیلئے ایڈریس

نزد مرکزی جامع مسجد چوک کالی پل جی ٹی روڈ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ رابطہ نمبر: 0331-6002834

ہمارا مقصد صرف قرآن وسنت کی روشنی میں کامیاب طریقہ علاج سے فیضیاب لوگوں کی شہادتوں و تاثرات سے اولادِ نرینہ کے خواہش مند حضرات کو آگاہ کرنا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اولادِ نرینہ جیسی نعمت سے مستفید ہو سکیں۔ ضرورت مند انٹرنیٹ پر دی گئی تفصیلات سے بھی استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔

جسکا ایڈریس یہ ہے: **www.facebook.com/male progeny through the means of Quran and sunnah**

تحریر: طارق اسماعیل بھٹہ پریس رپورٹر کوٹ ادو

سے بولیں۔

"معاف کیجیے گا امی زرکاش بھائی کے بعد آپ کے سر پر بھی اس فتنہ پرور کا جادو چڑھ گیا ہے ظاہر ہے بیٹے اور بہو کی محبت تو غالب آنی ہی تھی آپ کے جھکاؤ نے زرکاش بھائی کو ہم بھائی بہنوں کی طرف سے بے نیاز کر دیا ہے سامنا ہونے پر خیر خیریت بھی جانے وہ کیسے دریافت کر لیتے ہیں وہ بھول چکے ہیں ہمیں شیراز کس قدر رویا تھا ان کی اس لاتعلقی پر کیا آپ نہیں جانتیں۔" شذرا کا لہجہ نمناک ہوا۔

"لاتعلق تم تینوں ہوئے تھے زرکاش سے کیسے کیسے جتن نہ کیے تھے اس نے تم بھائی بہنوں کو راضی کرنے کے لیے تم تینوں کی ضد اور انا نے اسے بھی تم تینوں سے دور ہو جانے پر مجبور کیا تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ میں بھی اپنا مقام بھول کر زرکاش کو مجبور کر دیتی کہ وہ میری اجازت کے بغیر اپنا گھر آباد کر لیتا..... کیا عزت رہ جاتی میری ابھی بھی وقت ہے عقل کے ناخن پکڑو اور شیراز کے کانوں میں بھی زہر اگلنا بند کرو جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے کل کو میری آنکھیں بند ہو گئیں تو ایک زرکاش کی وجہ سے ہی تمہارا میکہ آباد رہے گا جس طرح چھوٹے بھائی بہن کی خاطر تم نے بڑے بھائی کے خلاف محاذ کھولا تھا اب اسی طرح تم ان دونوں کو سمجھاؤ کہ تمہارے کہنے پر ہی گھٹنے ٹیک دیں اس خوش فہمی سے نکل آؤ کہ زرکاش ساری زندگی تم سب کی منت سماجت کرتا رہے گا۔" شذرا کو خبردار کرتیں صبغہ اس وقت خاموش ہو گئیں جب زرکاش کی آمد ہوئی۔

"کیا بات ہے آپ دونوں خاموش کیوں ہیں..... سب خیریت تو ہے؟" زرکاش نے تشویش سے ان دونوں کے ہی تاثرات دیکھے۔

"بتاؤ اب۔" صبغہ نے سخت خفگی سے شذرا کو دیکھا۔

"وہ..... دراج نے آج شیزا کو کال کی تھی بیٹی کی مبارک باد دینے کے لیے..... غصے میں شیزا نے اسے جانے کیا کچھ کہہ ڈالا۔ احمد کے روکنے پر شیزا اور اس کے درمیان بھی جھگڑا ہوا....." شذرا ہچکچائے لہجے میں تفصیل بتانے لگی۔

"زرکاش..... دراج کو کچھ مت کہنا اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔" زرکاش کے تاثرات کچھ ایسے ضرور تھے کہ صبغہ کو کہنا پڑا۔

"نہیں اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا جو لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اسے عزت کے لائق نہیں سمجھتے ان کی خوشی میں خوش ہونے کا حق نہیں ہے اسے۔" سخت برہم لہجے میں کہتا وہ پھر رکا نہیں تھا جبکہ سناٹے میں گھری شذرا تاسف سے اسے جاتا دیکھتی رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

تیزی سے نیچے جاتے اس کے وجود کو ہیلی ایک اونچی اڑان بھرتا ساتھ لیتا چلا گیا ورنہ سنگلاخ پہاڑ کا کوئی بھی حصہ اسے توڑ پھوڑ دیتا۔ سیفٹی بیلٹ نے اسے ہوا میں معلق رکھا ہوا تھا۔ زیادہ وقت نہیں لیا تھا اس نے سنبھلنے میں ہیلی سے لٹکتی مضبوط رسی کے ذریعے جب تک لینڈنگ skids تک وہ پہنچا تب تک ہیلی ایک لمبا چکر کاٹ کر واپس اسی جگہ آ گیا تھا۔ اس بار مضبوطی سے skids کو تھام کر آگے پیچھے جھولتے ہوئے اس نے جمپ کے لیے خود کو تیار کیا اور آخر کار کامیاب ہو گیا بگڑتا موسم بھی اس کے راستے میں نہیں آیا۔ دو افراد کی حالت بہت تشویش ناک تھی مگر وہ زندہ تھے عرش کے لیے یہ اطمینان کا باعث تھا کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ تینوں ہیلی کاپٹر سیفٹی بیگز میں بندھے تینوں افراد کو ساتھ لیے منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے تھے۔ جیسے جیسے وہ ان پہاڑوں سے دور ہو رہا تھا قدرت کے اور زیادہ قریب خود کو محسوس کرتا شدت سے زنائشہ کو یاد کر رہا تھا ایک وہی تو تھی کہ جس کی بدولت وہ اس جہان میں رہتے ہوئے جانے کتنے جہانوں سے روشناس ہو چکا تھا۔ جس سے محبت ہو گئی ہے جیسے سارے جہان اس ایک وجود میں سمٹ آئے ہوں مگر اس کی محبت انوکھی تھی جس نے کئی جہان اس کے سامنے کھول کر انہیں سر کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیے تھے۔

❁.....❁.....❁

"میری سمجھ سے باہر ہے کہ تم کیوں اسی کام کو کرنے پر بضد ہو جس میں تمہارے لیے کوئی عزت نہیں صرف نفرت و ذلت ہے میرے روکنے کے باوجود تم نے وہی کام کیا....." شدید برہم ہوتا زرکاش اس سے مخاطب تھا جو سر جھکائے بالکل چپ کھڑی تھی۔

Digitized by Google

”میں اب یہ کسی طور برداشت نہیں کرسکتا کہ مجھ سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی فرد تمہارے خلاف ایک لفظ بھی کہے...... تمہیں میری تاکید بھلا کر اپنی من مانی کرنے سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیے تھا کہ تم میری عزت ہو تمہاری بے عزتی میری بے عزتی ہے مجھے بتاؤ ایسا کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ تم سب نے مل کر ایک دوسرے کی جڑوں میں نفرت اور عداوت کا جو زہر بھرا ہے اس کا اثر چند دنوں میں ہی ختم ہوجائے......؟ میں سب کی زبانوں کو زہر اگلنے سے روک سکتا ہوں مگر تمہیں کیسے روکوں......؟“

”مجھ سے غلطی ہوگئی...... آپ کو ہر طرف سے مطمئن اور پُرسکون دیکھنے کی خواہش میں آپ کی لگائی گئی حد بھی توڑ دی...... مجھے معاف کردیں اس معاملے میں اب میری طرف سے آپ کو کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ سر جھکائے وہ دھیمے لہجے میں بولی چند لمحوں تک ذرکاش اس کے اترے چہرے کو دیکھتا رہا پھر نرمی سے اسے شانوں سے تھام کر قریب کیا۔

”دراج میں اپنے لیے تمہاری خواہش کا اور تمہارے جذبات کا احترام کرتا ہوں جانتا ہوں کہ تم میرے لیے ہر تلخ بات برداشت کرنے کا ظرف رکھتی ہو مگر میں یہ کیسے گوارا کرسکتا ہوں کہ تم اس طرح سب کے سامنے جھکو...... کچھ صبر کے ساتھ تم مجھ پر بھی بھروسہ رکھو میں سب کے درمیان رہتے ہوئے تمہیں یوں الگ تھلگ نہیں رکھنا چاہتا مگر ابھی وقت اور حالات کا تقاضا یہی ہے کہ تم میری ذات تک محدود رہو میں تم سے راضی ہوں امی تم سے خوش ہیں میری طرح تمہارے لیے بھی فی الحال یہ کافی ہونا چاہیے سمجھ رہی ہو تم؟“ ذرکاش کے نرم لہجے پر اس نے بس سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

❁......❁......❁

تھکے ہوئے قدموں سے کمرے میں آتی وہ بیڈ پر ڈھے گئی تھی۔ شدید تھکاوٹ اور ذہنی دباؤ نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا آج کا دن بھی ہاسپٹل میں ہلکان ہوتے گزرا۔ راسب مستقل آئی سی یو میں تھے سر پر کسی اندرونی چوٹ کے باعث وہ ہوش میں نہیں آرہے تھے اسے خدشہ تھا کہ اگر ایک دو دن اور اسی طرح گزرے تو کہیں رجاب کو بھی ہاسپٹل میں ایڈمٹ نہ ہونا پڑ جائے اس کی حالت بہت قابل رحم تھی مگر وہ چند لمحوں کے لیے بھی گھر جاکر آرام کرنے کے لیے تیار نہ تھی چار دن سے وہ مستقل جاگ رہی تھی سب اسے سمجھا کر تھک گئے تھے البتہ عما اور زرق بہت ہمت اور حوصلے کے ساتھ اس مشکل وقت کا سامنا کررہے تھے۔ شہرام اور شفران کی وہ دل سے شکر گزار تھی کہ وہ دونوں سائے کی طرح زرق کے ساتھ ساتھ تھے سحر بھی کسی طور پیچھے نہیں تھیں...... اس سب کے باوجود وہ عرش کی طرف سے فکر مند تھی۔ شفران سے وہ سخت ناراض تھی کہ جو عرش سے متعلق اس کے ہر سوال پر انجان بن رہا تھا ان سب سوچوں کے درمیان جانے کس وقت اس پر نیند کا غلبہ طاری ہوگیا تھا مستقل دستک نے بالآخر اسے بیدار کیا۔ چند لمحوں تک وہ سن دماغ اور خالی نظروں سے دروازے کو تکتی رہی مگر پھر ابھرتی دستک پر وہ فوراً بیڈ سے اٹھی اور دروازہ کھول دیا تھا۔

”زنائشہ...... اب بھائی کی طرح تم بھی بغیر کومہ فل اسٹاپ کے شروع مت ہوجانا...... میں ایک ایک لمحہ گن کر گزار رہا تھا کہ کب تم تک پہنچ کر تمہیں بتاؤں گا کہ تمہارے چہرے پر خوشی دیکھنے کے لیے تمہیں اتنا اہم سرپرائز دینے کے لیے میں کس حد تک جاسکتا ہوں عملی طور پر تمہیں دکھاؤں گا کہ تمہاری دیرینہ خواہش پوری کرنے کے لیے میں کتنی محنت کرتا رہا ہوں مگر عین وقت پر پتہ چلا کہ تم سب راسب بھائی کی وجہ سے کس قدر پریشان ہو رہی کسر گھر آتے ہی بھائی نے پوری کردی۔“ عرش اس کے کچھ بھی کہنے سے پہلے بولا جبکہ زنائشہ اس کے چہرے پر زخم دیکھ کر ایک لمحے کو چونکی تھی۔

”جہنم میں گیا ایسا سرپرائز اور ایسی خواہش جس کی وجہ سے تمہاری یہ حالت ہوگئی۔“ زنائشہ غم و غصے کے سے بولی۔

”ایسا نہیں ہے زنائشہ...... کسی کی زندگی بچانے کے لیے میں ہزاروں بار ایسی حالت کے لیے تیار ہوں تمہاری کسی خواہش کی وجہ سے مجھے چوٹ نہیں لگی بعد میں سب بتادوں گا ابھی بس کوئی سوال جواب شروع مت کرنا۔“ وہ التجائی لہجے میں بولا۔

”فکر مت کرو میں تو بات ہی نہیں کرنا چاہتی تم سے اب۔“

”بڑی مہربانی...... ایک پین کلر کے ساتھ ایک کپ چائے مل جائے اگر زحمت نہ ہو تو......؟“ اس کے کہنے پر زنائشہ چپ چاپ کمرے سے نکل گئی سامنے سے آتے شفران کی مسکراہٹ اسے دیکھ کر گہری ہوئی تھی۔

”ویسے بہت شرم کی بات ہے کسی کی پریشانی اور کسی کی زخمی حالت سے لطف اندوز ہونا۔“ زنائشہ کے ناگواری سے جتانے پر وہ ڈھٹائی سے مسکراتا آگے بڑھا۔

Digitized by Google

چائے تیار ہونے تک اس نے جلدی جلدی کچھ سینڈوچز بھی تیار کیے تھے واپس جب وہ کمرے میں پہنچی تو عرش شاور لے کر کافی حد تک اپنی حالت سدھار چکا تھا ڈریسنگ کے آئینے کے سامنے لائٹ گرے آرام دہ لباس میں وہ اپنے چہرے کی چوٹ کا جائزہ لیتا ایک پل کے لیے زنائشہ کی طرف متوجہ ہوا جو بیڈ کے کنارے بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"اتنی گہری چوٹ نہیں ہے نشان بھی چلا جائے گا نہ بھی گیا تو غم نہیں تمہیں تو پتہ ہے پاپا کہتے تھے کہ لڑکوں کے چہرے پر ایسی چوٹ کے نشان لڑکیوں کو بہت اٹریکٹ کرتے ہیں لہٰذا چہرہ بگڑنے پر ٹینشن نہیں ہونا چاہیے۔" مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

"تمہاری تسلی کے لیے وہ ایسا کہتے ہوں گے۔" تفت سے زنائشہ نے چائے کا مگ اسے تھمایا۔

"ناراضگی دور کرلو زنائشہ..... میں کوشش کے باوجود جلدی نہ آسکا تمہاری پریشانی کا مجھے اندازہ تھا سوچا تھا گھر پہنچتے ہی تمہاری ساری شکایت دور کروں گا مگر....."

"تم نے کہا تھا کہ تم ایک اچھے مقصد سے جارہے ہو وہ پورا ہوگیا اور تم واپس آگئے میرے لیے یہی بہت ہے۔" زنائشہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں کل ہی ہاسپٹل جاؤں گا زرق کیسا ہے؟ بہت پریشان ہوگا راسب بھائی کے لیے....."

"ہاں مگر شہرام بھائی اور شقران مسلسل اس کے ساتھ ہیں آج زرق کے اصرار پر ہی دونوں گھر آئے ہیں ورنہ پچھلی کئی راتیں ان کی ہاسپٹل میں ہی گزری ہیں۔" زنائشہ کے بتانے پر وہ خاموش رہا۔

"تم ٹیبلیٹ کھا کر سو جاؤ تھکے ہوئے لگ رہے ہو..... ویسے اتنی رازداری کا اب کوئی فائدہ نہیں مجھے سب پتہ چل گیا ہے تمہارے سرپرائز کا....."

"کس نے جرأت کی تمہیں بتانے کی؟" عرش چونکا۔

"کسی نے نہیں میں نے خود اندازہ لگایا اور تم بھی تو رکھ گئے تھے میرے ہاتھ پر ہیلی کاپٹر بیتاؤ اور پینسل ہیلی کاپٹر تو اتنا بڑا ہوتا ہے ہم اسے کہاں رکھیں گے؟" اس کے سوال پر عرش کے لیے ٹیبلیٹ نگلنا مشکل ہوگیا خالی گلاس زنائشہ کو تھما کر سر سے پیر تک چادر تان کر سو جانے میں ہی عافیت جانی۔

"یعنی تم میرے لیے ہیلی کاپٹر خرید کر نہیں لائے لیکن میں تو یقین کیے بیٹھی تھی کہ....." صدمے سے وہ بات مکمل نہ کرسکی۔

"اب میں سو رہا ہوں....." تکیہ چہرے پر رکھتا وہ مزید اس کے تیور بگاڑ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

ہاسپٹل کے گراؤنڈ فلور پر وہ آئی جب شقران کو دیکھ کر اس کے قدم رک گئے تھے۔

"ڈاکٹر کے پاس جارہی ہو؟" رپورٹس اس سے لیتا اس نے پوچھا۔

"ہاں یہ رپورٹس ابھی ملی ہیں چیک کروانے لے جارہی تھی۔" رجاب کے جواب پر وہ رپورٹس کا جائزہ لیتا اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"رجاب..... اب وہ پہلے سے بہت بہتر ہیں ان کی ہمت اور حوصلہ اس وقت مزید بڑھے گا جب وہ تمہیں پُرسکون اور خوش دیکھیں گے مگر ابھی تو وہ جب جب تمہیں دیکھتے ہوں گے خود کو بہت بے بس محسوس کرتے ہوں گے میری بات مان کر صرف ایک دن اور ایک رات کے لیے زنائشہ کے ساتھ گھر چلی جاؤ بے فکر ہوکر نیند پوری کرو کچھ وقت ہاسپٹل کے اس ماحول سے دور رہو گی تو ذہنی دباؤ سے نکلو گی فریش ہوکر اور زیادہ ایکٹو ہوکر تم راسب بھائی کی تیمارداری کرسکو گی۔" اس کے زرد کملائے چہرے کو بغور دیکھتا وہ بولا۔

"یہ میں زیادہ بہتر جانتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کیا نہیں تمہیں اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"مگر مجھے تو ہر اس معاملے سے سروکار رہے گا جس کا تعلق تم سے ہو۔" شقران بلا جھجک بولا۔

Digitized by Google

"میں نہیں چاہتا کہ راسب بھائی کے صحت یاب ہونے سے پہلے خدانخواستہ تمہاری صحت خراب ہو جائے..... بھائی اور بھابی کو بس انتظار ہے کہ کس دن راسب بھائی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر جائیں اور وہ دونوں ان سے میرے اور تمہارے سلسلے میں بات کریں۔"

"رپورٹس مجھے دو۔" رجاب کا لہجہ سپاٹ ہوا۔

"میں امید رکھوں کہ تم زنائشہ کے ساتھ گھر آؤ گی....." رپورٹس اس کے حوالے کرتا اس نے کہا۔

"میں کسی کی امیدوں اور ہدایتوں کا پاس رکھنے کی پابند نہیں' میں نے پہلے ہی زنائشہ سے کہہ دیا تھا کہ آج یا کل اس کے ساتھ گھر جاؤں گی۔" اس کے روکھے لہجے پر شفران کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ ابھری۔

"چلو' میں بھی تمہارے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلتا ہوں۔" شفران کی ہمراہی میں آگے بڑھتے ہوئے یک لخت دونوں ہی ٹھٹک کر رکے کہ کچھ ہی فاصلے پر حاذق جانے کب سے کھڑا تھا۔ شفران نے بے اختیار رجاب کو دیکھا جو غیر متوقع طور پر پُرسکون نظر آرہی تھی۔

"تم یہ رپورٹس ڈاکٹر کو چیک کراؤ' میں آتی ہوں۔" رجاب کے کہنے پر اس نے خاموشی سے رپورٹس لیں اور ایک آخری نگاہ تذبذب میں کھڑے حاذق پر ڈالتا آگے بڑھ گیا۔ گہری سانس بھرتی رجاب اسے ہی دیکھ رہی تھی جو جھجکتے ہوئے مقابل آرکا تھا۔

"اب کیسے ہیں راسب بھائی؟"

"کافی بہتر ہیں..... آپ کو ان کے بارے میں کیسے خبر ہوئی؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"کل اتفاق سے یہاں ندا بھابی سے سامنا ہوا تھا حالانکہ میں اس قابل نہیں کہ ان کا سامنا کرتا مگر یہاں ان کی موجودگی کی وجہ جانے بغیر نہ رہ سکا' میں ان کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے مجھے راسب بھائی کے بارے میں بتایا..... میری کم ظرفی نے مجھے تم سب سے کاٹ دیا مگر راسب بھائی سے جو محبت اور احترام کا رشتہ تھا' وہ مجھے بار بار ان کی طرف کھینچ رہا ہے' میں کل سے یہی دعا کر رہا ہوں کہ وہ جلد صحت یاب ہو کر گھر جائیں' مجھے اندازہ ہے کہ تم سب کس مشکل وقت سے گزر رہے ہو..... رجاب مجھے کسی خدمت کے لائق سمجھو یا راسب بھائی کے لیے میری کہیں ضرورت ہو تو ایک موقع ضرور دینا۔"

"بہت شکریہ آپ کا....." وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "آپ مجھ سے جو کچھ کہنا چاہتے تھے' آج کہہ دیں' میں سن رہی ہوں۔" رجاب کے کہنے پر حاذق نے سر جھکا کر کچھ سوچا۔

"کہنا تو بہت کچھ ہے تم سے..... مگر یہ وقت مناسب نہیں۔"

"ٹھیک ہے..... ایک التجا ہے کہ آغا جان کی خیریت پتہ کرنا ہو تو مجھ سے ہی پوچھ لیجیے گا..... آغا جان یا زرق کو یہاں آپ کی موجودگی کی خبر نہ ہو تو اچھا ہے۔"

"التجا نہیں حکم کرو' میں خیال رکھوں گا۔ میں خود نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہیں یا راسب بھائی کو مزید کوئی دکھ اذیت پہنچے۔"

"مجھے ڈاکٹر سے ملنا ہے۔" اس کے لہجے اور آنکھوں سے چھلکتے حزن و ملال سے کترائی وہ سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

"رجاب....." حاذق کی پکار پر وہ رکی۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ شخص کون ہے جو ابھی تمہارے ساتھ تھا؟"

"کیا بتانا ضروری ہے؟" وہ جواباً سوال کر گئی۔

"نہیں..... اب تو بالکل بھی ضروری نہیں۔" حاذق بغور اسے دیکھتے بولا جبکہ وہ نظر چراتی تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

گرین ایریا میں تمام لائٹس آن تھیں' رونق بہت زیادہ نہیں تھی سو پُرسکون ماحول' کھلی فضا میں ٹریک پر واک کرنا اچھا لگ رہا تھا۔

"تائی امی کہہ رہی تھیں کہ میں نے شزا کی بیٹی اور شذرا آپی کے بچوں کے لیے جو تحائف بھیجے انہیں دیکھ کر شذرا آپی تو بہت خوش ہوئی ہیں' میں نے تائی امی سے کہا ہے کہ شذرا آپی اور بچوں کو میرے پاس ضرور بھیجیں' ابھی تو وہ اپنے سسرال کی طرف ہونے

Digitized by Google

والی دو شادیوں میں مصروف ہیں پر مجھے یقین ہے کہ واپس جانے سے پہلے وہ گھر نہ بھی آئیں تو کال ضرور کریں گی مجھے۔"

"ہاں امی نے مجھے تاکید کی ہے کہ شنذرا اگر تمہاری خیر خیریت مجھ سے دریافت کرے تو میں اسے ضرور گھر ساتھ چلنے کا کہوں۔" زرکاش نے بتایا۔

"اب آپ شنذرا آپی کے پہل کرنے کا انتظار مت کیجیے گا' ہچکچاہٹ میں شاید وہ آپ کے سامنے میرا نام بھی نہ لے سکیں۔"

"نہیں' میں خود سے تو نہیں کہوں گا کہ گھر چل کر دراج سے ملو...... شنذرا کو ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ میں گزری تلخیوں کو بار بار دہرا کر بحث کرنے والا انسان نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے اور ہاں تائی امی بتا رہی تھیں کہ شیراز جلد ہی واپس آنے والا ہے' اس کے آتے ہی تائی امی اس کی شادی کے لیے تیار بیٹھی ہیں۔ تائی امی نے پہلے ہی مجھے تاکید کر دی ہے کہ شیراز کے آنے سے پہلے رشتہ پکا کرنے جائیں گے تو مجھے ہر صورت ساتھ جانا ہے۔"

"شیراز نے اگر کوئی اعتراض اٹھایا تمہارے معاملے میں تو امی سے میں خود بات کرلوں گا۔" زرکاش بولا۔

"تائی امی کسی اعتراض کی نوبت ہی نہیں آنے دیں گی' بے فکر رہیں...... ویسے شکر ہے کہ آپ کے بھائی نے پردیس جا کر بھی ایک ہی لڑکی پر اکتفا کیے رکھا' حالانکہ مجھے اس سے یہ امید نہیں تھی۔" دراج نے مسکراتی ہوئے کہا۔

"کون ہے وہ لڑکی...... تم جانتی ہو اسے؟" زرکاش نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں کیا' آپ کی بہنیں بھی جانتی ہیں اسے...... پرانے محلے میں ہی رہائش ہے ان لوگوں کی' بہت اچھی ہے وہ لڑکی' میری تو دوستی رہی ہے اس سے' مجھے تو بہت بعد میں پتہ چلا شیراز اور ضوفشاں کے تعلق کا' میں یہ سوچ کر رہ گئی تھی کہ اتنی اچھی لڑکی آخر کہاں اپنی قسمت پھوڑ رہی ہے۔" تاسف سے بولتی وہ زرکاش کی خشمگیں نظروں پر اپنی ہنسی نہیں چھپا سکی تھی۔

❁......❁......❁

اسے اندازہ نہیں تھا کہ کاریڈور میں رک کر زرکاش سے بات کرنا عرش کو اتنا ناگوار گزرے گا کہ شہرام بھی اس ناگواری سے بے خبر نہیں رہیں گے۔ آج وہ شہرام کے ساتھ ہاسپٹل گئی تو رجاب کو اپنے ساتھ گھر لے آئی' دراج' رجاب کی وجہ سے ہی کافی دیر تک ساتھ رہی جب وہ گھر جانے کے لیے اٹھی تو زنائشہ بھی ساتھ تھی کیونکہ اسے دراج کی شادی کے البم لینے تھے' رجاب دیکھنا چاہتی تھی' واپس اپنے فلور پر وہ آئی کہ اتفاق سے زرکاش سے ٹکراؤ ہو گیا زرق کا ذکر نکلا تو ساتھ ہی راسب کے ایکسیڈنٹ اور ان کی انجریز کا بھی ذکر نکل آیا' زرکاش سے وہ ایک معروف آرتھوپیڈک ڈاکٹر کی تفصیلات لے رہی تھی اور اتنا منہمک تھی کہ اسے کاریڈور میں عرش کی آمد کا پتہ بھی نہیں چلا' عجلت میں ہی وہ زرکاش سے سلام دعا کرتا آگے بڑھ گیا۔ عرش کی اس عجلت نے زنائشہ کو زرکاش کے سامنے عجیب شرمندگی سے دوچار کیا تھا۔ عرش کے جاتے ہی وہ بھی زرکاش سے اجازت لیتی گھر کی سمت بڑھ گئی۔ لاؤنج میں ہی اسے وہ شہرام سے کوئی بات کرتا نظر آیا۔

"عرش' دو منٹ رک کر تم پوچھ تو لیتے زرکاش بھائی سے کہ انہیں کیا کام ہے تم سے......؟" وہ بولے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"میں کہہ آیا ہوں کہ میں اسے کال کروں گا' تمہیں زیادہ فکر ہے تو تم پوچھ لیتیں اس سے کیا کام ہے۔" عرش کے سرد لہجے پر اس نے ایک نظر حیران کھڑے شہرام کو دیکھا۔

"زرکاش کو کام تم سے ہے' زنائشہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے' ہوسکتا ہے اسے کوئی ایمرجنسی ہو۔" شہرام بولے۔

"جس فرصت اور اطمینان سے باہر وہ گفتگو میں مصروف تھے اس سے تو نہیں لگ رہا تھا کہ کوئی ایمرجنسی ہوگی۔" عرش کے طنزیہ لہجے پر زنائشہ نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

"آئندہ کوئی طویل ڈسکشن زرکاش سے کرنی ہو تو گھر بلا لینا کاریڈور میں رکنا ضروری نہیں ہے۔" عرش کے سپاٹ لہجے میں دی گئی ہدایت پر وہ ضبط کیے خاموشی سے ٹیرس کی طرف چلی گئی' صرف شہرام کی وجہ سے وہ بات بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔ ٹیرس پر رجاب اور سحر کو اس نے اپنے بگڑے مزاج کی بھنک بھی نہ لگنے دی' کچھ دیر بعد شہرام اور عرش بھی آ گئے رجاب اپنے ٹیرس سے ہی ان سب کی گفتگو میں شامل تھی جبکہ زنائشہ کو لگ رہا تھا کہ سب کے درمیان ہوتے ہوئے بھی وہ شاید کہیں نہیں' عرش مکمل طور پر رجاب کی

Digitized by Google

طرف متوجہ اس سے باتوں میں مگن تھا کافی دیر تک وہ اس طرح نظر انداز ہونا برداشت کرتی رہی غنیمت تھا کہ شہرام نے اس سے کافی بنانے کی فرمائش کر کے وہاں سے جانے کا موقع دیا سب کے لیے کافی تیار کر کے اس نے سحر کے حوالے کی اور خود عشاء کی نماز کی ادائیگی کے لیے اپنے کمرے میں آ گئی ویسے بھی وہ وقت پر نماز نہیں پڑھ سکی تھی ٹیرس پر رک کر دل جلانے سے بہتر تھا کہ وہ نماز میں اور دیر نہ کرے۔ اس نے سلام پھیرا جب سحر کی آمد ہوئی۔

"زنائشہ نماز سے فارغ ہو جاؤ تو نیچے چلی جانا رجاء بضد تھی عرش کو جانا ہی پڑا اس کی ضد پر آئسکریم لینے رجاب بھی پہنچ گئی ہو گی۔" سحر کے بتانے پر وہ بس اثبات میں سر ہلاتی مزید رکعتوں کے لیے نیت باندھ چکی تھی جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا سو بہت اطمینان کے ساتھ اس نے اپنی نماز کو طویل کیا اس دوران کئی بار اس کے فون پر کال آتی رہیں لیکن نماز کے بعد دعا اور تسبیحات میں مشغول ہو گئی۔ ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی وہ بالوں میں برش پھیر رہی تھی جب اس کے فون پر ایک بار پھر عرش کی کال آئی۔

"یہ کون سی نماز تھی تمہاری جو اتنی دیر تک جاری رہی؟"

"میں جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔" ناگواری ضبط کیے وہ بولی دوسری جانب چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔

"تمہارے لیے آئس کریم لے آیا ہوں۔"

"ضرورت نہیں تھی خیر بچے کھا لیں گے۔" وہ فوراً بولی۔

"زنائشہ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے زرکاش کو ٹال دیا میں ابھی اسے کال کر کے پوچھ لیتا ہوں کہ اسے کیا کام ہے مجھ سے؟"

"تمہاری مرضی ہے۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"بھائی کے سامنے اس کی طرف داری میں بول کر مجھے شرمندہ کرنے کے بعد اب تم یوں غیر جانبدار نہ بنو۔"

"شہرام بھائی کے سامنے تم نے مجھے شرمندہ کیا تھا میں نے تمہیں نہیں....." وہ بگڑی۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا کہ تم ایک طرف تو زرکاش بھائی کی بہت عزت کرتے ہو ان کے معاملے میں تنگ نظر بھی نہیں اور دوسری طرف تمہیں میرا ان سے بات تک کرنا ناگوار گزرتا ہے ان کے لیے میرا ایک جملہ تک سننا تمہیں کوفت میں مبتلا کر دیتا ہے۔"

"زنائشہ..... میں اپنی غلطی مان رہا ہوں لہٰذا اب اس بحث کو ختم کرو اور کمرے سے باہر آؤ۔" وہ بات ختم کرنے والے انداز میں ہی بولا۔

"میں باہر آ کر کیا کروں گی؟ ویسے بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ رجاب کے ساتھ تمہاری کتنی ذہنی ہم آہنگی ہے اس کے سامنے میری کتنی اہمیت ہے تمہاری نظر میں میں دیکھ چکی ہوں کباب میں ہڈی بننے کا شوق نہیں ہے مجھے..... میرا کار ریڈور میں کھڑے ہو کر زرکاش بھائی سے بات کرنا غلط ہے مگر تمہارا رجاب کے ساتھ باہر واک کرنا اس کے لیے آئس کریم لانا بالکل جائز ہے جیسے....."

"صرف رجاء کی وجہ سے مجھے آئسکریم کے لیے نکلنا پڑا..... رجاب کو بھی اس نے ہی باہر واک کے لیے بلایا تھا تمہیں مجھ پر غصہ ہے مگر یہ غصہ تم رجاب پر نہ نکالو پہلے ہی وہ اپنے بھائی کی وجہ سے ڈسٹرب ہے تم کم از کم اسے تو درمیان میں نہ لاؤ۔" عرش نے ناراضگی سے ٹوکا۔

"تمہاری یہ ہمدردی اس کی طبیعت پر اچھا تاثر ڈالے گی تمہاری طرح میں بالکل تنگ نظر تنگ دل نہیں میری بلا سے تم ساری رات ٹیرس پر بیٹھ کر اس سے باتیں کرو مگر اب مجھے کال مت کرنا..... میرے کمرے تک آنے میں تمہاری انا ٹھیس پہنچ رہی ہے تو فون پر بھی گلے شکوے کرنے کا تکلف مت کرو۔"

"مجھے انا کا طعنہ دے رہی ہو..... یہ جانتے ہوئے بھی کہ جہاں محبت ہو وہاں انا کی کوئی رمق بھی نہیں ہوتی..... غصے میں اتنا بھی دور مت چلی جایا کرو زنائشہ کہ میری آواز تک تمہیں سنائی نہ دے سکے کتنا آسان ہوتا ہے تمہارے لیے میرے اور اپنے درمیان اجنبیت کی دیواریں کھڑی کر لینا..... کوئی تیسرا ہمارے درمیان تب ہی آئے گا جب ہم خود اسے آنے کی جگہ دیں گے..... غور کرنا اس بات پر۔" بات ختم کرتا وہ کال منقطع کر گیا تھا۔

Digitized by Google

وال کلاک پر ایک نگاہ ڈال کر اس نے گہری نیند سوئی زنائشہ کو دیکھا اور پھر دھیرے سے اٹھ بیٹھی تھی کچھ سوچتے ہوئے اس نے ایک بار پھر اپنے فون میں شقران کے میسج کو پڑھا' وہ نہیں جانتی تھی کہ ایسی کون سی ضروری باتیں ہیں جن کی وجہ سے شقران نے اسے رات کے اس پہر ٹیرس پر بلایا ہے مگر خود اس کے پاس کچھ باتیں ایسی ضرور تھیں جو وہ شقران کو بتانا چاہتی تھی..... وہ شدید تذبذب میں مبتلا تھی' شہرام آج رات راسب کے ساتھ ہاسپٹل میں تھے مگر باقی سب تو گھر میں تھے' کوئی اس وقت اسے ٹیرس پر شقران سے بات کرتا دیکھ کر جانے کیا سوچے..... یہ وقت مناسب نہیں تھا مگر وہ جانتی تھی کہ شقران سے تفصیلی بات کرنے کا یہ موقع اسے دوبارہ نہیں مل سکتا..... ہمت کر کے اس نے جانے کا فیصلہ کر ہی لیا' ایک آخری نگاہ بے خبر سوئی زنائشہ پر ڈال کر وہ دبے قدموں کمرے سے نکل گئی۔ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی وہ اس کے مقابل جاری جو پتہ نہیں کب سے وہاں اس کا منتظر تھا۔

"شکریہ کا لفظ بہت معمولی ہے اس اعتبار کے سامنے جو مجھ پر کر کے تم یہاں تک آئی ہو۔" شقران کے دھیمے لہجے پر رجاب نے اسے دیکھا' چاند کی روشنی اس حد تک ضرور تھی کہ وہ بخوبی اس کے تاثرات دیکھ سکتی تھی۔

"میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔" اس کا لرزتا لہجہ شقران کو ساکت کر گیا' رگوں میں خون کی گردش بھی جیسے تھم گئی تھی۔

"میں جانتی ہوں کہ کسی کو اذیت سے دوچار کرنے والا خود بھی کسی نہ کسی صورت میں اس اذیت کو جھیل رہا ہوتا ہے' تمہیں معاف کر کے میں نے صرف تمہیں نہیں خود کو بھی اذیت سے نجات دی ہے..... مجھے کوئی حق' کوئی اختیار نہیں جزا و سزا کا..... میں نہیں چاہتی کہ اذیت پر اذیت پہنچانے کا سلسلہ جاری رہے' نہیں چاہتی کہ میں کسی کی اذیت کا سبب بنوں اور اس کا خمیازہ میرے کسی بہت اپنے کو ادا کرنا پڑے..... آغا جان کی زندگی کو خطرے میں دیکھنے کے بعد میں بہت سی خوش فہمیوں سے نکل آئی ہوں' مجھے یاد آ گیا ہے کہ میں ایک انسان ہوں' تم سے بھی زیادہ گناہ گار انسان..... جسے طیش میں' بدلہ لینے کی ضد میں اللہ کا خوف یاد نہ رہے' وہ انسان کہلانے کے لائق نہیں ہو سکتا..... مجھے لگتا ہے کہ آغا جان آج میری ہی وجہ سے....." روندھے لہجے میں بولتی وہ بات مکمل نہ کر سکی' شقران سانس روکے بس اسے دیکھ رہا تھا جو سر جھکائے اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔

"میں اللہ سے دعا کرتی رہوں گی کہ روزِ آخرت تم سے اس گناہ کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا جائے جس کے لیے میں تمہیں معاف کر چکی ہوں۔ تمہاری ندامت' پچھتاوا اور اعتراف جرم' یہ سب کافی تھا معاف کر دینے کے لیے....." لرزتے لہجے کو سنتے ہوئے شقران کو پہاڑ جیسا بوجھ اپنے کاندھوں سے سرکتا محسوس ہوا' رواں رواں سماعت بنا ہوا تھا۔ صدیوں سے بھڑکتی آگ گلستاں میں ڈھلتی جا رہی تھی۔

"تمہیں جو اعتراف کرنے تھے تم کر چکے ہو' آج میں اپنی حقیقت' اپنا سچ تمہیں بتانا چاہتی ہوں' اس حادثے کی وجہ سے آغا جان نے میرے لیے اتنی تکلیفیں اٹھائی تھیں کہ مجھے اپنے زندہ ہونے پر شرمساری ہوئی تھی' میری وجہ سے انہیں جو کچھ برداشت کرنا پڑا تھا وہ سب بیان سے باہر ہے' میری وجہ سے ان کی اپنی زندگی کی خوشیاں اور سکون بھی ختم ہو گیا' میں نے یہ قبول کر لیا تھا کہ کوئی مستقبل نہیں ہے میرا' میرے لیے کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو میرا ہاتھ آغا جان سے مانگ کر مجھے شادو آباد دیکھنے کی ان کی آرزو پوری کرتا..... جس کی روح تک دنیا کی نظروں میں داغدار ہو اس لڑکی کو کون اپنانا چاہے گا..... میں اپنے نصیب کے اس سیاہ سچ سے سمجھوتا کر چکی تھی لیکن پھر قدرت تمہیں میرے سامنے لے آئی..... مجھے احساس ہوا کہ وقت انسان کو کس قدر لاچار کر دیتا ہے کہ دلدل سے نکلنے کے لیے وہ اسی شخص کا سہارا لینے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے جو اسے دلدل میں دھکیلنے کا سبب رہا ہو..... کیسے نجات کے راستے' کیسی سزائیں' سب کچھ بے معنی تھا' تمہیں اذیت میں مبتلا رکھ کر تمہیں سزا دے کر میں کیا حاصل کر لیتی.....؟ کچھ بھی تو نہیں..... راستہ تو مجھے چاہیے تھا' اپنی ذات سے' آغا جان کو ایک خوشی دینے کا جو ایک راستہ مجھے دکھائی دیا وہ تم تھے..... آغا جان کی خواہش پوری کرنے کے لیے میں سب کچھ بھول کر کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار تھی..... اس دنیا میں لوگ بڑے سے بڑا گناہ کر کے بھی تن کر چلتے ہیں' گناہ قبول کرنا انہیں گوارا نہیں ہوتا..... مگر تم ان میں سے نہیں تھے' مجھے معلوم تھا کہ تم کسی ناکردہ گناہ کا بوجھ کندھوں پر اٹھانے کے بجائے مجھ سے شادی پر تیار ہو جاؤ گے' پہلے میں اس لیے یہ نہیں چاہتی تھی کہ تم آغا جان کے سامنے کوئی اعتراف کرو کیونکہ تمہاری حقیقت ایک بار پھر ان کے زخم تازہ کر دیتے وہ تمہیں ختم کر ڈالتے یا خود..... دونوں ہی صورتوں میں' میں انہیں کھو دیتی..... بعد میں مزید ایک وجہ اور بن گئی' تمہارے علاوہ میں کسی کو مجبور کر کے اس پر مسلط نہیں ہو سکتی تھی..... مگر میں نے

غلط کیا..... مجھے کوئی حق نہیں تھا تمہاری زندگی کے فیصلے اپنے ہاتھ میں لینے کا' کوئی حق نہیں خود کو آباد کرنے کے لیے دوسروں کی زندگی تباہ کرنے کا..... تم شہرام بھائی اور بھابی کو روک دو کہ وہ میرے اور تمہارے سلسلے میں کوئی بات آغا جان اور بھابی سے نہ کریں' میری طرف سے تم میری ہر شرط سے آزاد ہو' تمہارے دل پر اب کوئی بوجھ نہیں ہونا چاہیے' میرے اور تمہارے درمیان جو تھا وہ میں آج اور ابھی ختم کر کے جا رہی ہوں' میں اب پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھنا چاہتی' تم بھی ماضی کے اندھیروں سے نکل کر اب آگے بڑھ جاؤ تو اچھا ہے۔"

"سب کچھ ختم کر دینا کیا اتنا آسان ہے رجاب؟" وہ جو جانے کے لیے پلٹ رہی تھی شقران کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

"برسوں سے پنپتے جذبوں کی جڑیں اس حد تک پھیل چکی ہیں کہ انہیں ختم تو کیا کمزور بھی نہیں جا سکتا..... تم اپنے دل سے پوچھو کیا واقعی میں کسی خوف کا شکار ہو کر مجبور ہوا تھا' کیا واقعی تم مجھ پر مسلط ہو رہی تھیں؟" اس کے سوال پر رجاب کچھ کہہ نہ سکی۔

"حقیقت کیا ہے یہ تم اچھی طرح جانتی ہو' برسوں سے میں تمہارے حصار میں جکڑا ہوا ہوں' اس حصار سے نکل کر میرے لیے سانس لینا بھی ناممکن ہے' میرے لیے یہ معجزہ ہی کافی ہے کہ اب تمہارا وہم نہیں بلکہ مجسم حقیقت تم میری زندگی میں ہو' میرے دل' میری سوچ کے ساتھ اب تم میری نظروں کے سامنے بھی ہو' مجھے اپنے لیے اب کچھ بھی نہیں چاہیے' مجھے اب جو حاصل کرنا ہے تمہارے لیے حاصل کرنا ہے' تمہاری خوشیاں' تمہاری مسکراہٹ اور وہ سب کچھ جو میرے ہاتھوں بس نہیں ہو چکا تھا۔ یہ میرا آخری اور حتمی فیصلہ ہے رجاب' میں اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔" شقران کا لہجہ قطعی اور مضبوط تھا۔

"شقران' میں تمہیں معاف کر کے ہر بوجھ سے نجات دے چکی ہوں' پھر بھی تم ماضی کی اس تاریک رات سے جڑے رہنا چاہتے ہو..... اپنے جذبوں سے مجبور ہو کر تم یہ فیصلہ نہ کرو' آدھی رات میں نیند ٹوٹنے پر کیا تم ایک ایسی عورت کو اپنے پہلو میں دیکھنا چاہو گے جس کا چہرہ تمہیں خوف میں مبتلا کر دے؟" وہ سپاٹ لہجے میں اسے دنگ کر گئی۔

"میں نہیں جانتا کہ تمہیں کس چیز نے یہ سوال کرنے پر مجبور کیا' بس اتنا جانتا ہوں کہ آدھی رات میں نیند ٹوٹنے پر جب میں تمہارا چہرہ دیکھوں گا تو سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کروں گا کہ میرے گناہ کو معاف کر دیا اور میری دعا مقبول ہو کر تمہاری صورت عطا ہو گئی....."

"اور اگر تمہیں اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہوا تو تب کیا کرو گے تم اور کیا کروں گی میں؟ بوجھ بن کر رہنے کے بجائے میں ساری زندگی اپنے بھائی کے سینے کا زخم بن کر گزارنا بہتر سمجھتی ہوں۔" تلخ لہجے میں وہ بات کاٹ گئی۔

"رجاب..... مجھ سے محبت کر سکتی ہو تو مجھ پر بھروسہ بھی کرو....." شقران اس کے تاثرات دیکھتا اس نے کہا۔

"میرے دل میں کسی محبت کے لیے کوئی گنجائش نہیں' کم از کم تمہاری تو ہرگز نہیں۔" سرد لہجے میں کہتی وہ سرعت سے جانے کے لیے پلٹ گئی مگر اگلے ہی پل وہ دھک سے رہ گئی جب شقران نے اس کا ہاتھ تھام کر روکتے ہوئے اپنے قریب کیا اتنا کہ وہ اس کی دھڑکنوں کو سن سکتی تھی' اس کی برحدت سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کر سکتی تھی۔

"اب کہو کہ میری محبت تمہارے دل میں نہیں' تمہاری دھڑکنوں کے ساتھ نہیں....." دھیمے گمبھیر لہجے پر رجاب کے لرزتے ہاتھوں کی ہتھیلیاں پسیج گئی تھیں۔

"میں آغا جان کو اندھیرے میں رکھ کر تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے فیصلے پر عمل نہیں کر سکتی' میں ان پر یہ ظلم مزید نہیں کر سکتی اور انہیں اندھیرے سے نکال کر تم میرے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ لرزتے لہجے میں بولی۔

"اندھیرے میں' میں بھی رب بھائی کو نہیں رکھنا چاہتا' مجھے ہر صورت اعتراف جرم ان کے سامنے کرنا ہے' تم مجھے معاف کر کے ہر سزا' ہر پچھتاوے سے نجات دے سکتی ہو مگر گناہ گار تو میں ان کا بھی ہوں' میں بھی انہیں دھوکے میں رکھ کر تمہیں حاصل نہیں کر سکتا..... میں ان کا سامنا کروں گا۔ ان کی ہر سزا برداشت کروں گا' تم میرا ساتھ دو گی تو میں انہیں پگھلنے پر مجبور کر دوں گا' مجھ پر بھروسہ کرو رجاب..... میرا یقین کرو....." اسے قائل کرتا وہ یک لخت چپ ہوا جب اس کی نگاہ عرش پر پڑی' رجاب کا ہاتھ چھوڑتا وہ پیچھے ہٹا۔

Digitized by Google

"اگر کوئی مسئلہ ہے تو میں کوئی مدد کرسکتا ہوں۔" عرش نے ان دونوں کو ہی مخاطب کیا۔

"عرش..... اسے سمجھاؤ کہ یہ آخر کیوں خود کو مشکل میں ڈالنا چاہتا ہے آغا جان کے سامنے اس کا اعتراف دو گھرانوں کو ہمیشہ کے لیے الگ کردے گا آغا جان بھی وہ سب نہیں ہونے دیں گے جو یہ چاہتا ہے سچ پر پردہ پڑے رہنے میں ہی سب کی بھلائی ہے۔" رجاب مضطرب ہو کر بولی۔

"سچ کو چھپائے رکھنا میرا ضمیر گوارا نہیں کرسکتا رجاب..... اپنے لیے نہ سہی مگر تمہارے لیے مجھے راسب بھائی کے سامنے سچ بولنا ہی ہے تم میرا ساتھ دو یا نہ دو میرا یقین کرو یا نہ کرو لیکن میں اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گا۔" عشقران قطعی انداز میں کہتا وہاں مزید رکا نہیں تیز قدموں سے چلا گیا۔

"وہ اپنا فیصلہ نہیں بدلے گا راسب بھائی کو شقران کی حقیقت سے بے خبر رکھنا ان کے ساتھ زیادتی ہے جسے تم بھی گوارا نہیں کروگی۔"

"عرش..... مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوگا کہ آغا جان ایک بار پھر اذیت میں مبتلا ہوں اب اس مقام پر آ کر جہاں وہ شقران کو بہت پسند کرتے ہیں اس کی موجودگی پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔" رجاب تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

"راسب بھائی اور شقران کے اتنے اچھے تعلقات شقران کے حق میں بہتر ہیں..... ان کے قریب رہ کر سچ کہنا شقران کے لیے آسان ہوگا۔ بے شک اس کا سچ راسب بھائی کے لیے اذیت ناک ہوگا مگر تمہارے اور اپنے گناہ گار کو اپنے سامنے دیکھ کر کہیں نہ کہیں انہیں قرار بھی ملے گا..... شقران جو کر رہا ہے اور جو کرے گا اس میں ہم سب کی مرضی بھی شامل ہے۔ فکر مت کرو کسی کا کسی سے کوئی تعلق نہیں ٹوٹے گا ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہونے دے گا راسب بھائی کو راضی کرنے کے لیے اور تمہیں شقران کی زندگی میں لانے کے لیے جس حد تک بھی جھکنا پڑا ہم سب جھکیں گے تمہاری اور شقران کی خوشیوں کے لیے ہم میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔" عرش کے سامنے وہ بس سر جھکائے خاموش تھی تب ہی عرش کی نگاہ لاؤنج کے کھلے دروازے سے باہر آتی زناشہ پر گئی جس کے قدم ساکت ہوئے تھے دور سے اس کے تاثرات جاننا عرش کے لیے ناممکن تھا مگر جس طرح وہ وہیں سے خاموشی سے پلٹ کر واپس گئی یہ عرش کو چونکا گیا۔ رجاب کی پشت اس جانب تھی لہٰذا زناشہ کا آنا اور واپس جانا اس کی نظروں میں نہیں آسکا تھا۔

❁.....❁.....❁

"مجھے تو لگا تھا تائی امی شنذرا آپی کے آنے کا انتظار کریں گی مگران کے بچوں کے ایگزامز اسٹارٹ ہو چکے ہیں اور پھر اتنی جلدی دوسرے شہر سے آنا بھی آسان نہیں مجھے بہت اچھا لگا جب شنذرا آپی نے مجھے کال کر کے کہا کہ تم سب سنبھال لینا شیراز کا تو تمہیں پتہ ہے کس حد تک جذباتی ہے بات تقریباً پکی کر کے ہی اٹھنا۔" ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی وہ زرکاش سے مخاطب تھی۔ "ضوفشاں مجھ سے اتنی محبت اور گرم جوشی سے ملی کہ میں خود حیران رہ گئی ورنہ مجھے تو لگا تھا کہ شیراز نے ضرور میرا امیج خراب کر رکھا ہوگا۔ پتہ نہیں بات کرنا بھی پسند کرتی یا نہیں مگر میرے خدشے غلط ثابت ہوئے اور یقیناً یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا شیراز نے ضرور ضوفشاں کو سمجھا دیا ہوگا کہ میں اب صرف اس کی ناپسند کزن نہیں بلکہ اس کے بھائی کی بیوی بھی ہوں۔" مسکراتی نظروں سے دراز نے آئینے میں اس کے عکس کو دیکھا جو لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ تھا۔

"آپ میری بات سن بھی رہے ہیں یا نہیں؟" کلینزنگ کرتی وہ اسے ٹوک گئی۔

"آپ کو ہی سن رہے ہیں بیگم صاحبہ جب سے گھر میں داخل ہوئے ہیں تب سے ہی آپ کی چہچہاہٹیں سن رہے ہیں مجال ہے جو اس کے علاوہ کوئی اور کام کریں۔"

"حد کرتے ہیں آپ، کھلی مبالغہ آرائی۔" وہ خشمگیں لہجے میں بولی۔ صبغہ کی تائید پر وہ اب زرکاش سے آپ جناب سے بات کرتی تھی۔ اب اس کا نام لینے پر بھی اجتناب برت رہی تھی۔

"یہ بتاؤ شیراز کا رویہ کیسا تھا تم سے کوئی بات کی اس نے؟"

"بس نارمل تھی مجھ سے تو خیر اس نے کوئی بات نہیں کی میں نے خیر خیریت پوچھی تو جواب ضرور دیا اس نے۔"

"اور باقی سب ٹھیک طرح ملے؟" مخمور اسے دیکھتے ہوئے زرکاش نے مزید پوچھا۔

"باقی سب تو بہت اچھی طرح ملے آپ کی ممانی اور ان کی بڑی بہو بھی..... پر سب سے زیادہ خوش تو مجھے دیکھ کر تائی امی ہوئی تھیں' ضوفشاں کے گھر کی ساری خواتین تائی امی سے میری تعریفیں کر رہی تھیں کہ بڑی پیاری ہے آپ کی بہو' بہت خوش اخلاق ہے۔" وہ تفاخر سے بتا رہی تھی۔

"باقی سب تو ٹھیک ہے مگر تم خوش اخلاق کب سے ہو گئیں؟" زرکاش نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"آپ سے تو کچھ اچھا سننے کی کوئی امید ہی نہ رکھے۔" وہ جل کر بولی۔

"اب یہ مبالغہ آرائی نہیں ہے؟" زرکاش نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"آج اتنا اہم موقع ہاتھ سے نکل گیا۔" بیڈ کے کنارے بیٹھتی وہ تاسف سے بولی۔ "مجھے کیا پتہ تھا کہ احمد بھائی تائی امی وغیرہ کو ساتھ لے کر مجھے گیٹ پر پک کرنے آئیں گے ورنہ سب کو پہلے اپنے گھر لے آتی۔"

"مگر جس کام کے لیے تم سب کو جانا تھا پہلے وہاں پہنچنا ضروری تھا' امی اور شنزا زیادہ دیر یہاں پر ٹھہرتی بھی نہیں' تمہیں بھی افسوس ہوتا کہ خاطر مدارات کا وقت نہیں ملا۔"

"ہاں' یہ بھی ٹھیک ہے۔" اس نے تائید کی۔

"تمہارا کیا خیال ہے ضوفشاں کے گھر والے شیراز کے لیے راضی ہو جائیں گے؟" زرکاش نے پوچھا۔

"ضوفشاں کافی ہے اپنے گھر والوں کو راضی کرنے کے لیے' برسوں ایک ہی محلے میں رہے ہیں' کوئی اجنبیت بھی نہیں' شیراز ان کا دیکھا بھالا ہے' کوئی کمی نہیں اس میں' بس یہ کنفرم کر لیجیے گا اپنے بھائی سے کہ یورپ میں آپ کی طرح وہ بھی کہیں کسی گرل فرینڈ کے زیر سایہ تو نہیں' روانی سے کہتی وہ یک لخت زبان دانتوں تلے دبا گئی مگر دیر تو ہو چکی تھی' دم بخود بیٹھی وہ زرکاش کو دیکھ رہی تھی جو گہرے سنجیدہ تاثرات کے ساتھ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ تھا۔ شرمندگی اور ندامت نے دراج کو بن کر دیا تھا۔

"ایم سوری' میں بھی جانے کیا' کیا بک جاتی ہوں۔" اس کے بمشکل کہنے پر زرکاش نے بس ایک نگاہ اس کے بجھے چہرے پر ڈالی۔ دراج منتظر ہی رہی مگر وہ بالکل خاموش رہا' خود سے عہد کرنے کے باوجود کہ وہ کبھی زرکاش کے یورپ میں گزرے ان پانچ برسوں کے بارے میں کبھی ایک لفظ تک زبان پر نہیں لائے گی' آج بے خیالی میں اس عہد کو توڑنے کے بعد اسے زرکاش سے زیادہ تکلیف پہنچی تھی' جھلائے انداز میں چوڑیاں ہاتھوں سے اتارتی وہ اٹوٹ کر چبھتی چوڑی پر کراہ اٹھی۔

"کیا کر رہی ہو تم؟" زرکاش نے ڈپٹنے والے انداز میں ٹوٹی چوڑیوں کو احتیاط سے اس کی کلائی سے الگ کیا۔

"مت اتارنا انہیں' مجھے اچھی لگتی ہیں تمہارے ہاتھوں میں چوڑیاں۔" زرکاش کے نرم لہجے پر وہ اس کی جانب دیکھ نہیں سکی۔

❁.....❁.....❁

سوئی ہوئی ہنی کو دھیرے سے تھپکتیں وہ اسٹڈی سے باہر آتے شہرام کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"شہرام..... میں پچھلے ایک ہفتے سے یہ دیکھ رہی ہوں کہ زنائشہ بہت خاموش اور اداس ہے دوسری طرف عرش بھی جانے سارا دن کہاں مصروف رہتا ہے' جب سے زنائشہ آئی ہے' عرش نے سارا دن غائب رہنا ترک کر دیا تھا لیکن اب ایک ہفتے سے اس نے ہم سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی نہیں کھایا' رات بہت دیر سے واپسی ہوتی ہے اس کی..... مجھے یقین ہے کہ زنائشہ اور اس کے درمیان کوئی ناراضگی ہے۔"

"میں بھی یہ محسوس کر رہا ہوں' تم نے زنائشہ سے کچھ پوچھا اس بارے میں؟" شہرام نے بغور ان کا چہرہ دیکھا نجانے کیا جاننا چاہ رہے تھے۔

"ہاں پوچھا تھا مگر وہ کہہ رہی ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں..... ظاہر ہے وہ کچھ بتانا نہیں چاہ رہی ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں زنائشہ کی رخصتی میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"میں بھی یہی کہنے والی تھی' ساری تیاری تو مکمل ہے' امید ہے کہ اسی ہفتے میں راسب بھائی ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو جائیں گے' ان کے گھر پر ہی زرق کی موجودگی میں ہم اپنے ارادے سے انہیں آگاہ کر دیتے ہیں اور ساتھ ہی شکرانہ اور رجاب کی بات بھی کر لیں گے۔" سحری کی بات کے اختتام پر شہرام' عرش کے کمرے کی طرف بڑھ گئے اور چند لمحے بعد ہی واپس آ کر زنائشہ کو عرش کی

Digitized by Google

آمد کی اطلاع کے ساتھ اس کے لیے کھانا گرم کرنے کے لیے کہا۔

اسے اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ سحر کی طرح شہرام بھی اس کے اور عرش کے درمیان تناؤ کو محسوس کر گئے ہیں۔ عرش سے ناراضگی اپنی جگہ مگر گزرے ایک ہفتے میں عرش کے کھانے کے وقت موجود نہ ہونے پر وہ رات گئے تک انتظار کرتی رہی تھی کہ کب عرش آئے اور وہ اس کے لیے کھانا لگائے مگر اس کے آنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ یقیناً عرش کا یہ ردعمل اس لیے تھا کہ وہ اس کی کالز کو اگنور کر رہی تھی' ٹیبل پر پلیٹیں رکھتی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی جو کچن میں آیا۔

"بھائی نے یوں ہی تمہیں زحمت دی' مجھے بھوک نہیں۔"

"یعنی مجھے آج رات بھی کھانا کھائے بغیر سونا ہوگا۔" زنائشہ درمیان میں بول اٹھی۔ "تم جانتے بھی ہو کہ جب تم کھانے کے وقت موجود نہیں ہوتے تو میں سب کے ساتھ بیٹھ کر صرف چند لقمے ہی لے پاتی ہوں۔"

"یہ جتانا تمہیں ایک ہفتے بعد یاد آیا ہے؟"

"ہاتھ واش کرو جلدی' کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" جواباً اسے ہدایت دیتی وہ کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔

"کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ یہ سیل فون ایجاد کرنے والا کہیں مل جائے تو پہلی فرصت میں اسے دوسرے جہاں پہنچا دوں۔" زنائشہ کی بڑبڑاہٹ وہ بخوبی سن چکا تھا۔

"وہ جو بھی ہے اسے بخش دو' میں کافی ہوں ہر روز کے لیے۔" ٹشو سے ہاتھ خشک کرتا وہ ٹیبل کے گرد بیٹھا۔

"ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی رابطے کے لیے فون کا محتاج رہنے والوں کے ساتھ یہی ہونا چاہیے۔" وہ نخوت سے بولی۔

"زرکاش کا کام کر دیا تھا میں نے' اپنے ایک دوست کے لیے انہیں ہیوی جیپ درکار تھی طویل سفر کے لیے۔" عرش کے بتانے پر وہ بس سر ہلاتی کھانے کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تم رجاب کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کرو گی؟" کچھ دیر بعد عرش نے بہت سنبھل کر پوچھا۔

"میں ایسا کوئی سوال تم سے نہیں کرنا چاہتی جو تمہیں اتنے دن سے میرے کمرے تک آنے سے بھی روکے ہوئے تھا۔" زنائشہ سنجیدگی سے بولی۔

"ایسا نہیں ہے' میں کئی بار تمہارے کمرے تک آیا پر دستک نہ دے سکا' دراصل میں خوف زدہ تھا یہ سوچ کر کہ جانے تم کتنی بڑی غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہو۔ مجھے اپنے آپ پر غصہ تھا کہ رات کے اس پہر ضرورت ہی کیا تھی مجھے شقران اور رجاب کے درمیان جانے کی..... تمہارا خاموشی سے چلے جانا میں نے بہت محسوس کیا تھا۔ میرے لیے بہت مشکل تھا تمہارا سامنا کرنا۔"

"اور مجھے غصہ اس بات پر تھا کہ تم میری طرف سے کتنے بے یقین ہو۔" زنائشہ تلخ ہے بولی۔

"شقران پہلے ہی مجھے رجاب کے لیے اپنے جذبات سے آگاہ کر چکا تھا' میں جانتی تھی کہ اس رات شقران اور رجاب کے درمیان بات ہوئی' تمہیں ٹیرس پر رجاب کے ساتھ دیکھ کر میں پریشان ہو گئی کہ شقران نے بات بنانے کے بجائے بگاڑ تو نہیں دی' میں سیدھا شقران کے پاس گئی تو پتہ چلا سب ٹھیک ہے اور تم اسی معاملے میں رجاب کو کنوینس کر رہے ہو۔" زنائشہ کے تفصیل بتانے پر عرش نے یوں گہرا سانس لے کر اسے دیکھا جیسے بھاری بوجھ سے نجات ملی ہو۔

"زنائشہ..... بات بے یقینی کی نہیں' میں پہلے ہی رجاب کے سامنے تمہیں اگنور کرنے کی غلطی کر کے ناراض کر چکا تھا اور پھر وہ صورت حال..... اب تک اسی پریشانی میں تھا کہ کیسے سامنا کروں تمہارا جبکہ تم اتنا بدظن ہو مجھ سے کہ فون پر آواز تک سننا نہیں چاہتی۔"

"عرش' یہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے پر جو بھروسہ ہے وہ کسی کی غلط فہمی بھی اس بھروسے کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی..... بات بس اتنی ہے کہ کبھی کبھی ہم محبت کے موضوع میں یہ برداشت نہیں کر پاتے کہ ہم سے زیادہ کسی اور کو اہمیت کیوں دی گئی' یہ اہمیت ہی ناراضگی کی وجہ بن جاتی ہے اور لپیٹ میں کبھی بے چارے زرکاش آ جاتے ہیں اور کبھی رجاب۔" اس کے مسکراتے لہجے پر عرش چند لمحوں کے لیے ہی اس کے چہرے سے نگاہ نہ ہٹا سکا تھا۔

"زنائشہ تم نے کتنی بڑی الجھن کو کتنی آسانی سے سلجھا دیا جو بات میرے لیے مشکل تھی وہ تم نے کتنی آسانی سے مجھے سمجھا دی۔"
عرش کے رشک اور حیرت پر وہ بے ساختہ مسکرائی۔
"اگر دوبارہ کبھی ہمیں ایک دوسرے سے ایسا کوئی گلہ ہوا تو کم از کم میں یہ دہرانے میں دیر نہیں کروں گا کہ میرے دل میں تمہاری اہمیت کس قدر ہے۔"
"مگر میں بار بار اتنی آسانی سے یہ نہیں دہراؤں گی۔" وہ عرش کی بات کاٹتی شرارت سے مسکرائی۔
"منحرے دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے مت دینا۔" عرش کے کہنے پر وہ بے ساختہ ہنس دی۔
"اچھا میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں شاید مجھے پہلے ہی تم سے یہ بات کہہ دینی چاہیے تھی۔" زنائشہ کے اچانک سنجیدہ ہونے پر وہ چونکا۔
"بے شک دراج اور زرکاش کی میں احسان مند ہوں دراج اور میں ایک دوسرے کے ہمراز اور غم گسار رہے ہیں مگر وہ تمہارے اور میرے ماضی کے بارے میں صرف اتنا ہی جانتی ہے جتنا کہ اسے بتانا مجھے مناسب لگا تھا..... تم نے اور میں نے اپنی اپنی جنت کو بچائے رکھنے کے لیے کون کون سی صعوبتیں اٹھائیں۔ تم کس دلدل میں اتر کر باہر نکلے یہ سب میرے اور تمہارے درمیان کے سچ ہیں ہمارے سچ ہیں باقی دنیا کے لیے ان پر پردہ پڑا رہنا چاہیے۔" گہرے سنجیدہ لہجے میں وہ عرش کو بہت کچھ سمجھا گئی تھی۔
"زنائشہ..... یہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں میرا پردہ بنایا جو کچھ تم نے کہا وہ تم نہ کہتیں تو بھی میں جانتا تھا کہ بدگمانیوں اور جدائی کے کٹھن دور میں بھی تمہاری محبت نے کسی سچ کو دنیا کے سامنے بے پردہ نہیں ہونے دیا ہوگا مگر پھر بھی جو تم نے کہا وہ مجھے مزید پُرسکون اور تمہارا اسیر کر گیا ہے۔" اس کا محبت پاش لہجہ اور نگاہیں زنائشہ کو محبوب زدہ کر گئی تھیں۔
"میں نے یہ بات تمہیں اپنا اسیر کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے بتائیں کہ تم کبھی کسی شخص کے سامنے خود کو الگ پاڈی گریڈ نہ سمجھو مجھے یقین ہے کہ تم ہمیشہ سر اٹھا کر زندگی کے ہر سچ کو اپنے سامنے جھکائے رکھو گے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کو تم اور زیادہ عزیز ہوتے ہو جب جب تم سجدہ کرتے ہو سجدوں میں سر جھکانے والے ہی تو سر اٹھا کر جیتے ہیں۔"
"ہاں زنائشہ میں یہ سچ بھی جانتا ہوں اب کہ عشق حقیقی کا راستہ عشق مجازی سے ہو کر گزرتا ہے۔" عرش نے بہت جذب کے عالم میں کہا تھا۔

❁.....❁.....❁

پیچھے بھاگتے مناظر پر نگاہ جمائے وہ گزرے تین دنوں کے بارے میں سوچ رہی تھی..... تین دن پہلے جو خوشی اسے ملی وہ اسے سرشار کر گئی تھی۔ اس کی طبیعت کے پیش نظر رائمہ نے اسے اپنے پاس ہی روک لیا تھا لہٰذا وہ ہاسپٹل سے سیدھا گھر جا کر یہ جاننے سے قاصر رہی کہ زرکاش کے جذبات اور احساسات کیا ہیں مگر اس کے چہرے سے دراج کو بخوبی اندازہ تھا کہ وہ کتنا خوش ہے۔
"دراج..... امی سے کیا باتیں ہوئیں تمہاری؟" زرکاش نے متوجہ کیا۔
"زرکاش میں تو تائی امی اور شزا کو بچا کے گھر میں اپنے سامنے دیکھ کر سب کچھ بھول گئی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ دونوں میرے لیے مجھ سے ملنے بچا کے گھر تک آئی ہیں..... خون کی کشش کتنی طاقت ور ہوتی ہے زرکاش..... اس کشش کے سامنے کوئی نفرت کوئی رنجش برقرار نہیں رہ سکتی۔"
"تم ٹھیک کہتی ہو اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ تم سے جو خوشی امی کو ملی ہے وہ کافی تھی انہیں تم تک لانے کے لیے۔" زرکاش نے مسکراتی ہوئی محبت سے لبریز نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"میرے لیے یہ اطمینان بخش ہے کہ میں اس قابل تو ہوں کہ آپ کو ایک خوشی دے سکوں۔"
"میری تو بات ہی نہ کرو پہلے دل پر تم قابض تھیں اور اب تو تمہارے سحر میں جکڑا ہوا ہوں۔ میری خوشی کا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں مجھے تو ابھی سے یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ باپ بننے کے بعد میں اپنے بچے کے لیے اتنی زیادہ محبت کیسے سنبھالوں گا..... دراج تم نے سچ میں مجھے بہت بڑی خوشی دی ہے۔ مجھے ہی نہیں تم نے میری زندگی کو بھی ہر طرح سے سجا کر مکمل کر دیا ہے..... لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم صرف اس ایک خوشی پر ہی اکتفا کر لیں گے....." زرکاش کے کہنے پر وہ حیرت سے اسے دیکھتی کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

آدھے گھنٹے سے وہ ہاسپٹل کے گیٹ کے قریب ٹہلتی زرق کا انتظار کر رہی تھی آج راسب کو ہاسپٹل سے ڈسچارج ہونا تھا مگر اس سے پہلے راسب کی فائنل نکلوا کر ڈاکٹر کے سائن کروانے ضروری تھے۔ راسب اب ایک منٹ بھی رکنے کے لیے تیار نہ تھے ان کی بے چینی کو دیکھتی وہ زرق کو بار بار کال کرتی جلدی پہنچنے کی تاکید کر رہی تھی مگر زرق کی گاڑی بھی راستے میں ہی خراب ہوگئی تھی راسب کے ساتھ ساتھ اس کا صبر بھی جواب دینے لگا تھا..... رجاب کی ساری کوفت اس وقت دور ہوئی جب شقران اچانک پہنچا۔

"رجاب، تم مجھے کال کرتیں یا بھائی کو بلاتیں اور فائل تو تم بھی ڈاکٹر کے پاس لے جا کر سائن لے سکتی تھیں۔" رجاب کی پریشان صورت کی وجہ جان کر شقران کو اس کی عقل پر افسوس ہوا۔

"آغا جان اتنا غصہ کر رہے ہیں زرق کے ابھی تک نہ آنے پر کہ میرے ذہن سے سب کچھ نکل گیا۔ ڈاکٹر کے پاس میں اس لیے نہیں گئی کہ کہیں وہ آج بھی آغا جان کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کرنے سے انکار نہ کر دیں۔" وہ تشویش سے بولی۔

"پہلے مجھے شک تھا لیکن اب تو ثابت ہو چکا ہے کہ آپ احمقانہ حد تک ڈرپوک خاتون ہیں۔" شقران کی مسکراتی نظروں پر وہ چونکی۔

"ٹھیک ہے اگر تم اتنے ہی صاحب بہادر ہو تو جاؤ بات بات پر جھڑکنے والے اس آدم بیزار ڈاکٹر سے آغا جان کی آزادی کا پروانہ لے آؤ۔" رجاب نے جیسے چیلنج دیا۔

"ابھی لے آتے ہیں آزادی کا پروانہ اس آدم بیزار ڈاکٹر کو خبر نہیں کہ ہم بھی دنیا سے بیزار لوگ ہیں۔" اس کے فخریہ انداز پر رجاب بے ساختہ ہنس دی۔

"پھر میں جا کر آغا جان کو بھی آزادی کی خوش خبری سناتی ہوں اور تم اپنے سن گلاس آنکھوں سے اتار کر ڈاکٹر سے ملنا ورنہ انہیں تمہارے گلاسز پر بھی اعتراض ہو سکتا ہے۔" جاتے ہوئے رجاب نے تاکید کی۔

"فکر نہ کرو میری وجہ سے راسب بھائی کی آزادی ضبط نہیں ہوگی ویسے بھی یہ سن گلاسز تو میں نے تمہیں امپریس کرنے کے لیے لگا رکھے ہیں۔"

"میں تمہارے سچ بولنے سے ضرور امپریس ہوئی ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ کاریڈور میں آتے ہی وہ ٹھٹک گئی کہ سامنے سے اسے حاذق آتا دکھائی دیا۔

"اچھا ہوا تم مل گئیں میں یہاں تمہیں ہی ڈھونڈ رہا تھا۔" حاذق نے کہا جبکہ رجاب کی نظریں اس کے کندھے سے لگی چار سال کی بچی پر ٹھہر گئیں۔ کچھ عجیب سا احساس ہوا رجاب کو مگر پھر یک دم اس پر ایک حقیقت آشکار ہوئی کہ وہ بچی نارمل نہیں ہے اس کا شمار اسپیشل چائلڈ میں ہوتا ہے۔

"یہ میری بیٹی ہے۔" حاذق نے بتایا۔

"بہت پیاری ہے۔" رجاب نے ذرا سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"رجاب، جانتی ہو کہ جس دن یہ دنیا میں آئی مجھے احساس ہوا کہ یہی مکافات عمل ہے۔ اس دن میری آنکھوں کے سامنے تمہارا چہرہ آ گیا اس دن مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ نے مجھے اس وقت بھی سنبھلنے کا موقع دیا تھا جب میں تمہیں بے یار و مددگار سڑک پر چھوڑ کر بھاگ رہا تھا موقع اس وقت بھی دیا جب تم سے جان چھڑانے کے لیے میں تمہارے کسی سچ پر یقین کرنے کے لیے راضی نہ تھا موقع اس وقت بھی دیا گیا جب میں نے اپنا دامن بچانے کے لیے تمہارے بے داغ دامن پر غلاظت اچھالی تھی۔" حاذق کا چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ تھا آواز لرز رہی تھی۔ اس کے لہجے کی ندامت کو محسوس کرتی رجاب بس ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"رجاب، میری بیٹی بھی میرے گناہ کی زد میں آ کر میرے ساتھ سزا کاٹ رہی ہے....."

"ایسا مت کہیں یہ تو بہت معصوم ہے مجھے شرمسار نہ کریں میں نے کبھی اللہ سے آپ کے لیے برا نہیں چاہا نہ کوئی بددعا کی کبھی جو گزر چکا ہے اسے بھول جائیں میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے اللہ جانتا ہے کہ میرے دل میں آپ کے لیے کوئی عداوت اور نفرت نہیں ہے۔" وہ بے اختیار کہہ اٹھی جبکہ حاذق تنگ نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ معاف کر کے وہ اس کے دل کو بھی اپنے سامنے جھکا

Digitized by Google

گئی تھی۔ یہ ایک اذیت ناک سچ تھا کہ رجاب کی پاکیزگی اور معصومیت کا نور آج بھی اس کے دل کے ہر گوشے میں پھیلا ہوا تھا۔

"میں آغا جان سے بات کروں گی، وہ بھی یقیناً ساری تلخیاں بھلا کر آپ کو معاف کر دیں گے۔"

"رجاب میں تمہارا یہ احسان و قرض زندگی بھر نہیں اتار سکوں گا...... میں واقعی تمہارے قابل نہ تھا، تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں مجھ سے نجات مل گئی...... دعا کرنا اس بار اللہ مجھے صحت مند اولاد سے نوازے...... اگلے ماہ میں اپنی فیملی کے ساتھ واپس اٹلی جا رہا ہوں، زندگی رہی تو دوبارہ ملیں گے...... اللہ حافظ۔" گھٹے لہجے میں حاذق ایک آخری نگاہ اس پر ڈالتا سامنے سے ہٹ گیا جبکہ رجاب نے بس ایک نگاہ پلٹ کر جاتے ہوئے حاذق کو دیکھا، اس کے دل میں نہ سہی مگر زندگی میں آنے والا وہ پہلا ہی شخص تھا، اس سچ کو وہ جھٹلا نہیں سکتی تھی مگر مضبوط قدموں کے ساتھ راسب کے روم کی سمت بڑھتے ہوئے وہ چونک کر متوجہ ہوئی، مشعر ان کے چہرے نے اس کے دل کے بوجھل پن کو دور کر دیا تھا۔

"حاذق ملا تھا تم سے؟" مشعر ان کے سوال پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہے؟" مشعر ان کے سوال پر وہ کچھ کہہ نہ سکی۔

"کیا وہ تمہاری غیر موجودگی میں راسب بھائی سے ملا ہے؟" مشعر ان کے سوال پر اس کا رنگ فق ہوا۔

"پتہ نہیں، میں نے پوچھا نہیں۔" وہ گھبرا کر بولی اور پھر تیز قدموں سے راسب کے روم کی طرف آ گئی۔ اخبار سے نگاہ ہٹا کر راسب نے بغور ان دونوں کو دیکھا جو ایک ساتھ روم میں داخل ہوئے تھے۔

"مشعر ان بہت اچھا ہوا تم آ گئے، اب میں مزید یہاں رکنا نہیں چاہتا۔"

"اب آپ کے یہاں رکنے کی کوئی وجہ بھی نہیں، میں ڈاکٹر سے اجازت لے آیا ہوں...... ویسے وہ آپ کے گرویدہ ہیں، بہت بڑی مشکل سے آپ کو خود سے جدا کرنے پر راضی ہوئے ہیں۔" مشعر ان کے بتانے پر وہ دھیرے سے ہنسے۔

"معاف رکھو مجھے کسی ڈاکٹر کو اپنا گرویدہ نہیں کرنا......" راسب کے خوشگوار لہجے پر بغور ان کے تاثرات دیکھتی رجاب مطمئن ہوئی، کچھ ہی دیر میں زرق بھی آ پہنچا تھا۔ پھر وہ ان کے ساتھ ہی راسب کو گھر لے آئی تھی۔

❁......❁......❁

کال بیل پر یہ یقین کرنے کے بعد کہ باہر کون موجود ہے اس نے گیٹ کھولنے کے بجائے پھرتی سے بیڈروم میں آ کر زنائشہ کو کال کی۔

"زنائشہ...... شیراز آیا ہے، میں گیٹ کھولنے جا رہی ہوں تم کوشش کرنا کہ اس کی نظر میں نہ آؤ، ابھی جاؤ تو چپ چاپ بیڈروم میں چلی جانا۔" زنائشہ کو ہدایت دے کر وہ گیٹ کھولنے آ گئی، حیرت و بے یقینی کے تاثرات چہرے پر سجائے مسکرائی۔

"شیراز......! تم اتنی اچانک...... اندر آؤ۔" خوشگوار لہجے میں اس نے اندر آنے کا راستہ دیا، شیراز چند لمحوں تک سپاٹ چہرے اور چبھتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا مگر پھر اندر داخل ہو گیا۔ دروازے کو مکمل بند کیے بغیر دراج اس کے پیچھے ہی آ گئی جو اردگرد نگاہ ڈالتا لاؤنج کی سمت آیا تھا۔

"تم کب واپس آئے اور کیسے ہو؟" اس کے سامنے آ کر وہ اسے مخاطب کر گئی تھی۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

Digitized by Google

وفادار مولا

نظیر فاطمہ

''اب اُٹھ بھی جائیں..... اتوار کا کیا یہ مطلب ہے کہ بندہ سارا دن سو کر گزار دے۔ پتا بھی ہے کہ آج آپ کو بکرا لینے جانا ہے..... دن کتنے رہ گئے ہیں عید میں مگر آپ کی سستی ختم ہونے میں نہیں آتی۔'' مائدہ' علی احمد کو دس بجے تک سوتے دیکھ کر بھنا گئی اور اپنے ازلی انداز میں تیز بولنا شروع کر دیا۔ اب اس کی زبان کو بریک تب ہی لگتی جب علی احمد بستر سے نکل آتا۔ علی احمد اپنی نصف بہتر کی اس عادت سے خوب واقف تھا سو اُٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا۔

''چلیں جلدی سے جا کر فریش ہو جائیں' میں ناشتہ لگاتی ہوں۔ بھائی صاحب کا فون آیا تھا وہ گھر سے روانہ ہو گئے ہیں' تھوڑی دیر میں یہاں پہنچ جائیں گے۔ ان کے آنے پر آپ کو تیار ملنا چاہیے۔'' مائدہ نے حسب عادت تفصیلی بات کی۔

علی احمد اُٹھ کر واش روم چلا گیا اور مائدہ کچن میں جا کر ناشتے کی تیاری کرنے لگی۔ مائدہ کے جیٹھ کے ہاں رات کو قربانی کے بکرے آ گئے تھے سو بکروں کو دیکھنے کے شوق میں دونوں بچے ناشتہ کرتے ہی اپنے تایا کے گھر چلے گئے تھے۔ اسی لیے گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ علی احمد ناشتہ کر رہا تھا جب مائدہ کا بھائی عارف وہاں پہنچا۔ مائدہ نے اُس کے سامنے بھی ناشتے کی پلیٹ رکھ دی مگر اُس نے صرف چائے کا کپ اُٹھایا۔

''عارف بھائی..... کتنے پیسے لے کر جائیں منڈی' کچھ اندازہ ہے کہ کتنے تک میں بکرا آ جائے گا؟'' علی احمد نے عارف سے پوچھا۔

''قیمتوں کا اندازہ تو منڈی جا کر ہی ہوگا۔ ہمارے ہمسائے کل دو بکرے لائے ہیں۔ مریل سے ہیں اور قیمت پینتیس سے چالیس کے درمیان ہے۔'' عارف نے بتایا۔

''اچھا..... بھائی صاحب کے ہاں بھی بکرے آ گئے ہیں۔ نہ بہت کمزور ہیں نہ بہت صحت مند' بس درمیانے سے ہیں' بتا رہے تھے کہ پینتالیس ہزار کا ایک ملا ہے۔'' علی احمد کے بتایا۔

''میرا خیال ہے پچاس ہزار تک ساتھ لے چلو۔ میرے پاس بھی اتنے ہی ہیں۔'' عارف نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھا۔

''ایک ہی موٹر سائیکل پر چلتے ہیں۔ اتنا تو رش ہوتا ہے منڈی میں۔ دو دو موٹر سائیکلیں کہاں سنبھالتے پھریں گے۔'' علی احمد نے کہا۔

''ہاں پھر واپسی پر جانور ساتھ ہوں گے تو کسی ایک کو جانوروں کے ساتھ واپس آنا پڑے گا۔'' عارف نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ علی احمد نے چائے ختم کی تو دونوں بکرا منڈی جانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

❁.....❁.....❁

دونوں مویشی منڈی پہنچے تو کافی رش تھا۔ ایک تو اتوار کا دن دوسرے عید میں صرف تین دن باقی تھے۔ اس لیے ہر کسی کی کوشش تھی کہ آج ہی بکرا خرید لیا جائے۔ دونوں منڈی میں گھوم پھر کر بھاؤ معلوم کرنے لگے۔ بکروں کی قیمتیں تو آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ علی احمد کو جو بکرا پسند آیا بیوپاری نے اس کی قیمت ساٹھ ہزار بتائی۔

''کیوں بھائی..... بکرے میں ایک تولہ سونا لگا ہوا ہے جو اتنی قیمت بتا رہے ہو۔'' عارف نے اپنی بذلہ سنج طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر چٹکلہ چھوڑا۔

Digitized by Google

''یہ بھی تو دیکھیں کتنا تگڑا ہے بکرا۔'' بیوپاری نے برا مان کر کہا۔

''چلو یار یہاں بات نہیں بنے گی۔'' علی احمد آگے بڑھ گیا۔ پوری منڈی میں پھر کر وہ تقریباً دس سے بارہ بکروں کی قیمت معلوم کر چکے تھے اور ہر ایک نے پہلے سے زیادہ ہی قیمت بتائی تھی۔

''لگتا ہے آج بغیر بکرے لیے ہی واپس جانا پڑے گا۔'' علی احمد تو جیسے ہمت ہارنے لگا تھا۔

''مل جائے گا یار چل وہ دیکھ کیسے خوب صورت بکرے ہیں۔ چل ان کی قیمت معلوم کرتے ہیں۔'' عارف آگے بڑھ گیا۔

''کتنے کا ہے یہ بکرا۔'' علی احمد نے خوب صورت سے براؤن بکرے کی پشت پر ہاتھ رکھا۔

''باؤ..... ویسے تو ساٹھ ہزار کا ہے آپ کے لیے صرف اٹھونجا (اٹھاون) ہزار کا۔'' بیوپاری نے یوں کہا جیسے اٹھاون سو کہہ رہا ہو۔

''یار کچھ تو اللہ کا خوف کرو اب اتنی بھی زیادتی نہ کرو گاہکوں کے ساتھ۔'' علی احمد بدک ہی گیا۔

''کیا زیادتی باؤ..... شیزن (سیزن) ہے اسی میں تو کمانا ہوتا ہے ہم لوگوں کو لینا ہے تو لو ہم خراب نہ کرو ہمارا۔'' بیوپاری کہہ کر دوسرے گاہک کی طرف متوجہ ہو گیا۔

چلتے ہوئے دونوں منڈی کے خارجی دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں ایک آدمی دو تگڑے بکروں کے ساتھ کھڑا تھا۔ بکرے اتنے خوب صورت اور صاف ستھرے تھے کہ دونوں بے اختیار رک گئے۔

''کیا قیمت ہے ان بکروں کی؟'' عارف نے پوچھا۔

''باؤ جی..... چالیس ہزار روپے ایک کے۔''

''کیا.....! چوری کے ہیں کیا جو اتنے سستے بیچ رہے ہو؟'' علی احمد کے منہ سے یک دم نکلا۔ یہ بکرے ان بکروں سے بھی زیادہ صحت مند تھے جن کی قیمت ساٹھ ہزار روپے بتائی گئی تھی۔ پوری منڈی میں مریل سے مریل بکرے کی قیمت بھی پینتیس ہزار سے کم نہیں تھی۔ سو ایسے میں اتنی قیمت سن کر علی احمد کا ایسا ردعمل فطری تھا۔

''نہیں باؤ..... چوری کے نہیں ہیں۔ میں نے خود پالے ہیں یہ بکرے دس بکرے پالے تھے میں نے۔ دو اپنے گھر کی قربانی کے لیے رکھ لیے اور چھ کل بک گئے۔ یہ آخری دو رہ گئے ہیں جی۔'' بیوپاری نے تفصیل بتائی اردگرد کے دو تین بیوپاری ان ہی کی طرف متوجہ تھے۔

''ارے یہ کرم دین پاگل ہو گیا ہے اتنے سوہنے جانور تھے اس کے پاس اتنے سستے میں بیچ دیے ہیں

Digitized by Google

اس نے۔ آرام سے سٹھ سٹھ ہزار میں بک جانے تھے۔"

"تو اور کیا' اب یہ بھی سستے میں بیچ دے گا اور ہاتھ جھاڑ کے چلا جائے گا۔ دو دن اور رک جاتا تو منہ مانگا نفع مل جاتا اسے۔" دونوں بیوپاری آپس میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔

"کچھ کمی بیشی کرو گے قیمت میں۔" عارف نے بھاؤ تاؤ کا آغاز کیا۔

"باؤ...... چالیس ہزار ایک کا کہا ہے تو بس چالیس ہی لوں گا۔ بھلے آپ ساری منڈی فر (پھر) لو جی' اتنی قیمت میں کوئی نہیں دے گا ایسے بکرے۔" کرم دین بیوپاری نے دوٹوک کہا۔

"چلو دونوں بکرے دے دو اور یہ لو ان کی قیمت۔" عارف اور علی احمد نے اپنی اپنی جیب سے پیسے نکال کر کرم دین کی طرف بڑھائے۔ کرم دین نے پیسے پکڑ کر گنے' تسلی سے انہیں اپنی سلوکے (قمیص کے اندر جیبوں والا چھوٹی سی شرٹ) کی جیب میں رکھا اور بکروں کی رسیاں کھول کر ان کے ہاتھوں میں تھما دیں۔

"بات سنو' تم ان سب کی طرح زیادہ منافع کیوں نہیں کمانا چاہتے؟" علی احمد کو یہ بندہ کچھ غیر معمولی سا لگا تب ہی اصل وجہ پوچھی۔

"باؤ...... میں ناجیز (ناجائز) منافع نہیں کماتا جی' میں ہزار کے دس لیلے (چھوٹے بکرے) خریدے تھے میں نے اپنے گاؤں سے پھر پورا سال ان پر محنت کی اور ان کو کھلایا پلایا اور پالا۔ ایک بکرے کو پورا سال اچھا کھلانے پلانے پر میرا پندرہ ہزار خرچ ہوا۔ اچھی طرح پلے ہوئے اس ایک بکرے میں سے چالیس کلو سے زیادہ گوشت نکل آتا ہے۔ چھوٹے گوشت کی قیمت کے حساب سے ایک بکرے کے گوشت کی جتنی

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں
ماہنامہ
نئے اُفق
ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کرینگے
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے
امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
6000 روپے
میڈل ایسٹ' ایشیائی' افریقہ' یورپ کے لیے
5000 روپے
رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام' ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔ مقامی افراد
ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216
موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242
رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242
نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز
فون نمبر: +922-35620771/2
aanchalpk.com
aanchalnovel.com
Info@aanchal@com.pk

قیمت بنتی ہے اس میں' میں پندرہ ہزار وہ شامل کرتا ہوں جو میں نے خرچ کیے ہوتے ہیں اور دو ہزار اس بکرے کی قیمت تو کل ملا کر یہ رقم تقریباً چالیس ہزار بنتے ہیں جی تو بس میں مناسب منافع لے کر بکرے بیچ دیتا ہوں۔ لالچ نہیں کرتا جی۔'' کرم دین نے سادہ سے انداز میں سارے حساب کتاب کی وضاحت کی اور صافہ جھاڑ کر اپنے کندھے پر رکھا۔

''مگر جب سب ایسا کررہے ہیں تو تم کیوں نہیں؟'' عارف سے یہ بات ہضم نہیں ہورہی تھی۔ ساری دنیا کو اپنی اپنی پڑی تھی اور یہ بندہ جائز' ناجائز کی بات کررہا تھا۔

''باؤ جی..... میری اماں کہتی ہیں' ہمیں اپنے ہر ساہ (سانس) کا حساب اللہ کو دینا ہے' یہ جو ہم جیز (جائز) چیزوں پر ناجیز (ناجائز) منافع لیتے ہیں ناں جی' اللہ کے ہاں اس کا بھی تو حساب ہوگا ناں' بس میں اپنا یہ حساب صاف رکھنا چاہتا ہوں۔'' کرم دین نے دونوں کو لاجواب کردیا تھا۔

''جائز کاموں میں بھی حد سے نہ بڑھنا۔'' کرم دین بیوپاری نے بکروں کے ساتھ ساتھ زندگی گزارنے کا ایک بڑا کارآمد فارمولا بھی ان کے ہاتھ میں تھمادیا اور اس فارمولے کی کوئی قیمت بھی وصول نہیں کی تھی۔ دونوں نے تائیدی انداز میں سر ہلایا اور بکروں کی رسیاں تھامے منڈی سے باہر نکل آئے تھے۔

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ آنچل ماہنامہ حجاب کراچی

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ

(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 850 روپے

امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

8000 روپے

مڈل ایسٹ' ایشیائی' افریقہ' یورپ کے لیے

7000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام' ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر

0316-0128216

موبی کیش اکاؤنٹ نمبر

0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

کمرہ نمبر 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔

فون نمبرز: +922-35620771/2

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Info@aanchal@com.pk

Digitized by Google

دل کا اسیر

سمیعہ عثمان

زندگی کی شاہراہ پر کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک پل کو ایک نیا موڑ مڑتے ہوئے زندگی ٹھہر جاتی ہے کم سے کم امیر جاہ نے ایسا نہیں سوچا تھا اور سوچتا بھی کیسے اس کے لیے تو صرف اپنے وجود سے جڑے رشتے جن کی ضروریات پوری کرنا اس کی اولین ترجیح تھی اہم تھے اور وہ ان کی ضروریات پوری کرنے میں اس قدر مصروف ہوا کہ پھر اسے کسی دوسری طرف نظر اٹھانے کی بھی فرصت نا ملی اور کسی نے اسے احساس بھی نہیں دلایا تھا صرف اس لیے کہ ان کی اپنی ضرورت پوری ہو رہی تھی اور اس طرف نگاہ کرنے کے بعد کہیں وہ پتھر کا نہ ہو جائے یہ ہی سوچ سب کو ہی امیر جاہ کی طرف سے خودغرض کر گئی تھی۔

امیر جاہ ابھی دس برس کا تھا کہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ نے اس کے والد کو مفلوج کر دیا تھا، تب سے ہی گھر کی ذمہ داری کے ساتھ اپنی پڑھائی کا خرچا بھی امیر جاہ پر آ گیا تھا۔ گو کہ وہ پڑھنے میں اچھا تھا۔ ہر کلاس میں پہلا نمبر حاصل کرنے کی لگن اور کوشش نے اسے اساتذہ کی نظروں میں ممتاز کر دیا تھا تب ہی گھریلو حالات دیکھتے ہوئے اس کے تعلیمی اخراجات معاف کر دیئے گئے یوں پرائمری کلاس تک اس نے مفت تعلیم حاصل کی اور شاندار نمبر لے کر تعلیمی ادارے کا بھی نام روشن کیا تھا لیکن اس کے بعد جیسے زندگی کی مشکلیں بڑھتی ہی چلی گئیں اور وہ پامردی سے ان کا مقابلہ کرتا چلا گیا تھا۔ شام میں چھوٹی جماعت کے بچوں کو گھر پر پڑھاتا اور دن میں کچھ وقت محلے کی ایک دکان پر کام کرتا تھا تاکہ اپنی تعلیم کے ساتھ باقی بہن بھائیوں کے بھی تعلیمی اخراجات پورے کر سکے۔ امی محلے کی خواتین کے کپڑے سلائی کر کے کسی حد تک گھر کا خرچ چلانے کی کوشش کرتی تھیں۔ کچھ ابو کو آفس والے ایک طرح سے امداد کے طور پر تھوڑی رقم بھیج ویسے یوں زندگی کی گاڑی اپنی ڈگر پر کسی حد تک گھسٹتی ہوئی چل رہی تھی۔

اس زندگی کی تلخی کو برداشت کرتے امیر جاہ نے ایم بی اے کر لیا تو ابو کے ہی آفس میں اچھے عہدے پر تعینات ہو گیا۔ تنخواہ بھی اچھی تھی سو زندگی کی گاڑی اگر رواں نہیں ہوئی تھی تو سست بھی نہیں رہی تھی یعنی بہتری آنا شروع ہو گئی تھی اور اسی دوران چھوٹی بہن عائلہ کا رشتہ خوشیوں کی نوید بن کر آیا تھا۔

''نیک اور شریف لوگ ہیں، عائلہ خوش رہے گی۔ ہمارا تو خیال ہے ہامی بھر لیتے ہیں۔'' امیر جاہ کو ابھی نوکری پر لگے جمعہ جمعہ چار دن ہی ہوئے تھے۔ اس پر یہ رشتہ گہری سوچ میں مبتلا کر گیا ابو بیٹی کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ اس لیے اس کی رائے جاننے کے بجائے اپنا خیال ظاہر کر دیا تھا۔

''اچھے رشتے بار بار نہیں آتے اور پھر پکی بیری کو جتنی جلدی اتار لو بہتر ہے ورنہ کیڑے کھا جاتے ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ عائلہ کو اس کے خوابوں کے کیڑے کھالیں۔'' امی نے ذو معنی بات کی اور وہ خاموشی میں اس بات کا مطلب تلاش کرنے لگا لیکن امی اسے گہرائی میں جانے دینا نہیں چاہتی تھیں، اس لیے فوراً بولیں۔

''تم اپنی تسلی کر لو۔ پھر ہی، ہم بوڑھے کچھ کہیں گے۔''

''ارے نیک بخت، میں کسی کام جگا ہوتا تو ابھی اس کی شادی کر دیتا۔ تو دل چھوٹا مت کر۔ ہمارا بیٹا ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔'' امی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ابو فوراً بولے اور اب وہ کیا کہتا اثبات میں سر ہلاتا۔

''آپ لوگوں کی جیسے مرضی۔'' کہتا اٹھ گیا تھا۔

گھر میں خوشیوں کی شہنائیاں بجنے لگیں اور وہ بہن کے جہیز کے لیے مقروض ہوتا چلا گیا۔ اس بات سے بے خبر کہ قرضوں سے خوشیاں نہیں خریدی جاتیں بوجھ اٹھائے جاتے ہیں، سو امیر جاہ نے قرض کے بوجھ تلے دب کر بہن کو رخصت کیا یہ سوچ کر کہ اس کے بعد زندگی تھوڑی آسان ہو جائے گی مگر نہیں ابھی تو اسے ایک اور دریا کا سامنا تھا اور اس کے

Digitized by Google

بعد نجانے کتنے ہی دریا تھے گنتی جو ایک سے شروع ہوئی تو اس کے بعد بھول گئی۔

❁......❁......❁

چھوٹے بھائی وہاج نے بیرون ملک جا کر پڑھائی کے ساتھ نوکری کرنے کی ضد کی تو پہلے اس نے سمجھایا پھر خاموشی اختیار کرلی کیونکہ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی سے وہ بہت اچھی طرح واقف تھا لیکن وہاج نے امی ابو کو خواب دکھا کر ہتھیار بنا کر آگے کردیا تھا۔

"کیا ہوجائے گا اگر جو وہ باہر چلا جائے گا۔" ابو نے رات کے کھانے کے دوران اس سے کہا تو اس نے قدرے چونک کر انہیں دیکھا یعنی بات ان کے علم میں بھی آ گئی تھی۔ ابھی تک تو ان دونوں بھائیوں کے درمیان ہی یہ بات تھی۔

"پڑھائی کے ساتھ پیسے کمائے گا اور پھر وہاں کے پیسوں کی بات ہی کیا ہے سنا ہے یہاں دگنے ہوجاتے ہیں۔ یہ تو فائدہ ہوا ناں ہمارے لیے۔" ابو نے اسے سمجھانے کی کوشش کی اور وہ جانتا تو سب کچھ تھا یہ بات بھی کہ وہاج نے بوڑھے ماں باپ کو سنہرے خواب دکھائے ہیں اور اس کے جھانسے میں ہی آ کر وہ پھر اس کے سامنے اس کی تعبیر کے حوالے سے سوال کررہے تھے۔

"اتنی آرام سے سب کچھ نہیں ہوجاتا اور پھر پرائے ملک میں سب پرائے ہی ہوں گے۔ یہاں تو اس سے نوکری کی نہیں جاتی یہیں رہ کر کچھ کام کرے ورنہ وہاں تو زیادہ تر ذلت ہی ملتی ہے۔" وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اپنی سوچ کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر کہہ گیا۔ ابو بے سوچ انداز میں سر ہلانے لگے جب کہ وہاج پہلو بدل کر غصہ سے بولا۔

"آپ تو چاہتے ہی نہیں ہیں کہ میں ترقی کروں، جب ہی میرے باہر جانے کی مخالفت کررہے ہیں جب کہ میں آپ کی طرح چند ہزار نہیں کما سکتا۔ مجھے بہت کچھ کرنا ہے اپنے لیے، آپ لوگوں کے لیے اور اپنی آنے والی نسل کے لیے۔"

"ہاں تو کس نے روکا ہے۔" امی فوراً وہاج کو ٹھنڈا کرنے کے لیے بولیں۔ "بڑا بھائی ہے۔ انتظام کرنے میں کچھ وقت لگتا ہے جب ہی ایسی باتیں کررہا ہے تم سمجھو تو۔"

"میں سب سمجھتا ہوں، بچہ نہیں ہوں میں جو آپ کی باتوں سے بہل جاؤں گا۔" اس کا غصہ مزید آگ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

"نہیں چاہیے مجھے کسی سے کوئی مدد سب خود کرلوں گا میں اور پھر مر کر بھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔" وہ تن فن کرتا کمرے سے نکل گیا، جب کہ امی ابو کی نظریں اس پر آ کر ٹھہر گئیں اور وہ کیا کہتا سر جھکا گیا تھا۔

"چھوٹا بھائی ہے۔ میں تو معذوری کی بنا پر کچھ کر نہیں سکتا، ورنہ کوئی کیونکر تم سے کوئی سوال کرتا، اب ایک طرح سے تم میری جگہ ہی آ گئے ہو تو اس کی خواہش پوری کردو۔ میں مرنے سے پہلے اس کو پیروں پر کھڑا ہوتا دیکھ لوں۔" ابو کی آواز بھرائی اور یہیں آ کر وہ ہمیشہ کی طرح کمزور پڑ گیا جب کہ اس حقیقت سے وہ آشنا تھا کہ وہ باہر جا کر واپس آنا تو دور کی بات کسی کی خبر بھی نہیں لیتا اگر جو وہ دوسروں کے

Digitized by Google

احساسات سمجھتا تو اسی ملک میں رہتے ہوئے کچھ کرتا اور ہر ماہ اپنی تنخواہ لاکر ماں باپ کے ہاتھ پر رکھتا' لیکن جب وہ سوچ چکا تھا کہ اسے یہاں رہنا ہی نہیں ہے تو پھر امیر جاہ کیونکر باپ سے ضد باندھتا' اس لیے اس بار بھی صرف جی کہہ کر اٹھ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

ابو اور امی کی خوشی ناقابل بیان تھی۔ ہر ایک کے سامنے وہاج کے باہر جانے کی باتیں کرتے اور ساتھ ہی دل بدل جانے پر اللہ کا شکر ادا کرنا نہیں بھولتے تھے۔ ان کی دکھ بھری زندگی تو اب خوشیوں میں بدلنے والی تھی اور اس میں وہاج کا ہی کا ہاتھ تھا جو انہیں سنہرے خواب دکھا کر اب بے فکری سے اپنے جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کے لیے صرف اپنی خواہشات اور اپنی ذات اہم تھی۔ کام نکلتے ہی بوڑھے ماں باپ کی اسے ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ جب کہ امی ابو ابھی سے اس کے لیے ابھی سے فکر مند تھے۔ اس کا سامان بندھوانے کے ساتھ ساتھ ہدایات بھی دیتے رہے تھے۔

"کھانا وقت پر کھانا' فون کرتے رہنا' وقت پر سونا اور ہماری فکر مت کرنا' تم بس اپنا خیال رکھنا۔" امی ابو کی روز روز کی نصیحتوں سے تنگ آ کر آخر ایک روز وہ بول اٹھا۔

"مجھے سب پتا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ بچہ نہیں ہوں میں روز ایک ہی بات لے کر بیٹھ جاتے ہیں دونوں۔ ابھی میں گیا نہیں اور یہ شروع ہو گئے۔" وہ غصے سے کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جب کہ امی ابو ایک دوسرے کو دیکھ کر نظریں چرا گئے۔ اس کی باتوں سے ان کے دل پر کیا گزری تھی وہاج کو قطعاً پروا نہیں تھی' غالباً وہ خود غرضی کی مٹی سے بنا تھا' اس لیے صرف اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے خواب دیکھتا اور ان کی تعبیر جلد از جلد چاہتا تھا' لیکن اس کے کام میں اتنی ہی دیر ہو رہی تھی' جس پر وہ سب کو قصوروار ٹھہراتا ہوا دل میں کبھی واپس نہ آنے کا عہد بھی باندھ چکا تھا۔

"تم سے ایک ذرا سا کام نہیں ہو رہا۔" امی ابو کی نظر میں کام میں دیر امیر جاہ کی طرف سے ہو رہی تھی' جب ہی اس کے گھر آتے ہی وہ اس پر برس پڑے اور وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔ اسے کام کی نوعیت جاننے میں مشکل پیش آ رہی تھی جب ہی ناسمجھی کے عالم میں کھڑا امی ابو کے چہروں سے معاملہ اخذ کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

"کتنے دن ہو گئے ہیں اور تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو۔ ابھی تک تم سے بھائی کو باہر بھیجنے کا انتظام نہیں ہو سکا' کوئی آسمان سے چاند تارے توڑنے کی بات تو اس نے نہیں کی اور نہ ہی یہ کوئی انوکھی خواہش۔" اس کی طبیعت میں والدین سے تکرار اور انہیں آگے سے جواب دینا نہیں تھا مگر اس کی عام سی بات بھی اس وقت تکرار کا باعث بن گئی۔

"کوشش کر رہا ہوں ابو....."

"کیا کوشش کر رہے ہو؟" سپاٹ لہجے میں اس سے پوچھا تھا اس نے مدد طلب نظروں سے امی کی طرف دیکھا مگر وہ بھی پیشانی پر ناگواری کی سلوٹیں لیے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ وہ سر جھکا گیا۔

"ایک دو دوستوں سے بات کی ہے جیسے ہی انتظام ہوتا ہے میں....."

"تم اور تمہارے دوست جہنم میں جاؤ۔ مجھے اسی ہفتے اچھی خبر چاہیے۔" ابو کے لہجے میں اس کے لیے ناگواری کے ساتھ غصہ بھی شامل تھا۔

وہ سر جھکائے خاموش کھڑا رہا' یہ بھی نہ کہہ سکا کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے قرض لے کر چھوٹی بہن کی شادی کی تھی اتنی جلدی کوئی کیونکر مجھے قرض دے گا۔ یہ وہ باتیں تھیں جنہیں وہ صرف سوچ سکتا تھا' امی اور ابو سے کہنے کی اس میں ہمت نہیں تھی اور پھر کیسے کہتا؟ گھر کے حالات بھی تو اس کے سامنے تھے۔ دس سال کی عمر سے وہ ابو کو بستر پر لیٹے مایوسی سے آہیں بھرتے اور امی کو رات کے سناٹے میں بے آواز روتے دیکھتے آیا تھا تو اب کیسے اتنا سخت دل ہو جاتا کہ اپنی بے بسی اور مجبوری بتا کر انہیں اپنی طرف سے بھی مایوس کر دیتا' جب کہ وہاج کی بے حسی تو وہ خود بھی دیکھ اور محسوس کر رہا تھا۔

"ورنہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔" ابو اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہتے رہے اور وہ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ امی نے

Digitized By Google

بھی اس کے لیے کچھ نہیں کہا اور نہ ہی کھانے کا پوچھ کر اسے اپنی محبت کا ذرا سا احساس دلایا جیسا وہ کبھی کبھار کرتی تھیں۔ کسی کو اس کے احساسات کی ذرا پروا نہیں تھی۔

وہ کمرے میں آ کر کتنی ہی دیر تک اس حوالے سے سوچتا رہا' دوسروں کے آگے اسے اب ہاتھ پھیلاتے شرم محسوس ہو رہی تھی' سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ بات کیسے امی ابو کو سمجھائے جب کہ ان کے ساتھ وہاج کی امید اور خواہش بھی اس کے ساتھ جڑی تھی۔ جو تھوڑی بہت جمع پونجی تھی وہ بھی عائلہ کی شادی پر لگ گئی تھی۔ ابھی تو اس کی شادی کا قرض اتارنا تھا دوسرے وہاج کی ضد ان ہی الجھنوں میں اسے بھوک کا شدت سے احساس ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ کمرے سے نکل کر کچن کا رخ کرتا' امی ٹرے میں اس کے لیے کھانا لیے چلی آئیں۔

"تمہیں بھوک لگی ہوگی' سوچا تمہیں آج اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاؤں۔" امی کی بات پر اسے بے ساختہ ان پر بے انتہا پیار آیا تھا' اس نے آگے بڑھ کر انہیں خود سے لگا لیا۔

"امی..... میری پیاری امی۔" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی وہ اندر تک سرشار ہو گیا۔ اپنوں کا ذرا سا پیار اور توجہ پوری زندگی کی تھکن اتار دیتا ہے اور اس وقت اس کے ساتھ بھی یہ ہی ہوا' چند لمحوں پہلے کی الجھن اور ابو کی تلخ باتیں بھول کر وہ امی کے ہاتھ سے مزے لے کر نوالے کھانے لگا تھا۔ امی اصل موضوع کی طرف آنے سے پہلے اسے بچپن کی وہ باتیں بتانے لگیں جو اچھے دنوں کی یادیں بن گئی تھیں' جب ابو کماتے تھے۔ اس کے بعد تو سب کچھ بدل گیا تھا' جسے وہ یاد کرنا نہیں چاہتی تھیں اور نہ ہی امیر جاہ ایسا چاہتا تھا اسی لیے وہ ان کی باتوں سے کسی معصوم بچے کی طرح بہل گیا تھا۔

"بچے جب چھوٹے ہوتے ہیں تو ماں باپ ان کا خیال کرتے ہیں اور جب وہ بڑے ہو جائیں تو ماں باپ کا سہارا بنتے ہیں۔" امی نے تمہید باندھی تو وہ انہیں خاموشی سے دیکھنے لگا۔

"ہم تمہارے بھلے کے لیے ہی وہاج کو باہر بھیجنے کی بات کر رہے ہیں۔ اس کی آمدنی آئے گی تو گھر کے اخراجات بٹ جائیں گے اور تمہارا بوجھ بھی کم ہو جائے گا۔ میں جانتی ہوں کہ تم نے عائلہ کی شادی کے لیے قرض لیا ہے اور وہ ابھی تک پورا نہیں اترا' لیکن اتر جائے گا۔" وہ اپنی بات کے اختتام پر مسکرائیں۔

چاہتا تو وہ بھی یہ ہی تھا کہ اس کا بوجھ کچھ کم ہو جائے اور وہ بھی اپنی زندگی کی خوشیاں حاصل کر سکے پر ہر بار اسے بڑے ہونے کا احساس دلا کر اس کی ذمہ داری بڑھا دی جاتی تھی۔ پہلے بہن بھائی کے تعلیمی اخراجات تھے۔ اس کے بعد عائلہ کی شادی اور پھر اب وہاج کو باہر بھیجنے کی ذمہ داری۔ امی ابو اس کے کندھوں پر ڈال رہے تھے۔

"یہ وقت بھی گزر جائے گا اور اچھا وقت بھی آئے گا بس تم وہاج کو ملک سے باہر بھیج دو۔ پھر دیکھنا ہمارے دن بھی کیسے پھر جائیں گے۔"

"میں کوشش کر رہا ہوں امی' جلد ہی کوئی اچھی خبر ملے گی۔" اس نے امی کا دل رکھنے کے لیے نہیں بلکہ اپنی منفی سوچ کو مثبت رخ دے کر اپنے بوجھ کو کسی حد تک کم کرنے کی خاطر کہا۔ امی کے لیے اس کے لہجے کی سچائی ہی بہت تھی جب ہی مطمئن ہوتی اسے دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی تھیں۔

اسے بہت زیادہ دن نہیں لگے' وہاج کو کینیڈا بھیجنے میں لیکن اب کی بار وہ عائلہ کی شادی سے زیادہ مقروض ہو گیا تھا' جب کہ امی ابو خوش ہونے کے ساتھ وہاج کی خیریت کی اطلاع کے بھی منتظر تھے۔ فون بیل سے لے کر ہر آہٹ پر یوں چونکتے جیسے وہاج کی طرف سے کوئی ڈاک یا خیریت کی اطلاع ہو پھر مایوس ہو کر دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو تسلی دینے بیٹھ جاتے۔

"خیریت سے پہنچ گیا ہوگا اور پھر ابھی گئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ پہلے اپنا انتظام کرے گا پھر ہی کوئی خبر دے گا۔" دن بھر دونوں ایک دوسرے کو ایسے کتنے ہی جملے کہتے اور شام میں جب وہ گھر آتا تو اس کی شامت آ جاتی تھی یہ جانے بغیر کہ وہ کس طرح قرض خواہوں کی سو سو باتیں سن کر آ رہا ہے۔ وہ ہر ایک کو تسلی بخش جواب دیتا' پیسے جلد

Digitized by Google

لوٹانے کی بات کرتا مگر اب خود مایوس ہو رہا تھا اور اس بات کا امی ابو کو قطعاً اندازہ نہیں تھا۔ ان کی نظر میں تو اس نے ہی کوئی گڑبڑ کی تھی جو ابھی تک وہاج کی کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔

"تم نے بھیجا ہے اسے اور نجانے کہاں بھیج دیا ہے جو اب تک اس نے کوئی خبر نہیں دی۔ اس نے تو ہزار بار کہا تھا کہ پہنچتے ہی فون کرے گا اور آج دس دن ہو گئے ہیں اس کو گئے ہوئے' فون اور نہ ہی کوئی خط اس کی طرف سے آیا جس سے ہم مطمئن ہوں پتا نہیں کس حال میں ہوگا وہ۔" امیر جاہ تو خود اس کی طرف سے پریشان تھا۔ جیسا بھی تھا وہ اس کا سگا بھائی تھا اور پھر ایک چھت تلے رہتے دونوں نے کتنا وقت لڑتے' کھیلتے' ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے' دنیا جہاں کی باتیں کرتے گزارا تھا۔ اب اگر جو وہ کہیں نہیں تھا تو کمی تو اسے بھی محسوس ہو رہی تھی۔ بچپن کی شرارتوں کے ساتھ بے وجہ کے جھگڑے بھی اسے یاد آ رہے تھے۔

"اب بولتے کیوں نہیں' کہاں بھیجا ہے اسے؟" ابو اس کی خاموشی سے خائف ہو کر جھنجھلا کر اس سے جواب طلب کر رہے تھے۔

"کینیڈا۔ جہاں وہ جانا چاہتا تھا اور پھر پردیس ہے' جہاں زندگی بہت مصروف ہوتی ہے انسان کو کھانے کا بھی ہوش نہیں رہتا' ایسے میں اسے کچھ وقت تو لگے گا اس ماحول کا عادی ہونے میں شاید اس کے بعد ہی وہ کوئی رابطہ کرے گا۔" اس نے اپنی طرف سے انہیں وضاحت دیتے مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی اور پہلی بار ابو اس کی بات سے مطمئن نہیں تو خاموش ضرور ہو گئے تھے۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے کچھ دن اور انتظار کر لیتے ہیں' اللہ نے چاہا تو خیریت کی اطلاع آ جائے گی۔" امی نے اس کی بات کی تائید کی تو ابو اثبات میں سر ہلا گئے۔

دن یونہی گزرتے گئے ایک دوسرے سے سوال کرتے اور پھر تسلی دیتے مگر سب خود کو کسی طرح مطمئن نہیں کر پا رہے تھے۔ وہاج کی طرف سے مکمل خاموشی پر امی ابو خود کو بے بس محسوس کرتے اور اس بات پر پچھتاتے کہ اس کی بات کیونکر مانی تھی۔ اب تو ان کی راتیں بھی جاگ کر اور روتے ہوئے گزرنے لگیں۔ ہر آنسو میں دعا کے ساتھ اس کی خیریت کی آس اللہ کے سپرد کر دیتے تھے اور صبح دونوں ایک دوسرے سے نظریں چراتے تھے۔ امیر جاہ یہ منظر دیکھتا تو خود کو مورد الزام ٹھہراتا اور انہیں تسلی دیتے میں بھی خود کو کمزور محسوس کرتا تھا۔ گھر میں تینوں نفوس نے خاموشی کی چادر تان رکھی تھی کہ ایک روز اچانک وہاج کا فون آ گیا' گھر میں ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ امی ابو کی آوازیں باہر گلی میں آنے جانے والوں کو بھی بآسانی سنائی دے رہی تھیں۔

"خیریت سے ہو۔ سب ٹھیک تو ہے ناں' کوئی پریشانی تو نہیں۔ کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتاؤ؟" ابو بے صبری سے کتنے ہی سوال کر گئے تھے اور امی چھوٹے لاڈلے بیٹے کی آواز سننے کی خواہش آنکھوں میں لیے بے تابی سے ابو کو دیکھ رہی تھیں۔ جن کے چہرے کی خوشی مایوسی میں بدلنے لگی تھی۔ کتنے ہی سوال امی کی آنکھوں میں اتر آئے اور وہ کمرے کے دروازے پر کھڑا ان دونوں کے بدلتے تاثرات سے ساری بات سمجھ گیا لیکن اپنے دل کی نفی کی خاطر ان دونوں پر نظریں جمائے کھڑا رہا۔

ابو نے خاموشی سے فون امی کو تھما کر اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا اور امی نے بھی اس سے صرف خیریت پوچھی' اس سے زیادہ وہ بات نہیں کر سکیں' فون بند ہو گیا تھا اور وہ خاموشی سے کمرے میں آ گئی تھا۔ وہاج کی بے حسی کا اندازہ تو اسے شروع دن سے تھا لیکن وہ اتنی جلدی بدل جائے گا اور اپنا آپ امی ابو پر باہر جاتے ہی عیاں کر دے گا اس کے گمان میں نہیں تھا اس نے تو سمجھا تھا کہ وہاں کی آب و ہوا میں شامل ہونے اور اسے قبول کرنے میں اسے تھوڑا وقت ضرور لگے گا مگر وہ تو جاتے ہی بدل گیا تھا اور اس قدر کہ بوڑھے ماں باپ کا احساس تو ایک طرف جس بھائی کا احسان لے کر وہ گیا تھا اسے بھی فراموش کر گیا تھا۔ دکھ اس قدر تھا کہ نہ وہ رو سکتا تھا اور نہ ہی کسی سے کچھ کہہ سکتا تھا۔ امی ابو نے جو کہا تھا کہ دونوں بھائی کی آمدنی سے گھر خوشحالی کی طرف گامزن ہوگا' وہ گھر اب بیٹے کی دوری اور اس کی بے حسی پر مزید پریشانی سے سکڑ گیا تھا۔

کچھ وقت یوں ہی خاموشی سے آگے گزر گیا۔ امی ابو کی اب پہلے جیسی صحت نہیں رہی تھی اور امیر جاہ بھی مصروفیت کے باعث انہیں وقت کم ہی دے پارہا تھا۔ عائلہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ دبئی چلی گئی تھی اور کبھی کبھی امی سے فون پر بات کرلیا کرتی تھی جبکہ اب گھر میں ہر طرف خاموشی ہی رہتی تھی۔ ان ہی دنوں امیر جاہ کی ترقی ہوگئی ساتھ ہی اس کا نئی جگہ پر تبادلہ بھی کردیا گیا۔ چند دن میں ہی اسے وہاں حاضری دینی تھی۔ اس خبر کے ساتھ چند پل کے لیے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ابو نے دعائیں دینے کے ساتھ اسے گلے سے لگایا تھا۔ امی نے اس کی لائی ہوئی مٹھائی سے اس کا منہ پہلے میٹھا کیا اس کے بعد ابو کا اور پھر اپنے منہ میں برفی کا ٹکڑا رکھا۔ اسے زندگی کے یہ لمحے انمول لگے دل میں خواہش ابھری کہ وقت یہیں ٹھہر جائے اور وہ امی ابو کے درمیان بیٹھ کر عمر تمام کردے مگر ایسا کہاں ممکن تھا ابھی تو زندگی کے اور بھی امتحان باقی تھے۔

رات آہستہ آہستہ اپنا سفر طے کررہی تھی اور وہ آج خوشی کے مارے جاگ رہا تھا اسے تھکن کی بھی پروا نہیں تھی۔ دوستوں سے لیے قرض اب وہ آسانی ادا کرسکتا تھا اور ساتھ ہی اپنے لیے بھی تھوڑا بہت جمع کرسکتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اب امی ابو اس کی خوشیوں کے لیے بھی سوچیں۔ ایک پیار کرنے والی بیوی اور ننھے بچوں کی خواہش اس کے دل میں جنم لینے لگی۔ اس کی فیملی مکمل ہوجاتی تو امی اور ابو کی تنہائی بھی دور ہوجاتی۔ وہ رات کے اس پہر بھی امی ابو کے حوالے سے سوچ رہا تھا کہ اچانک اسے شدید پیاس محسوس ہوئی وہ کمرے سے نکل کر کچن کی طرف بڑھ رہا تھا اچانک امی ابو کے کمرے سے آتی آوازوں پر ٹھٹھک کر رک گیا۔ اسے حیرت بھی ہوئی کہ اس وقت تک دونوں جاگ رہے تھے ورنہ عموماً تو وہ رات گہری ہونے سے پہلے ہی سوجایا کرتے تھے وہ کمرے کے باہر ٹھہر کر ان کی باتیں غیر ارادی طور پر سننے لگا۔ امی ابو اپنے سنہرے ماضی کو یاد کرتے آبدیدہ ہوتے تو کبھی ان کے ہنسنے کی آواز پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ در آتی۔

''کتنا عجیب وقت ہم دیکھ رہے ہیں' اولاد جوان ہوگئی' روزگار کے سلسلے میں ایک بیٹا ملک سے باہر چلا گیا اور ہم سے بالکل ہی لاتعلق ہوگیا اور دوسرا جو آنکھوں کے سامنے ہے وہ بھی اب دور جانے کی بات کررہا ہے۔'' ابو کی آواز میں دکھ اور تاسف دونوں تھے وہ جواب کمرے میں واپس جانے کے لیے مڑ رہا تھا' ان کے آخری الفاظ پر اپنی جگہ پر ٹھہر گیا۔

''ہر انسان شاید اولاد کو اپنے مفاد کے لیے پروان چڑھاتا ہے کہ بڑھاپے میں اولاد سہارا بنے گی لیکن میں تو اپنی جوانی سے ہی محتاج ہوکر تم لوگوں پر بوجھ بن گیا تھا۔'' وہ غالباً اب رو رہے تھے اور امیر جاہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ان کے آنسو صاف کردیتا اور ان سے تسلی کے چند الفاظ ہی کہہ دیتا۔

''اور کب تک کوئی مجھے سہارا دے گا جب میرے بچوں کو میری ضرورت تھی میں نے اس وقت کیا کیا۔''

''ایسا کیوں سوچ رہے ہیں' جو بھی تھا قسمت میں لکھا تھا۔''

''اور جواب ہو رہا ہے وہ بھی قسمت میں پہلے سے درج تھا' یہ سوچ کر ہم خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کریں یا پھر بچوں کی منت کریں کہ وہ ہمارے بوڑھے وجود کو سہارا دیں کچھ وقت کے لیے ہی سہی اور پھر ہماری عمر بھی تو ہوگئی ہے دنیا سے جانے کی اس کے بعد تو وہ آزادی کی زندگی گزار ہی لیں گے۔'' آواز کی لرزش شاید ان کے بوڑھے جھریوں والے چہرے سے زیادہ تھی۔

''کم سے کم ہمیں قبر میں اتار لینے کے لیے ہی یہاں موجود ہوں۔''

''بس کردیں ابو.....'' اس کا دل چاہا کہ آگے بڑھ کر یہ الفاظ ہی کہہ دے مگر قدم زمین نے جیسے جکڑ لیے تھے۔ اس کی اپنی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔ بچپن سے وہ ان کا ہر کام ان کے بغیر کہے کرتا آیا تھا' لیکن آج بھی انہیں وہ اولاد عزیز تھی جو ان کی نگاہوں سے دور تھی۔ خاموشی میں صرف سسکیوں کی آواز گونجنے لگی پھر وہ بھی دم توڑ گئی تو وہ بوجھل قدموں اور دل کی ساتھ کمرے میں آگیا تھا۔ پیاس تو نہیں بجھی لیکن اب

پانی سے زیادہ اپنوں کی محبت کی پیاس اسے بے چین کر گئی تھی۔

وہ اکثر وہاج کے حوالے سے سوچتا تھا اور اس کی بے حسی پر کڑھتا تھا کہ جانے کیسا شخص ہے جو وہاں جا کر پچھلے سب رشتے بھول گیا غالباً وہ اس ماحول سے اکتا گیا تھا اس جس زدہ ماحول سے جہاں صرف غربت بھرے دن تھے جنہیں وہ یہاں رہ کر بدل نہیں سکتا اور بدلنا بھی صرف اپنے لیے چاہتا تھا جب ہی تو یہاں سے جانے کے بعد اس نے صرف ایک بار ہی فون کیا تھا وہ بھی صرف اپنی خیریت بتانے کے لیے نہیں بلکہ یہ جاننے کے لیے کہ اس کے یہاں سے جانے کے بعد پیچھے کیا حالات ہوئے۔ ان حالات کو بدلنے میں وہ اپنا حصہ ڈالنا بالکل بھول گیا تھا۔ امیر جاہ اس کی اس بے حسی پر افسوس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

❁.....❁.....❁

"آج تم آفس جلدی جاؤ۔" وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو کر کمرے سے نکلا تو امی نے ناشتہ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے ایک نظر دیکھ کر کہا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل خوف سے گھرا۔ رات اکرامی اور ابو کی باتیں نہ سنی ہوتیں تو غالباً یہ عالم نہ ہوتا۔

"خیریت..... ابو کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" پہلا خیال ابو کا آیا جبکہ نظریں امی کے چہرے پر تھیں۔

"نہیں۔" وہ اتنا ہی کہہ سکیں اور امیر جاہ مزید کوئی سوال کیے بغیر ابو کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ابو کروٹ لیے سو رہے تھے۔ وہ ان کے قریب آ کر بغور انہیں دیکھنے لگا۔ بوڑھا وجود اب بھی اس کے ہی رحم و کرم پر تھا بچپن سے لے کر اب تک وہ انہیں اسی مسہری پر لیٹا دیکھتا آیا تھا۔ اس وقت کے دیکھنے میں حسرت اور امید تھی کہ کبھی میرا باپ بھی ٹھیک ہو کر میری ضرورتیں پوری کرے گا لیکن وقت کے ساتھ جہاں سمجھ آئی وہاں باپ کی طرف سے مایوسی اور نا امیدی نے جگہ لے لی تھی۔

"ابھی زندہ ہوں۔" وہ ابو کا بازو تھامے بخار کا اندازہ کر رہا تھا جب انہوں نے ذرا سی آنکھیں کھول کر تلخ لہجے میں کہا۔

"اللہ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔" آہستہ آواز میں کہتا وہ پنجوں کے بل ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"بخار تیز ہے پہلے کچھ کھالیں پھر ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔"

"مجھے کہیں نہیں جانا۔ تم اپنا سامان باندھو۔" یہ کہہ کر انہوں نے سختی سے لب بھینچ لیے جیسے مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔ وہ جانتا تھا کہ ابو کس اذیت سے گزر رہے ہیں اس لیے خاموشی سے کمرے سے نکلنے لگا تو انہوں نے پکار لیا۔

"امیر..... ہم پر ترس مت کھانا۔ ہمارے لیے ہمارا رب موجود ہے اور پھر وہاج بھی آ ہی جائے گا۔" وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ اپنی باتیں تو وہ ویسے بھی دل میں ہی رکھنے کا عادی تھا۔ کبھی انہیں تحریر کرنے کی کوشش ہی نہیں کی کیونکہ اس کی نظر میں الفاظ جہاں کاغذ پر آ جائیں وہاں پر اپنے نہیں رہتے اور ابھی وہ ان سے رشتہ نبھائے رکھنا چاہتا تھا۔ اپنے الفاظ دوسروں کی زبان پر نہیں لانا چاہتا تھا۔ دل پر تحریر کرتا رہتا اور اس طرح اپنا بوجھ مزید بڑھا لیتا تھا۔ دوستوں سے اپنے مسائل پر بہت کم ہی بات کرتا تھا۔

اسی کشمکش میں کتنے ہی دن گزر گئے اس نے اپنا ٹرانسفر رکوا دیا لیکن یہ بات ابھی گھر میں کسی کو نہیں بتائی تھی۔ ابو اور امی نے بھی اس حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ بادلوں نے آسمان پر مستقل بسیرا کر لیا تھا۔ گہرے کالے بادلوں کے باعث گرمی کا زور بھی ٹوٹ گیا تھا اور گھر کے ماحول میں بارش اس روز زور سے برسی جب کینیڈا سے فون پر وہاج کے ایکسیڈنٹ کے ساتھ انتقال کی خبر آئی۔ اس کا جسم بری طرح مسخ ہوا تھا۔ جسد خاکی وطن واپس بھیجنے کے بجائے وہیں تدفین کر دی گئی۔ اطلاع اس کے دوست نے دی تھی۔ اس خبر نے امی ابو کے حواسوں پر بھی بجلی گرا دی تھی۔ وہ ہراہٹ پر چونکتے نظریں مسلسل دروازے پر رہتیں اس کو کینیڈا جا کر پتا کرنے کا کہتے تو ساتھ یہ خوف بھی انگڑائی لیتا کہ اگر یہ بھی وہاں کی رنگینیوں میں کھو گیا تو پھر کیا ہوگا۔

ابو اب اسے خاموشی سے آفس جاتے دیکھتے اور شدت

Digitized by Google

سے اس کی واپسی کے منتظر رہتے تھے۔ دل میں اب بھی کہیں ڈر تھا کہ اگر یہ بھی چلا گیا تو...... اس سے آگے وہ سر جھکائے گھنٹوں سوچ میں رہتے مگر کوئی سرا ہاتھ نہ آتا۔ بالآخر اپنی الجھن سلجھانے کے لیے انہوں نے امیر جاہ کو طلب کرلیا۔ شاید روز روز کی کشمکش انہیں سکون لینے نہیں دے رہی تھی۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ امیر جاہ کب انہیں اور اس گھر کو چھوڑ کر جانے والا ہے۔ امیر جاہ ابھی آفس سے لوٹا تھا جب ہی ابو کی آواز اسے برآمدے ہی میں رکنے پر مجبور کر گئی۔ وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے ان کے کمرے کے دروازے کے باہر کھڑا ہوگیا۔

”حقوق العباد میں والدین کے حقوق کے ساتھ اولاد کے بھی حقوق ہیں ہم حق ادا کرنے سے دامن بچاتے ہیں اور بڑھاپے میں آ کر اپنے حقوق مانگنے لگتے ہیں۔ غلطی تو ہماری ہی ہے ناں یا صرف میری جو میں بستر پر محتاج ہوکر پڑا رہا تو صرف اپنی تکلیف دیکھی۔ تمہاری ذات کے متعلق کبھی سوچا ہی نہیں بچوں سے بات نہ کی اور آج ترستا ہوں کہ کوئی آئے اور دو گھڑی مجھ سے بات کرے۔ میرا حال پوچھے اپنا حال سنائے کوئی تو ہو جو اس بوڑھے وجود کی تنہائی بانٹے میں اب تھک گیا ہوں۔“ وہ کہہ کر رونے لگے تو امیر جاہ خاموشی سے کمرے میں داخل ہوگیا۔ انہوں نے اسے دیکھتے ہی ہتھیلی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

”تمہیں کب جانا ہے؟“ کچھ دیر پہلے والی آزردگی پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔ غالباً وہ امیر پر اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ بات وہ سمجھ گیا تھا اس لیے انہیں کچھ بھی جتائے بغیر بولا۔

”کہاں......؟“ وہ سمجھ کر انجان ہوا جس پر ابو جھنجلا گئے۔

”تمہارا تبادلہ جو ہوا ہے۔“

”منع کردیا میں نے نہیں جاؤں گا۔“

”کیوں؟“ غصہ سے ابو کی آواز بلند ہوگئی۔ ”تمہیں لگتا ہے کہ تمہارے پیچھے ہم مر جائیں گے تو اس یقین کے ساتھ جاؤ کہ کچھ نہیں ہوگا ہمیں جب تک اللہ نے زندگی دی ہے پوری کریں گے وہاج کے بغیر بھی تو زندہ ہیں۔“

”آپ کے لیے صرف وہاج ہی سب کچھ تھا۔“

”ہاں۔“ وہ غصہ سے کہہ گئے جب کہ دل لرز اتھا۔

”اور میرے لیے آپ سب کچھ ہیں۔“ وہ ان کے قریب زمین پر بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

”بے شک اللہ نے جو وقت سب کے لیے مقرر کیا ہے اس میں سب کو جانا ہے اور وہ وقت کسی کے جانے سے نہ بڑھتا ہے نہ ہی کم ہوتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے جانے سے جو اذیت آپ کو ہوگی اس سے کہیں زیادہ مجھے ہوگی کیونکہ میں آپ کے بغیر نہ ہی رہ سکتا اور نہ ہی رہنے کا تصور کرسکتا ہوں۔“ وہ آج پہلی بار ابو سے اتنی طویل بات کررہا تھا جس میں صرف اپنی محبت ان پر آشکار کررہا تھا۔ ابو کے ساتھ امی بھی حیران ہوکر اسے دیکھ رہی تھیں۔

”مجھے انگلی پکڑ کر آپ نے چلنا سکھایا تھا ابو مجھے گود میں اٹھا کر آپ ٹہلتے تھے اپنی تندرستی تک کہ میری خواہشوں کو بھی آپ نے پورا کیا مجھے آپ کی اور امی کی ضرورت ہے۔ باقی دنیا کی کسی چیز کی نہیں۔“ اپنی اولاد کو وہ کتنی دیر میں سمجھے تھے اور اب خوشی کے احساسات سے دونوں سے کچھ بولا ہی نہیں جارہا تھا۔

”میں آپ کا امیر ہوں ابو۔“

”نہیں......“ ابو فوراً بول اٹھے۔ ”تم دل کے امیر ہو اور جو دل کے امیر ہوتے ہیں وہ کبھی تنہا نہیں ہوتے۔“ ابو نے یہ کہہ کر بازو پھیلا کر اسے سینہ سے لگالیا تھا۔

Digitized by Google

وصل تنہائی

عنبر فاطمہ

رات کے آٹھ بجے تھے میں حسب معمول اپنی کتابوں کی ورق گردانی میں گم تھی کہ دروازے پر ہونے والی دستک نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ دروازہ کھولا تو سامنے شرفو کھڑا تھا جس نے مجھے بھائی جان کے کمرے میں طلبی کا پروانہ تھمایا تھا۔

کالج سے واپسی پر مجھے گھر میں جس غیر معمولی خاموشی کا اندازہ ہوا تھا اب شاید اس کا ڈراپ سین ہونے کو وقت تھا مگر معاملہ کیا ہوسکتا ہے یقیناً بھابی کا ہی کوئی مسئلہ ہوگا۔ خیر دیکھتے ہیں میں نے اپنا دوپٹہ درست کیا اور اسی سوچ و بچار میں گم بھائی جان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"السلام علیکم بھائی جان..... آپ نے بلایا۔"

"وعلیکم السلام آؤ گل رعنا اندر آؤ۔"

"بھائی خیریت تو ہے ناں؟" میں نے ایک نظر اپنے عزیز و محترم بھائی پر ڈالی اور استفہامیہ نظروں سے صوفے کے پیچھے کھڑی بھابی کی طرف دیکھا جو بے چینی سے پہلو بدل رہی تھیں۔

"ہاں گلے بات ہی کچھ ایسی ہے۔" نام تو میرا گل رعنا تھا جو کہ بھائی جان نے ہی رکھا تھا مگر گلے مجھے میری پیاری بھتیجی فاریہ کہتی تھی۔ "تمہیں پتہ ہے فاریہ نے عظیم کے رشتے سے انکار کردیا ہے۔"

"کیا.....! کیا کہہ رہے ہیں بھائی آپ؟ عظیم تو بہت اچھا لڑکا ہے۔ وہ اسے اچھے طرح سے جانتی ہے۔ دونوں کی منگنی طے ہے پھر کیا وجہ ہوگئی آخر..... کیوں منع کررہی ہے اب وہ؟"

"یہی تو سمجھ نہیں آرہا بس ایک ہی ضد لگا رکھی ہے مجھے شادی نہیں کرنی اگر آپ نے زور زبردستی کی تو گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ جاب کرلوں گی۔ اپنا گزارہ خود کرسکتی ہوں مگر واپس نہیں آؤں گی۔ تم ہی بتاؤ یہ کیسا بچپنا ہے گل رعنا۔ میں عمر کے اس حصے میں آ گیا ہوں کہ اب تو زندگی ادھار ہی ہے بلڈ پریشر کا مریض ہوں مگر اسے بالکل پرواہ نہیں۔ تم اس کی پھوپو ہی نہیں اچھی دوست بھی ہو تم سے تو دل کی ہر بات کرلیا کرتی ہے ناں۔ اسے سمجھاؤ پلیز کہ اپنے باپ کو اتنا مت ستائے اسے کہو کینیڈا میں کوئی اور پسند آ گیا ہے تو وہ بتادے۔"

"ارے یہ سب اسی کی تو محبت کا نتیجہ ہے، اسی لیے تو میں چاہتی تھی کہ ہر وقت مت پھرے فاریہ اس کے ساتھ مگر میری سنتا ہی کون تھا اب پچھتائیں۔"

"آپ چپ کریں گی بیگم میں بات کررہا ہوں ناں۔" بھابی بولیں تھیں تو کیا خوب بولیں۔

"میں اب اس کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں جیسے اماں تمہارے ہاتھ پیلے کرنے کی خواہش دل میں لیے چل بسیں میں ایسے مرنا نہیں چاہتا گلے تم اسے سمجھاؤ ناں۔" بھائی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اماں کے ذکر پر میرا دل بھی ڈوب سا گیا تھا۔

"دیکھو گل رعنا تمہاری شتر بے مہار زندگی دیکھ کر جو رنگ ڈھنگ وہ اپنانا چاہتی ہے سراسر غلط ہے تم ہی اسے مستقبل کی تنہائی کے خوف سے ڈرا کر سمجھا سکتی ہو۔ اگر تم آج گھر بار والی ہوتیں تو اپنے شوہر کے ساتھ خوشحال زندگی گزار رہی ہوتیں ایسے بھائی کے در پر نہ پڑی ہوتیں۔"

بھابی چپ کہاں رہ سکتی تھیں زہر میں بجھے نشتر سے دل کو کچوکے لگا سکتی تھیں سو برابر لگا رہی تھیں مگر بھائی جان کی حالت دیکھ کر میں نے چپ سادھ لی اور فاریہ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

مجھ میں اور فاریہ میں عمر کا کافی فرق تھا مگر وہ میری دوستوں کی طرح تھی، پھولے پھولے گالوں والی فاریہ مجھے بے حد عزیز تھی۔ جب وہ ماتھے پر آئی اپنی لٹیں ہٹاتی مجھے گلے گلے پکارتی تو اور بھی پیاری لگتی۔ اپنی ننھیال سے زیادہ اس کی دادی اور پھوپو سے ہی بنتی تھی میری تو جان ہی اس

Digitized by Google

میں اٹکی رہتی تھی۔ میں اس کے ساتھ کھیلتی تھی' پڑھاتی تھی' پارک سیر کروانے لے جاتی تھی اور گلے ہی کی وجہ سے وہ باقی بچوں پر خوب رعب جمایا کرتی تھی اگرچہ وہ خود بھی پڑھ رہی تھی مگر فاریہ کے لیے ہر صورت وقت نکال لیا کرتی تھی' بھابی کو شروع ہی سے فاریہ کا میرے ساتھ رہنا اور گھومنا پھرنا پسند نہیں تھا۔ گھر میں آئے روز گل رعنا کے رشتے کے سلسلے میں مہمان آئے ہوتے اور گلے اور فاریہ خوب مزہ کرتے۔ اماں اچھے اچھے پکوان پکایا کرتیں' خوب صفائیاں کرواتیں' گھر میں نئے نئے لوگ آتے جن کے جانے کے بعد فاریہ اور گلے خوب تبصرے کرتیں اور دل کھول کر ہنستیں۔ اماں منع کرتی رہ جاتیں مگر فاریہ موقع ملتے ہی مہمانوں کے پاس بیٹھ جاتی اور ان کے کان کھا جاتی میری گلے کو یہ پسند ہے میری گلے کو وہ پسند ہے' ایک دن تو یہاں تک کہہ دیا کہ آنٹی اگر آپ گلے کو لے کر گئیں تو مجھے بھی ساتھ لے جانا پڑے گا کیونکہ میں تو گلے کے بغیر کہیں رہتی ہی نہیں ہوں۔

لوگ آتے کھاتے پیتے اور چلے جاتے رہیں۔ اماں کی پریشانی بڑھتی جارہی تھی جانے کیا بات تھی گل رعنا اچھی خوش شکل تھی' پڑھی لکھی تھی' اکلوتی' بہن تھی مگر کوئی رشتہ بن ہی نہ پارہا تھا۔ بھابی اسے دیکھ کر نخوت سے ناک بھوں چڑھاتیں مگر اماں کی ممتا کی چھاؤں تلے گل رعنا کو ان سب چیزوں کی پرواہ ہی کہاں تھی۔

زندگی یوں ہی رواں دواں تھی مگر جلد ہی ان خوشیوں کو گہن لگ گیا۔ ایک رات ایسی کٹھن آئی کہ گل رعنا کا سارا بچپنا خس وخاشاک کی طرح بہا لے گیا۔ اماں کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ پہلے ہی اٹیک میں جانبر نہ ہوسکیں اور اس رات گلے واقعی بڑی ہوگئی۔ اماں کے جاتے ہی گلے سب کے لیے گل رعنا بن گئی۔ سنجیدہ خاموش اور کھوئی کھوئی سی گل رعنا۔ اسے تو لگتا تھا کہ اسے دنیا میں فاریہ سے عزیز کوئی ہے ہی نہیں مگر ماں کی محبت اور ممتا کی چھاؤں کی کمی اسے بری طرح کھل رہی تھی' گل رعنا تو بڑی ہوگئی تھی مگر فاریہ تو ابھی تک وہی معصوم بچی تھی وہ آج بھی اسے گلے ہی کہتی تھی بھابی کے طنز اور تلخ رویوں کے آگے فاریہ اگرچہ ڈھال بن جاتی تھی مگر اب گل رعنا کو احساس ہوا تھا کہ اماں اس کی شادی کے لیے اس قدر پریشان کیوں رہتی تھیں۔ وہ اس کی تنہائی کے خوف سے اسے جلد از جلد بیاہنا چاہتی تھیں' دنیا کے خوفناک چہروں سے اسے چھپانا چاہتی تھیں مگر ہونی تو ہو کر رہتی ہے اماں کی لاکھ چاہت اور کوششوں کے باوجود اس کے نصیب میں شاید یہی لکھا تھا اور اب وہ اسی زندگی پر قانع تھی۔

پڑھائی مکمل ہوتے ہی اس نے بھائی جان کی اجازت سے مقامی کالج میں لیکچرشپ کے لیے درخواست دے دی کہ غالباً وہ گھر کے گھٹن زدہ ماحول سے فرار چاہتی تھی قسمت نے یاوری کی اور اسے اپائنٹ کرلیا گیا۔ اب لگی بندھی روٹین تھی' زندگی پھیکی اور بے رونق ہو کر رہ گئی تھی' وہ صبح سویرے اٹھ کر فجر کی نماز پڑھتی' گھر کی صفائی کرتی'

دوپہر کے لیے سالن چڑھاتی پھر ساتھ ساتھ ناشتہ تیار کرتی۔ فاریہ کو ناشتہ دیتی اسکول بھیجتی' اپنی تیاری کرتی اور کالج چلی جاتی۔ وہاں شوخ و چنچل لڑکیوں کے ساتھ مغز ماری کرتی۔ تھکی ہاری گھر آتی۔ نماز پڑھ کر کھانا کھاتی شام میں فاریہ کو پڑھا دیتی۔ بس گھر کے کام اور پھر زندگی ختم۔

اماں کی وفات کے بعد شروع شروع میں بھائی بھابی کے توسط سے بھی کچھ لوگ کبھی کبھار اسے دیکھنے آتے رہے تھے مگر اس کے ارمانوں پر ناپسندیدگی کی اوس ڈال کر اسے برف کی طرح منجمد کر جاتے تھے۔

دن مہینے اور مہینے سالوں میں بدلنے لگے۔ زندگی اسی انداز میں رواں دواں تھی پھر کچھ تبدیلی اس وقت آئی جب فاریہ نے اس کے ساتھ کالج جانا شروع کیا۔ اب وہ دونوں پھر سے ساتھ تھیں۔ گل رعنا خود گاڑی ڈرائیو کرتی اور راستے بھر فاریہ اسے دنیا جہان کے قصے سناتی۔ وہ والی ٹیچر ایسی ہیں ایسے کپڑے پہنتی ہیں آپ کے کالج کی ٹیچر کو تو فیشن کا ذرا سینس نہیں انگلش کی ٹیچر کو تو دیکھیں بھلا اتنا کالا رنگ ہے ان کا مگر جب دیکھو سرخ رنگ کی لپ اسٹک لگا لیں گی۔

"گلے اپنے آپ کو دیکھیں ذرا۔ اتنے پھیکے اور سادہ سے گول گلے والے کپڑے ارے کچھ تو اسٹائل ہو بندے میں۔ پتہ نہیں میرے ہی نصیب میں ایسے لوگ کیوں لکھے ہیں۔ ایک آپ ہیں اور ایک وہ میری دوست نیلوفر ہے۔ وہ بھی ایسی ہی ہے دکھی آتما کہیں کی۔ آپ کے لیے تو میں نے سوچ لیا ہے کہ ایسا کرتے ہیں کہ میں جب مما کے ساتھ شاپنگ کے لیے جاؤں گی تو چار پانچ اچھے سے سوٹ بھی لے آؤں گی۔ اب میری بھی تو کوئی عزت ہے ناں کالج میں۔" وہ سارے راستے بے تکان بولتی اور گل رعنا بے ساختہ مسکرا دیتی۔

"ہاں ہاں جناب جو حکم آپ کا مگر آپ یہ زحمت مت کیجیے گا میں خود ہی اپنے لیے نئے کپڑے لے آؤں گی۔" لباس و انداز بدلنے کے ساتھ وہ خود میں بھی تازگی محسوس کرنے لگی ہلکی سی لپ اسٹک لگا لیتی کبھی بالوں کو کھلا چھوڑ دیتی یا پھر چوٹی بنا لیتی وہ پھر دل سے ہنسنے لگی تھی۔ فاریہ کی شوخی و شرارت اسے بھی گدگدانے لگی تھی اور وہ زندگی میں پھر سے دلچسپی لینے لگی تھی مگر یہ خوشیاں بھی جیسے عارضی ثابت ہوئیں اور فاریہ اسے چھوڑ کر چلی گئی اپنے ماموں کے پاس باہر پڑھنے کے لیے۔ اب فاریہ کی نئی زندگی تھی نئی دوستی تھی اور نئے تقاضے سو گلے سے وہ بہت کم بات کرنے لگی۔ فون پر رسمی حال و احوال پوچھا اور اللہ حافظ اور پورے چار سال بعد اب وہ واپس آئی تھی۔ تو تب بھی گل رعنا سے اس کی تفصیلی ملاقات نہ ہو پائی تھی مگر آج گل رعنا فاریہ سے بات کرنے کا پکا ارادہ کر کے آئی تھی اس نے فاریہ کے کمرے کا رخ کیا ہی تھا کہ لاؤنج میں بھائی کو روتے ہوئے پایا گل رعنا کو دیکھتے ہی وہ دیوانہ وار اس کی طرف بڑھیں۔

"گل رعنا..... گل رعنا مجھے معاف کر دو پلیز۔ میں جانتی ہوں کہ میں نے اماں کو اور تمہیں بہت تکلیفیں دی ہیں' بہت دکھ دیے ہیں' تمہاری شادی نہ ہونے میں تمہارا تو کوئی قصور نہیں تھا مگر میں تمہیں برا بھلا کہتی رہی' بدسلوکی کرتی رہی' اماں کو تو میری معافی کی بھی ضرورت نہیں رہی مگر تم مجھے معاف کر دو پلیز۔"

"بھابی پلیز مت روئیے۔ چپ ہو جائیے۔"

"نہیں گل رعنا آج کہنے دو مجھے۔ اگر آج نہیں کہا تو شاید کبھی نہ کہہ سکوں تمہارے رشتے کے لیے تو میرے اپنے خاندان کے کئی لوگوں نے کہا تھا مگر میں کم ظرف تھی کبھی اماں سے تو کیا تمہارے بھائی تک سے نہ کہا۔ میرا اپنا بھائی تمہارا ہاتھ تھامنے کا خواہاں تھا مگر میں اسے ٹالتی رہی اور وہ مایوس ہو کر باہر سیٹل ہو گیا جب سے شادی ہو کر آئی اس گھر میں تمہاری حیثیت سے جانے کیوں خائف سی رہتی تھی اور اسی لیے تمہارے لیے میرا رویہ ہمیشہ خراب ہی رہا۔" وہ سسکیاں لے رہی تھیں گل رعنا سے دیکھا نہ گیا۔

"بھابی آپ چپ ہو جائیں مت روئیں پلیز' میری خرابی قسمت میں آپ کا کیا قصور' رشتے تو آسمانوں پر بنتے

ہیں' میری قسمت میں یہی لکھا تھا سو مل گیا۔ میں جانتی ہوں کہ امی کی وفات کے بعد آپ نے اور بھائی نے پورے خلوص سے میری شادی کے لیے کوشش کی تھی مگر یہ تو قسمت کا لکھا ہے آپ یا کوئی اور اس کا کیسے ٹال سکتا تھا۔ آپ یہ بتایئے کہ فاریہ کہاں ہے؟"

"وہ تو صبح سے اپنے کمرے میں بند ہے' میرے لاکھ پیار کے باوجود کھانا تک نہیں کھایا مگر تم مجھے معاف....."

"بھابی میں نے کہا ناں میرے دل میں آپ کے لیے کدورت ہو سکتی ہے مگر بغض اور کینہ نہیں اور آپ فاریہ کی طرف سے بالکل پریشان نہ ہوں میں اس سے بات کروں گی منالوں گی اسے بھی۔" آج حقیقتاً گل رعنا کو اپنی ماں اور بھابی میں کوئی فرق نظر نہیں آیا تھا۔ کل اس کی مرحومہ ماں بھی بیٹی کے مستقبل کے لیے ایسے ہی فکر مند تھی جیسے آج بھابی۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی مجھے جو فاریہ نظر آئی وہ اس فاریہ سے مختلف تھی جسے میں جانتی تھی۔ میری فاریہ خوش مزاج اور زندگی سے بھرپور تھی' جب کہ میرے سامنے کھڑی یہ لڑکی سنجیدہ اور بردبار نظر آرہی تھی' مجھے اس کی آنکھیں متورم محسوس ہوئیں یا تو وہ بہت راتوں سے جاگتی رہی تھی یا پھر روتی رہی تھی' وہ ہمیشہ ہی سے بہت خوب صورت تھی مگر اب اس کی دلکش مسکراہٹ شاید پرانے دیس میں کھو چکی تھی' ہم دونوں کے درمیان کئی سالوں کی دوری نے اجنبیت کی دیوار کھڑی کر دی تھی میں چاہ کر بھی فاریہ سے اس بے تکلفی سے بات نہ کر پا رہی تھی جو ہمارے رشتے کا خاصہ تھی مگر بات تو مجھے کرنا ہی تھی سو تمہید باندھنا پڑی۔

"کیسی ہو فاریہ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"کینیڈا میں تمہارا وقت کیسا گزرا؟"

"وقت گزرنے کے لیے ہوتا ہے اور گزر ہی جاتا ہے۔"

"تمہارے ماموں اور سب کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں وہ بھی۔"

"فاریہ..... عظیم بہت اچھا لڑکا ہے۔"

"جانتی ہوں۔"

"تم دونوں کی تو منگنی بھی طے ہے۔"

"یہ بھی معلوم ہے۔"

"میرا بھائی بہت پریشان ہے فاریہ۔"

"جانتی ہوں۔"

"تمہاری ماں تمہیں ہمیشہ بہت خوش دیکھنا چاہتی ہے۔"

"جانتی ہوں۔"

مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے میں پتھر سے سر پھوڑ رہی ہوں ہر قسم کے جذبات سے عاری وہ مجھے پتھر کی مورت ہی لگ رہی تھی میری فاریہ تو کہیں بھی نہیں تھی۔ آخر میں نے اسے دونوں شانوں سے پکڑ کر قریب کیا اور محبت سے بولی۔

"فاریہ ادھر دیکھو میری طرف' دیکھو تو تمہاری گلے تمہارے لیے کتنا پریشان ہے۔" اور پتھر کی مورت چیخ پڑی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ کسی کے لیے پریشان نہیں ہو سکتیں کیونکہ آپ سفاک ظالم اور بے رحم ہیں۔ نفرت کرتی ہوں میں آپ سے سنا آپ نے۔ چلی جائیں یہاں سے کچھ نہیں لگتیں آپ میری۔" یہ انتہا تھی اور میں پھٹ پڑی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے' کیا ہو گیا ہے تمہیں فاریہ' کیوں ہم سب کی خوشیوں کو پامال کرنا چاہتی ہو کیا تماشا لگایا ہوا ہے تم نے؟"

"تماشا تو آپ نے لگایا تھا گل رعنا۔ نیلوفر کی معصوم محبت کا انمول سچے جذبوں کا کام جنہیں آپ نے بے مول کر دیا' رسوا کر دیا آپ نے اسے آخر کیا بگاڑا تھا نیلوفر نے آپ کا' اپنے جذبات کی تسکین کے لیے آپ نے اسے سولی چڑھا دیا اور صرف آپ کی وجہ سے وہ آج دوبارہ تختہ دار پر ہے اور اسے سولی چڑھتا دیکھ کر میں خوشیوں کی سیج

Digitized by Google

سجاؤں...... ناممکن ہے یہ۔" اس کے انکشافات سن کر مجھے اپنے اردگرد کی دنیا گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ جس راز کو میں بڑی حفاظت سے اپنے سینے میں دفنائے بیٹھی تھی وہ یوں زباں زد عام ہوگا۔ مجھے خبر نہ تھی۔

مجھے اپنے اردگرد زلزلہ سا محسوس ہوا تھا یا شاید میں شوریدہ زمین پر کھڑی تھی، میں تو اسے اپنی زندگی کی تنہائی سے ڈرا کر سمجھانے آئی تھی مگر اب گنگ کھڑی تھی۔

❁......◉......❁

وہ دسمبر کی ایک خوب صورت شام تھی جب فاریہ زبردستی گل رعنا کو اپنے ساتھ شاپنگ کے لیے کھینچ لائی تھی۔ جدید ترین طرز آرائش سے مزین یہ شاپنگ مال تو اچھی خاصی تفریح گاہ تھا فاریہ کے دونوں ہاتھ شاپنگ بیگز سے بھرے تھے مگر اس کی خریداری ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"گلے میرے تو ہاتھ بھی دکھ گئے۔ آپ مجھے گاڑی کی چابی دیں میں یہ سب شاپرز گاڑی میں رکھ کر آتی ہوں پھر ہم آرام سے جیولری سیکشن کی طرف چلیں گے بلکہ ایسا کرتے ہیں کہ آپ وہیں چلی جائیں میں بس یہ سب رکھ کر آتی ہوں۔" جیولری سیکشن بھی خاصا وسیع و عریض تھا وہ سامنے کی طرف کھڑی ہوگئی جہاں جیولری کاؤنٹر اس کے عقب میں تھا وہ فاریہ کا انتظار کرنے لگی جو ابھی تک نہیں پلٹی تھی کہ اچانک دکان دار نے اسے آواز دی۔

"میڈم ہمیں آپ کے پرس کی تلاشی لینی ہے۔" اس نے حیرانگی سے دیکھا۔

"آخر کیوں؟"

"میرے قیمتی سیٹ کی انگوٹھی یہاں کاؤنٹر سے غائب ہے آپ کب سے کھڑی ادھر ادھر دیکھ رہی ہیں یہ یقیناً آپ ہی کا کام ہے۔" دکان دار کی آواز خاصی بلند ہونے کی وجہ سے اردگرد بھیڑ جمع ہوگئی تھی لوگ اسے دیکھ کر چہ مگوئیاں کررہے تھے، شدت سے خواہش جاگی کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے اب وہ باقاعدہ ہجوم کو متوجہ کرکے شور کررہا تھا۔

"ہمارے شکل دیکھو ان کی بھلی صورت مہذب خاندان کی لگتی ہیں مگر کرتوت تو دیکھو ذرا جہاں موقع ملا کام دکھادیا' ارے بی بی یہاں نہیں گلنے والی تمہاری دال جو کھڑی آنسو بہا رہی ہو شرافت اسی میں ہے کہ میری انگوٹھی مجھے واپس کردو۔ وگرنہ پولیس کو بلوا لوں گا غضب خدا کا دن دیہاڑے چرا رہی تھیں محترمہ۔"

"نہیں...... نہیں بھائی آپ میرا پرس دیکھ لیں میں نے کچھ نہیں اٹھایا یہاں سے بلکہ میں تو اس طرف آئی ہی نہیں۔" وہ باریک سی آواز میں گویا منمنائی تھی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا' سو دکان دار مستقل بدتمیزی کررہا تھا اور وہ کھڑی فاریہ کو کوس رہی تھی کہ وہ اسے یہاں آنے کا مشورہ دے کر خود جانے کہاں غائب ہوگئی تھی۔

"ایک منٹ رکیے بھائی صاحب" ہجوم میں سے ایک آدمی نکل کر دکان دار سے مخاطب ہوا تھا۔

"آپ ایک خاتون سے مستقل بدتمیزی کیے جارہے ہیں' آپ بھی بہن اور بیٹیوں والے ہوں گے ذرا تو لحاظ کیجیے۔ محض شور کرکے شریف خاتون پر الزام لگانا کہاں کی شرافت ہے۔" شکل و صورت سے خاصی مہذب آدمی لگ رہا تھا اس بار گل رعنا نے اسے سر اٹھا کر دیکھا جو دکان دار کو آڑے ہاتھوں لے رہا تھا۔

"آپ تو یوں ان کی طرف داری کررہے ہیں جیسے انہیں جانتے ہیں' ہیں کون آخر آپ؟" دکان دار خاصی بدتمیزی سے بولا تھا مگر وہ اجنبی بنا طیش میں آئے نسبتاً دھیمے انداز میں بولا تھا۔

"جی بالکل میں انہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں بلکہ یہ تو میری کیا آپ سب کی بھی محسنہ ہیں۔ یہ دیکھیے میرا کارڈ میں بینک مینیجر ہوں اور یہ شریف خاتون جن پر آپ مستقل کیچڑ اچھالے رہے ہیں یہ کالج میں لیکچرار ہیں اور آپ کی بہنیں اور بیٹیاں بھی یقیناً ان سے ہی علم سے فیض یاب ہو رہی ہوں گی۔" ہر شخص حیرانی سے گل رعنا اور اس اجنبی کو دیکھ رہا تھا اور حیران تو وہ خود بھی تھی آخر یہ شخص اسے کیسے جانتا ہے۔ ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود اسے یاد

Digitized by Google

نہیں آ رہا تھا۔

"اور جہاں تک انگوٹھی کا تعلق ہے تو میں آپ کو بتاتا ہوں آپ ابھی کاؤنٹر کے دوسری طرف عورتوں کو سیٹ دکھا رہے تھے جلد بازی میں ایک سیٹ آپ نے پیچھے کاؤنٹر پر رکھ دیا تھا میں بھی اسی کاؤنٹر کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں آپ نے یہ سیٹ رکھا تھا اور کچھ قدم دور میڈم کھڑی تھیں آپ جو دوبارہ مڑے تو اسی اثناء میں ایک عورت گود میں بچہ لیے وہاں سے گزری تھی جو کاؤنٹر پر ہاتھ مار رہا تھا یقیناً اسی سب میں انگوٹھی نیچے گر گئی ہوگی یہ تو اس طرف کھڑی ضرور تھیں مگر کاؤنٹر کی طرف بالکل نہیں آئی تھیں۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ پہلے اپنے کاؤنٹر کے نیچے انگوٹھی تلاش کریں اور ان کے پرس کی ضمانت میں آپ کو دیتا ہوں کہ اس میں آپ کی مطلوبہ انگوٹھی موجود نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ معقول آدمی لگتے ہیں سو آپ کی بات مان لیتا ہوں لیکن اگر کاؤنٹر کے نیچے سے انگوٹھی نہیں ملی تو ان کے پرس کی تلاشی آپ ہمیں دیں گے۔"

"ہاں ہاں ضرور۔" سو دکان دار نے ملازم کو اشارہ کیا جواب نیچے جھک کر انگوٹھی تلاشنے لگا۔ گل رعنا تو تمام مناظر کو فراموش کرتی صرف اس محسن کو تک رہی تھی۔

"صاحب جی یہ رہی انگوٹھی۔" انگوٹھی واقعی کاؤنٹر کے نیچے ہی موجود تھی اب دکان دار شرمندہ اور معذرت خواہ تھا۔ بھیڑ بھی چھٹنے لگی تھی گل رعنا اب تک سحر زدہ سی کھڑی تھی ہاتھ پیر برف ہو رہے تھے دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ جب وہ محسن اس کے قریب آیا۔

"مجھے سکندر کہتے ہیں۔" بالکل صحیح کہتے ہیں اس نے دل میں کہا تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ اسے فتح کر چکا تھا۔

"میڈم زندگی تو نشیب و فراز کا نام ہے یہ سفر تو انہی مشکلات سے مزین ہے مگر مشکل حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے نا کہ حق پر ہونے کے باوجود خود کو کمزور گردان کر مقابل کے سامنے ہار مان لی جائے۔ آپ ایسے کیسے اپنا پرس ان کے ہاتھوں میں تھمانے والی تھیں کیا معلوم کہ کچھ فراڈ ہوتا اور وہ آپ کے پرس میں آسانی سے کچھ بھی سامان ڈال کر آپ کو نقصان پہنچا دیتے۔" واقعی ایسا تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"ایسی بزدلی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ بحیثیت استاد آپ تو رول ماڈل ہیں کیا آپ نئی نسل کو بزدلی کی تعلیم دیں گی۔ میری باتوں کا اگر آپ کو برا لگا ہو تو میں معذرت چاہتا ہوں مگر میں نے وہی سب کہا جو مجھے ٹھیک لگا۔"

"نہیں بالکل بھی نہیں بہت بہت شکریہ آپ کا۔" گل رعنا غائب دماغی سے محض اتنا ہی بول پائی تھی۔

"کوئی بات نہیں آئندہ اپنا خیال رکھیے گا میں چلتا ہوں دوست انتظار کر رہے ہوں گے۔" گل رعنا کی نظریں دور تک اس کا پیچھا کرتی رہیں اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو اسے احساس ہوا کہ وہ سکندر کی مفتوح ہو چکی ہے۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی مال سے باہر نکلنے لگی کہ اسے فاریہ نظر آئی۔

"کیا ہوا گلے آپ یہاں مال سے باہر کیوں آ گئیں میں تو بس آپ کے پاس ہی آ رہی تھی وہ تو مما کی فرینڈ ہیں ناں سارہ آنٹی وہ مل گئیں اب آپ کو تو پتہ ہی ناں ان کا۔ ان کے سوال جواب ختم ہی نہیں ہو رہے تھے کس کے ساتھ آئی ہو۔ کیا کیا خریدا گلے کہاں ہیں۔ تمہیں اکیلے کیسے چھوڑ دیا۔ سو بڑی مشکل سے جان چھڑا کر آئی ہوں کیا ہوا گلے آپ کچھ بولتی کیوں نہیں؟ اچھا نانا بابا سوری تھوڑی دیر ہو گئی۔ مما کی ڈانٹ میں کھالوں گی بس او کے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں چہرہ بھی بالکل سپید ہو رہا ہے۔"

"فاریہ چابی دو گھر چلتے ہیں۔" گلے بس اتنا ہی بول پائی تھی۔

❁.....❁.....❁

خوابوں کی دنیا بھی کسی حسین ہوتی ہے ناں۔ وہ بھی ان دنوں خوابوں کی خوش کن وادیوں میں آزاد پنچھیوں کی طرح اڑتی پھر رہی تھی خواہشیں اسے اڑان دے رہی تھیں اور ہر چیز سے بے پروا اپنی سوچوں میں آزاد تھی۔

Digitized by Google

میں خواہشوں کے بھنور میں ڈوبنا نہیں چاہتا
بس تیرے نام سے وابستہ اپنا نام چاہتا ہوں

بنا یہ جانے کہ خواہشوں کا یہ بھنورا اسے ایک نئے موڑ پر کھڑا کرنے والا ہے۔ کالج میں امتحانات شروع ہو چکے تھے سو فاریہ اور گل رعنا دونوں ہی کی مصروفیت میں اضافہ ہو چکا تھا گل رعنا اپنی نئی مصروفیات پر بہت خوش تھی اور فاریہ آج کل اپنی دوست کی وجہ سے پریشان تھی۔

نیلوفر حیات خان اس کی عزیز ترین دوست تھی اس دوستی میں زیادہ تر ہاتھ فاریہ ہی کا تھا کہنے کو تو نیلوفر چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی مگر والدہ کی وفات کے بعد سے ہی وہ ہمیشہ عدم تحفظ کا شکار رہی تھی۔ وہ ان دنوں میٹرک میں تھی' بھائی بڑے اور شادی شدہ تھے ان کی اپنی زندگی تھی۔ والد صاحب کا اپنا کاروبار تھا بھابیاں صرف بھابیاں ہی رہ سکیں' دوست نہ بن سکیں۔ سب کاموں کے لیے تو اس کی خدمات حاصل کرنا سب کا حق تھا مگر اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں اور خواہشوں کو سمجھنے والا کوئی نہیں تھا۔ میٹرک کے بعد اسے بڑی مشکل سے آگے پڑھنے کی اجازت مل پائی تھی کالج میں اسے خوش قسمتی سے فاریہ جیسی اچھی دوست مل گئی تھی جس سے وہ دل کی ہر بات کرلیا کرتی تھی۔ فاریہ کبھی کبھی نیلوفر کے لیے بھی گلے سے پاکٹ منی لیا کرتی اور گلے بھی فاریہ کی زبانی اس کے گھر کے تمام حالات سے واقف تھی اور بحیثیت استاد بھی اس کا سامنا نیلوفر سے ہوتا رہتا تھا۔

فاریہ شوخ و چنچل اور کھلنڈری تھی مگر نیلوفر اس کے برعکس نہایت سادہ مزاج مگر بے حد خوب صورت اور معصوم تھی سو گل رعنا بھی اس کے لیے فکرمند رہتی تھی۔ پچھلے پندرہ دن سے نیلوفر کو گھر پہنچانے کی ذمہ داری گل رعنا نے سنبھالی ہوئی تھی۔ نیلوفر کے بھائی کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی تھی اور اس کے پاس اپنی چھوٹی بہن کو کالج سے لے کر آنے کا بالکل بھی وقت میسر نہیں تھا۔ جب کہ اسے اکیلے بس یا رکشہ میں گھر آنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ سو ایسے میں فاریہ نے گلے کا حوالہ دے کر نیلوفر کے والد کو اسے گھر ڈراپ کردینے پر آمادہ کرلیا تھا۔ بصورت دیگر نیلوفر کا امتحان دینا مشکل میں ہوجاتا۔ سو نیلوفر اس کی اور گلے کی بہت مشکور تھی گلے کو اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔ وہ پہلے بھی کبھی کبھی اسے گھر تک چھوڑ آیا کرتی تھی اور فاریہ کی خوشی تو اسے سب سے زیادہ عزیز تھی راستہ تھوڑا طویل ہوجاتا مگر فاریہ کا ساتھ اسے خوشی دیتا تھا۔

آج آخری پرچہ تھا۔ فاریہ تو بے حد خوش تھی اس نے چھٹیوں کے لیے بہت کچھ پلان کر رکھا تھا وہ نیلوفر اور فاریہ کو لے کر سڑک کے دوسری جانب کھڑی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی کہ فاریہ کی بے ساختہ چیخ نے اسے پیچھے مڑنے پر مجبور کردیا۔ نیلوفر عین گاڑی کے آگے بے ہوش پڑی تھی اگر چہ ڈرائیور اسے بے ہوش ہوتا دیکھ کر پہلے ہی بریک لگا چکا تھا مگر پھر بھی منظر ہولناک تھا۔ وہ بے سدھ پڑی تھی اور اسے یقیناً کچھ نہ کچھ چوٹیں بھی آئی تھیں۔

فاریہ بے تحاشا رو رہی تھی نیلوفر کو آوازیں دے رہی تھی مگر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ تھی گلے کے اوسان بھی خطا ہو چکے تھے کہ اچانک اسے وہی مانوس اجنبی دکھائی دیا سڑک پر گاڑیوں کا شور تھا۔ ٹریفک جام ہونے لگا تھا مگر اسے سکندر کے سوا نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا نہ سجھائی دے رہا تھا وہ بھاگتی ہوئی اس تک پہنچی تھی۔

"سکندر ہمیں مدد کی ضرورت ہے۔" پھر وہی فاریہ کی مدد سے نیلوفر کو اٹھاتا انہیں اسپتال تک لایا تھا۔

ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ مریضہ شدید ذہنی دباؤ میں تھی اور کل رات سے بھوکی تھی' ذہنی دباؤ اور کمزوری کی وجہ سے بلڈ پریشر لو ہوگیا اور وہ بے ہوش ہوگئی تھی گرنے کی وجہ سے اس کے پیر میں موچ بھی آگئی تھی۔ ڈاکٹر زاسے دوائیاں دے چکے تھے آدھے ایک گھنٹے میں اسے ہوش آجانا تھا نیلوفر سے تھوڑا مطمئن ہوکر اس نے فاریہ کو گھر بھیجا اور نیلوفر کے والد کو بھی آگاہ کردیا تھا جو ابھی اسپتال پہنچنے والے تھے اور اب وہ پریشان کھڑے سکندر کی طرف آئی تھی۔

"یہ فاریہ کی دوست ہے۔"

Digitized by Google

"ہاں میں جانتا ہوں وہ..... وہ اکثر دونوں ساتھ نظر آتی ہیں ناں۔ میں آپ کے کالج کے گیٹ کے سامنے موجود بینک ہی میں کام کرتا ہوں اس لیے۔" وہ جانے کیوں وضاحتیں دے رہا تھا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ سکندر۔ آپ بہت تھکے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں میں ہوں یہاں اور اب یہ ٹھیک ہے۔ آپ گھر جا کر آرام کر سکتے ہیں۔ اس کے والد آجائیں گے تو وہ سارے معاملات دیکھ لیں گے۔ ہم نے آپ کو ناحق پریشان کیا۔"

"آرام تو تب ملے گا ناں جب دل کو قرار آئے گا۔" وہ بے خود سے بولے تھے۔ وہ اس کے لیے اتنا پریشان تھے گلے کو خود پر ناز ہونے لگا۔

"دیکھیں نیلوفر کی فیملی زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہے آپ کی یہاں موجودگی انہیں ناگوار گزر سکتی ہے میری بات اور ہے۔"

"میڈم دیکھیں....."

"گل رعنا۔" وہ ابھی تک اس کے نام سے ناواقف تھا۔

"جی گل رعنا میں بس یہاں کھڑا رہوں گا آپ کو بالکل بھی تنگ نہیں کروں گا کم از کم جب تک اسے ہوش نہ آجائے۔" سکندر بے چین تھا اور بے چین تو وہ بھی تھی اور ان دونوں کے درمیان سب سے انجان نیلوفر بے سدھ پڑی تھی نیلوفر کے والد اور بھائی بھی آچکے تھے نیلوفر کو ہوش آگیا تھا مگر پاؤں کی موچ کی وجہ سے تکلیف میں تھی۔ نیلوفر کے ہوش میں آتے ہی وہ بظاہر ان سب سے انجان بنا نیلوفر کے بیڈ سے ہوتا ہوا گل رعنا تک آیا تھا۔

"گل رعنا بہت دیر ہوگئی ہے آیئے میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں۔" اور گل رعنا ایک احساس تمکنت کے ساتھ نیلوفر کو خدا حافظ کہتی اور اس کے باپ کو اس کا خیال رکھنے کی نصیحتیں کرتی سکندر کے ساتھ اسپتال کے گیٹ تک آئی تھی۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ سکندر گاڑی ہے میرے پاس میں چلی جاؤں گی۔" اور وہ ٹھیک ہے کہتا اگلے ہی پل اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ حتیٰ کہ گلے پشیمان ہونے لگی کہ اس کی پیش کش کا فائدہ کیوں نا اٹھایا۔

❁.....◈.....❁

خوابوں کی دنیا بھی کیسی حسین ہوتی ہے ناں فیری ٹیلز جیسی۔ جہاں دلکش وادیاں خواہشات کو ابھارتی ہیں سر نا کیے جانے والے بلند وبالا پہاڑ آپ کو ہرے بھرے میدان لگتے ہیں جہاں آپ کی حکمرانی ہوتی ہے اور آپ ایسی نیند سے بیدار ہونا ہی نہیں چاہتے آپ کو بس ایک ہی صدا سنائی دیتی ہے اور آپ اپنا گردوپیش بھلا کر بس ایک کوک کے دیوانے بن جاتے ہیں۔ پھر آپ آپ کہاں رہتے ہیں بلکہ وہ بن جاتے ہیں وہ جس کی آپ خواہش کرتے ہیں وہ جسے پانے کے لیے آپ تگ ودو کرتے ہیں وہ جو آپ کے لیے سب سے اہم بن جاتا ہے اور پھر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آپ اسے پانے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہیں پوری دنیا کو بھلا کر ہر گمان کو جھٹلا کر آپ اس تک ہاتھ بڑھاتے ہیں اور اسی لمحے آپ کو اپنا وجود گہرائیوں میں گرتا دکھائی دیتا ہے تب آپ خواب کی دنیا سے نکل کر زندگی کی تلخ حقیقتوں کا ذائقہ چکھتے ہیں۔

گلے بھی خواب نگر کی انہی وادیوں میں بھٹک رہی تھی کہ ایک دن اسے اپنے سارے خواب ریزہ ریزہ ہوتے دکھائی دیئے تھے۔

❁.....◈.....❁

کالج میں چھٹیاں ہو چکی تھیں سو فاریہ گھر پر تھی اور گلے دفتری کارروائیوں کے سبب اکیلی ہی کالج جا رہی تھی اوقات کچھ ایسے تھے کہ اکثر ہی سکندر سے ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔

اتنی کشش تو ہو نگاہ عشق میں
ادھر دل میں خیال آئے ادھر دیدار ہو جائے

گلے کے ساتھ ہی فاریہ ایک دو مرتبہ نیلوفر کی خیریت دریافت کرنے بھی گئی تھی وہ بھی روبہ صحت تھی مگر گھر کے حالات وہی تھے۔ گلے نے نیلوفر کے گھر میں پہلا قدم

رکھتے ہی جو گھٹن محسوس کی تھی وہ ناقابل برداشت تھی۔ فاریہ ان دنوں بے حد اداس تھی اسے گھر میں اکیلے بالکل مزہ نہیں آرہا تھا کہ فاریہ کی نانی کی اچانک وفات کی وجہ سے اسے بھائی بھابی کے ساتھ کراچی جانا پڑا۔ گلے گھر پر اکیلے تھی۔ بھائی جان کو بھی سوئم تک وہیں رکنا تھا۔ وہ تنہا تھی مگر آس پاس دلفریب سرگوشیاں اسے تنہائی کا احساس ہونے ہی نہیں دیتی تھیں پھر ایک شام وہ نوٹس کے لیے اپنی کتاب تلاشتی فاریہ کے کمرے میں بک ریک تک آئی اور مطلوبہ کتاب اٹھاتے ہی اسے کوئی ورق گرا نظر آیا۔ وہ ایک خط تھا۔ خط بنام سکندر حیات خان اور گلے کے پیروں تلے زمین لرزنے لگی تھی۔

السلام علیکم!

خیریت کیا بتاؤں اور کیا دریافت کروں کہ جانتی ہوں کہ میرا خط دیکھ کر آپ شاد ہو جائیں گے آپ کی محبت سر آنکھوں پر مگر آپ کا ساتھ شاید میرا نصیب نہیں۔ دل آپ کی محبت سے سرشار سہی مگر حالات اس کے متقاضی و متمنی نہیں۔ آپ کے علاوہ ایسا کوئی نہیں جو میری بات سمجھے اس لیے آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ میری محبت بھلا کر آپ اپنی زندگی میں آگے بڑھیں۔ میں ایک کانچ کی ٹوٹی ہوئی گڑیا ہوں کہ اگر آپ سمیٹنے بیٹھے تو خود کو لہولہان کر بیٹھیں گے جو مجھے قطعاً گوارا نہیں۔ میرے بھائی اور والد کسی غیر خاندان میں میرا ہاتھ نہیں تھمائیں گے اور سب سے دامن چھڑا کر آپ کا ہاتھ تھامنا مجھے گوارا نہیں۔ میں مشرقی روایات میں پلی بڑھی ایک بزدل لڑکی ہوں آپ کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔

فقط نیلوفر۔

اس کے سامنے یہ سب ہو رہا تھا اور اسے خبر ہی نہ تھی اس کا کیا مقصد ہے وہ عجب الجھن میں گرفتار تانے بانے بن رہی تھی یعنی سکندر نیلوفر سے اور فاریہ اس کی اپنی فاریہ یہ سب کیا کر رہی تھی ان کے بیچ۔ کیا انجانے میں وہ ان کے قاصد کا کردار ادا کر رہی تھی اسے تو خبر بھی نہ ہوئی تھی کہ سکندر جسے وہ اپنے تئیں فتح کر چکی تھی وہ تو کسی اور ہی کا مفتوح و مقدر تھا۔ اس عام سی صورت والی دبوسی لڑکی میں سکندر کو کیا نظر آ گیا تھا۔ آخر کیا وہ ایک بار پھر رد کر دی گئی تھی یہ سوچ سوچ کر اس کی رگیں تن رہی تھیں اسے اپنا ذہنی توازن بگڑتا محسوس ہو رہا تھا رات کی تاریکی پھیلتی جا رہی تھی مگر وہ فاریہ کے کمرے سے باہر نہیں نکلی۔

اس شب کے مقدر میں سحر ہی نہیں محسن
دیکھا ہے کئی بار چراغوں کو بجھا کر

اور شب کی اسی تاریکی میں اس نے اپنی ریزہ ریزہ ہوتی ذات کو سمیٹنے اور سکندر کو پانے کا راستہ پا لیا تھا۔ اس کے درمیان محض نیلوفر نام کا ایک کانٹا ہی تو تھا اور اسے ہٹانا اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔

اگلی صبح اس نے نیلوفر کے والد کو کالج میں بلایا اور پھر تمام راستے آسان ہوتے گئے۔ ثبوت تو اس کے پاس تھا ہی انہیں تو بس یہ سمجھانا تھا کہ ان کی بیٹی اب ان کے ہاتھوں میں نہیں رہی۔ ان کی معصوم نیلوفر خاندانی عزت کو داغ لگا کر کسی اجنبی کا ہاتھ تھامے کر راہ فرار اختیار کرنے والی ہے۔ نیلوفر معصوم سہی مگر زمانہ تو معصوم نہیں ہے ناں اور ساتھ ہی اس نے یہ التجا بھی کی تھی کہ اس سب میں اس کا نام سامنے نہیں آنا چاہیے ورنہ بدنامی ہوگی۔

"آپ کا نام بالکل نہیں آئے گا مگر آپ مجھے اس شخص کا نام بتا دیں میں اس کا نقشہ مٹا دوں گا۔" ان کا غصہ عروج پر تھا مگر کل رعنا پوری طرح تیار تھی۔

"دیکھیں عزت تو سب کی سانجھی ہوتی ہے آپ ٹھنڈے دماغ سے کام لیں بات جتنا پھیلے گی اتنی آپ کی بدنامی ہوگی عقل مندی یہی ہوگی کہ آپ جلد از جلد بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیے۔ بچی ہے نادانی ہو گئی معاف کر دیں اسے۔ آپ کے بیٹوں تک بات گئی تو شاید وہ تو نیلوفر کو زندہ نہ چھوڑیں۔" اس نے بڑے رسان سے ان کو سمجھایا اور اس کا پلان کامیاب ہو گیا تھا۔ تبھی ایک ہفتے بعد نیلوفر اسے کالج میں ملی تھی۔ اس نے صرف فاریہ کا پوچھا تھا۔

"وہ تو کراچی گئی ہے چھٹیاں گزارنے کیوں

Digitized by Google

خیریت؟"

"وہ ابا میری شادی کررہے ہیں یہی بتانا تھا فاریہ کو آپ میرا پیغام دے دیجئے گا۔"

"ہاں ہاں ضرور اور بھئی بہت مبارک ہو شادی کی۔" نیلوفر تو مسکرا بھی نہ سکی تھی مگر پرواہ کسے تھی۔ نیلوفر کے نکاح کے ٹھیک دو دن بعد اس نے سکندر سے ملاقات کی۔

"ارے آپ گل رعنا بہت دن بعد رخ کیا۔"

"ہاں اصل میں کچھ مصروفیات زیادہ رہیں پچھلے دنوں۔ اچھا وہ آپ کی ہم راز فاریہ کہاں ہے؟" وہ نیلوفر کے جواب کا منتظر تھا گلے سمجھ گئی۔

"وہ تو کراچی گئی ہوئی ہے اس کی نانی کا انتقال ہوگیا تھا....."

"بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔"

"ہاں افسوس تو مجھے بھی بہت ہوا۔ اب دیکھیں ناں فاریہ کی سب سے قریبی دوست نیلوفر کی شادی بھی ہوگئی اور وہ اس میں شریک بھی نہ ہوسکی۔" سکندر کی دلی کیفیات سے انجان بنتی گل رعنا تمام قیاسیں ڈھا گئی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ..... نیلوفر کی شادی..... کب کیسے؟" سکندر کے منہ سے نکلتے الفاظ بالکل مردہ تھے۔

"بھئی ابھی دو دن پہلے ہی تو نکاح ہوا ہے اس کا۔ آج 19 جنوری ہے ناں۔ 17 جنوری ہاں مجھے اچھے سے یاد ہے یہی تاریخ تھی اس کی شادی کی۔ وہ مجھے خود بتانے آئی تھی کالج میں اب فاریہ ہی نہیں تھی تو میں بھی کیا شرکت کرتی' سکندر آپ کو کیا ہوا ٹھیک تو ہیں ناں آپ.....؟"

"ہاں ہاں میں ٹھیک ہوں۔" وہ بروقت بول پایا تھا۔

"اچھا میں اب چلتی ہوں آپ سے باتوں میں وقت کا پتہ ہی نہ چلا آپ بھی آرام کریں تھکے تھکے سے لگ رہے ہیں۔" اس کا چین و قرار لوٹ کر وہ آرام کا اچھا مشورہ دے گئی تھی۔

اب آرام کسے تھا۔ دوسرے دن گلے دوبارہ سکندر کے پاس آئی تھی۔

"سکندر صاحب تو چھٹی پر ہیں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"مگر وہ اس وقت کہاں مل سکتے ہیں؟"

"وہ اپنے کمرے میں ہیں۔"

"یہ کمرہ آفس ہی سے ملحقہ تھا سکندر کے کولیگ سے معلوم کرتی وہ اس کمرے تک آئی تھی کمرہ کیا تھا گھر نما تھا' ضرورت کی ہر چیز یہاں موجود تھی کمرہ نیم تاریک تھا۔ سنگل بیڈ سے ٹیک لگائے شخص کی سانسوں کا زیر و بم کمرے میں کسی کی موجودگی کا شبہ دے رہا تھا۔ عجب ویرانی تھی اس نے گھبرا کر لائٹ آن کی اور سکندر کو دیکھتے ہی اسے اپنے اندر کچھ ٹوٹتا محسوس ہوا تھا۔ چھ فٹ کا وہ وجیہہ مرد اس کے سامنے آنسوؤں سے رو رہا تھا۔

"سکندر کیا ہوا ہے؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

بس اتنا یاد ہے کہ مجھے عشق ہوا تھا
پھر کیا ہوا اس کی مجھے خبر نہیں

"گل رعنا کل آپ نے نیلوفر کے نکاح کی خبر نہیں سنائی تھی بلکہ سکندر جہانزیب کی موت کا پروانہ تھمایا تھا۔

میں کل تنہا تھا خلقت سو رہی تھی
مجھے خود سے وحشت ہو رہی تھی
اسے جکڑا ہوا تھا زندگی نے
سرہانے موت بیٹھی رو رہی تھی
کھلا مجھ پر کہ میری خوش نصیبی
مرے راستے میں کانٹے بو رہی تھی
لبوں پر تھا سکوت گریہ لیکن
مرے دل میں قیامت سو رہی تھی

اس بھری دنیا میں ہمیشہ سے تنہا تھا۔ یتیم خانے میں پلنے والا ایک لاوارث بچہ۔ چھ سال کی عمر میں وہیں پلا بڑھا پھر ایک جوڑے نے مجھے گود لے لیا۔ وہ بہت مہذب اور شریف مگر اولاد سے محروم تھے یوں میں لے پالک بن گیا اور وہ میرے ماں باپ' انہوں نے مجھے پڑھایا لکھایا پیار کیا عزت بھی دی مگر ان کے رشتہ داروں کو یہ فیصلہ خاصا ناگوار گزرا تھا سو ان کے عتاب کا نشانہ میں بنتا تھا۔ وہ کم ظرف لوگ مجھے یہ احساس دلانے کا کوئی موقع نہ

Digitized by Google

چھوڑتے کہ میں جانے کس خون کی پیداوار تھا مگر مسٹر اور مسز فاروق ہمیشہ میرا حوصلہ بڑھاتے کہ تمہارا نصب العین ان کی باتوں پر کڑھنا نہیں بلکہ تعلیم حاصل کرنا ہے کل ان کے سامنے تمہیں کامیاب بننا ہے یہی تمہاری سب سے بڑی جیت ہوگی۔ مسز فاروق کی بہت خواہش تھی کہ میں انہیں ماں پکاروں مگر ان کا بے حد احترام کرنے کے باوجود میں ان کی یہ خواہش پوری نہ کرسکا۔ پھر ان کی مدد اور اپنی لگن سے میں نے تعلیم حاصل کی۔ ساتھ ہی کہیں نہ کہیں نوکری بھی کرتا رہا میری بس ایک ہی خواہش تھی کہ جلد از جلد اپنے پیروں پر کھڑا ہوسکوں۔ میرے روشن مستقبل کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ جو میرے وجود سے خائف رہے تھے اب مجھ سے رشتہ جوڑنا چاہتے تھے مگر مجھے اس سب سے کوئی سروکار نہ تھا۔ تبھی مسز فاروق نے اپنی کسی عزیز دوست کی بیٹی سے میری منگنی طے کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں ہچکچاہٹ کا شکار تھا۔

"آپ سب جانتی تو ہیں مسز فاروق اور ابھی تو میں اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہیں ہوا۔"

"میں سب جانتی ہوں بچے مگر ہمارا جو بھی ہے وہ کل تمہارا ہی تو ہے۔" میں ان کی ایک خواہش تو پوری نہ کرسکا تھا سو دوسری رد نہ کرسکا اور یوں نیناں سے میری منگنی ہوگئی اور ایک سال بعد شادی قرار پائی اتنے عرصے میں میں بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہوجاتا۔ مگر قدرت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا ایک کار حادثے نے ان دونوں مہربانوں کو مجھ سے چھین لیا اور ان کے نام نہاد رشتہ داروں نے یہ سوچ کر مجھے گھر سے نکال دیا کہ کہیں میں ان کی جائیداد نہ ہتھیالوں مجھے جائیداد کا کوئی لالچ نہ تھا مگر میرا مقدر کچھ اور ہی تھا۔ نیناں کے والدین نے بھی یہ کہہ کر رشتے سے منع کردیا کہ پہلے تو مسٹر اور مسز فاروق موجود تھے اب وہی نہ رہے تو میری کیا ضمانت اور کیا مستقبل یوں یہ بے نام سا رشتہ جڑنے سے پہلے ہی ٹوٹ گیا اور میں ایک شہر سے دوسرے شہر دھکے کھانے لگا۔ کبھی ایک جاب تو کبھی دوسری۔ پھر اللہ کے کرم سے مجھے اس شہر میں اچھی نوکری مل گئی اور اچھے دوست بھی۔ جانتی ہیں میں نے نیلوفر کو پہلی بار کب دیکھا تھا۔" سکندر کسی ٹرانس کی کیفیت میں تھے۔

"جب وہ پہلی بار اپنے باپ کے ساتھ کالج آئی تھی۔ باپ کے پیچھے سہمی وہ کوئی گڑیا لگ رہی تھی اس کی آنکھوں میں اتنی معصومیت اور حیرانی تھی کہ گویا اس کا کالج کا نہیں بلکہ اسکول کا پہلا دن ہو۔ وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی بھانت بھانت کی بولیاں بولتی لڑکیوں کو وہ بہت استعجاب سے دیکھ رہی تھی اس کے والد اسے گیٹ تک چھوڑ کر گئے تھے مگر وہ بہت دیر تک گیٹ کے کونے پر ہی کھڑی رہی۔ عجیب کشمکش کا شکار تھی اندر جانا چاہتی تھی مگر ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔ جیسے اندر چاردیواری میں لڑکیاں نہیں بلکہ جنگلی جانور ہوں جو اسے کھا جائیں گے۔ میرے آفس کی کھڑکی کالج کے گیٹ ہی کی طرف کھلتی ہے میں بدنظر نہیں تھا مگر جانے کیوں سارا دن اس کا معصوم چہرہ اور استعجاب میری نظروں میں گھومتا رہا اور میں لاشعوری طور پر چھٹی کے وقت تک اس کے نکلنے کا انتظار کرتا رہا۔ چھٹی ہوئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا تب وہ دروازے تک آئی تھی اگرچہ رش بہت کم ہوچکا تھا مگر وہ تب بھی اپنے لیے رستہ بناتی ایسے چل رہی تھی کہ اگر کسی سے ٹکرا گئی تو گویا پتھر کی ہوجائے گی۔ کالج کے دروازے پر وہ شاید کسی کی منتظر تھی تب ہی کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اگر اتنے لوگوں کا خیال نہ ہوتا تو وہ چلا اٹھتی۔ پیچھے دیکھنے پر وہ دھیرے سے مسکرائی تھی وہ فاریہ تھی جس نے اسے ڈرایا تھا اور اب وہ دونوں ہنس رہی تھیں۔ مجھے علم نہیں تھا کہ میں اتنا سنجیدہ اور مدبر آدمی بھی یوں پہلی نظر کی محبت کا شکار ہوجاؤں گا۔ اس کے نین کٹورے مجھے ہمیشہ بھیگے سے دکھائی دیتے اور میں اسے اداسیوں سے نکالنا چاہتا تھا۔ اسی لیے میں نے آپ کی بھتیجی فاریہ کا سہارا لیا اور اسی نے مجھے نیلوفر کے حالات سے آگاہ کیا تھا۔ پھر ایک دن فاریہ اسے اپنے ساتھ کالج کی فیس جمع کروانے بینک لائی اور فاریہ ہی کے سامنے میں نے اسے اپنے دلی جذبات سے آگاہ کیا تھا مگر وہ مجھے لفنگا اور آوارہ سمجھ کر خاموشی سے چلی گئی فاریہ نے میری ہر

Digitized by Google

صورت مدد کا وعدہ کیا تھا۔

نیلوفر کو بھی میرے جذبات کی سچائی کا یقین ہوگیا تھا فاریہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جلد از جلد آپ سے بات کرکے اس کے گھر والوں کو اس رشتے پر ضرور آمادہ کرے گی پھر یہ سب کیسے ہوگیا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ میری زندگی بسنے سے پہلے ہی ایسے کیسے اجڑ گئی، پہلی مرتبہ گل رعنا کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔ وہ قطرہ قطرہ پگھل رہے تھے اور وہ ان کے لیے کچھ بھی نہ کرسکتی تھی۔ وہ تو خود کو یہی تسلی دیتی آئی تھی کہ نیلوفر کو تو خود اس محبت پر یقین ہی نہ تھا اور نہ ہی وہ اس قابل تھی مگر اب اسے سمجھ آ گیا تھا کہ دراصل خود وہ تھی جو ان دونوں کے بیچ آ گئی تھی۔

❁……❁……❁

"اور آپ گل رعنا...... آپ سکندر جہانزیب کی محبت میں اتنا گر گئیں کہ آپ نے نیلوفر کے بارے میں ایک بار بھی نہ سوچا۔" فاریہ کی آواز نے اسے کمرے میں موجود ہونے کا احساس دلایا تھا ورنہ وہ تو کسی اور ہی جہان میں تھی۔

"تف ہے آپ پر آپ کو تو اس کا دکھ سب سے زیادہ سمجھنا چاہیے تھا۔ بن ماں کی بچی ماں کی ممتا تو اس سے بچپن ہی میں چھن گئی تھی مگر استاد بھی تو روحانی ماں باپ کا درجہ رکھتے ہیں مگر افسوس آپ نے تو کسی بھی رشتے کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ آپ اپنے راستے کا کانٹا ہٹا کر سکندر سے ملتی رہیں۔ انہیں اپنی معصومیت کا جھانسہ دیتی رہیں کہ کبھی تو وہ آپ کی طرف مائل ہوجائیں گے۔ یہی سوچتی تھیں ناں آپ۔ نیلوفر کو اپنی عمر سے کئی گنا بڑے آدمی کے پلے باندھ دیا گیا جس کو محض اپنی اولاد کے لیے ایک آیا کی ضرورت تھی۔ وہ وہاں اس کے بچوں کو پالتی رہی اس جیل نما سسرال میں سسکتی رہی وہاں اس پر زندگی تنگ کردی گئی اور آپ یہاں زندگی کے خواب بنتی رہیں مگر حیرت ہے کہ آپ اپنی تمام تر پلاننگ میں یہ کیوں بھول گئیں کہ فاریہ کیا کبھی سکندر سے نہیں ملے گی یا آپ نے سوچا ہوگا کہ تب تک تو بہت دیر ہوگئی ہوگی۔ انسان بڑے ہی مکر سے چال چلتا ہے مگر بھول جاتا ہے کہ سب سے بہترین چال چلنے

aanchalpk.com
مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ
نئے افق
کراچی
شائع ہوگیا ہے
لفظ لفظ ہنگامے سطر سطر تجسس۔ سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی
مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زرین قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں
اس کے علاوہ
خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے
اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق
کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

Digitized by Google

والا تو وہ ہے جو سب کچھ دیکھ بھی رہا ہے اور جانتا بھی ہے..... نیلوفر تک تو رسائی ممکن نہ تھی سو سب سے پہلے میں واپس آ کر سکندر سے ملی۔"

"سکندر یہ سب کیا ہو گیا۔" سکندر کے عکس میں مجھے ٹوٹی ہوئی نیلوفر دکھائی دی۔ وہ خود حیران تھے۔

"فاریہ کاش میری زندگی میں 19 جنوری کی وہ شام کبھی نہ آئی ہوتی جب گل رعنا نے مجھے یہ اندوہناک خبر سنائی تھی۔"

"کیا گلے نے 19 جنوری کو.....؟"

"ہاں ہاں گل رعنا نے ہی بتایا تھا مجھے کہ کچھ اور بھی بتا رہے تھے مگر میری سوئی 19 جنوری پر ہی اٹکی تھی۔ 19 جنوری یعنی نیلوفر کے نکاح کے ٹھیک دوسرے دن ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے نیلوفر مجھ سے دور چلی گئی تم بھی اتنی دور بیٹھی تھیں ایسے میں گل رعنا ہی تو تھیں کہ جنہوں نے میرا ساتھ دیا' مجھے حوصلہ دیا' میں گل رعنا کا واقعی بہت مشکور ہوں وگرنہ میں تو اتنا دلبرداشتہ تھا کہ شاید خود کو ختم ہی کر لیتا اور سکندر کی باتوں نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ نیلوفر میری دوست تھی اور اس کے نکاح کی اطلاع آپ نے مجھے ایک ہفتے بعد دی اور سکندر کے پاس یہ خبر دوسرے ہی دن پہنچا دی گئی آخر کیوں یہ محض اتفاق تو نہیں ہو سکتا تو کچھ گڑبڑ تھی۔ سو میں نیلوفر کے گھر گئی وہاں اس کی بھابی کی زبانی ساری حقیقت کا علم ہوا کہ بھئی وہ تو تھی ہی بڑی گھنی وہ تو شکر ہے کہ آخری وقت پر اباجی کو اس کے کرتوتوں کا علم ہو گیا۔ کالج میں عاشقی چل رہی تھی گھر سے فرار کا ارادہ تھا وہ تو شکر ہوا کہ عین وقت پر اطلاع مل گئی اور عزت بچانے کو اباجی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک ہی ہفتے میں بیاہ دیا اسے۔"

آنسو بہاتی رہ گئی بے چاری۔ اب وہاں ظالم بڈھے کی مار بھی کھا رہی ہے اور اس کے بچے بھی پال رہی ہے۔ تھوڑا سا صبر کر لیتی تو اباجی کسی ہم عمر اور ہم پلہ ہی سے کرتے ناں اس کی شادی مگر بس کیا کریں خیر ہمارے سر سے تو بلا ٹلی اور کڑی سے کڑی ملتی جا رہی تھی نیلوفر معصوم تھی اور اس کی گواہ صرف میں تھی صرف میں اس کے معصوم جذبات کی گواہ تھی جو یہاں موجود ہی نہیں تھی یا پھر میرے ہی ہاتھوں لکھا وہ خط تھا جو میں نے محض سکندر کو تسلی دینے کے لیے اس کی طرف سے منسوب کیا تھا اور آپ نے سوچا کہ نیلوفر کے چوٹ لگی ہے سو میں نے یہ خط لکھا ہے۔ پھر ان کا اتنا خیر خواہ کون آ گیا تھا جس نے ان کی بیٹی کے ان کہے جذبات بھی پڑھ لیے اور اس کے باپ تک بھی پہنچا دیے۔ کڑی سے کڑی ملتی جا رہی تھی مگر میری گلے ایسی نہیں ہو سکتی نہیں کبھی نہیں۔ میں جلدی سے گھر آئی۔ وہ خط ڈھونڈا وہ بھی اپنے کھولے جانے کی چغلی کھا رہا تھا۔ حقیقت سے نظر چرانا تو اب ممکن ہی نہیں تھا اس لمحے مجھے آپ سے اور خود اپنے وجود سے اس قدر نفرت محسوس ہوئی کہ میں سب چھوڑ چھاڑ کینیڈا چلی گئی نہ تو میں سکندر کو نیلوفر کی بربادی کا بتا سکتی تھی نہ نیلوفر کی زندگی میں آسانی لا سکتی تھی اور نہ ہی آپ کی آنکھوں میں سکندر کا عکس دیکھ سکتی تھی۔ میری ایک بے وقوفی کیا رنگ لائے گی اندازہ ہی نہ تھا اور جو میری اور آپ کی مہربانیوں کی وجہ سے اس کا خمیازہ بھگت رہے تھے میں ان سے معافی بھی نہ مانگ سکی۔

آپ نے اسے سولی چڑھا دیا اور آج وہ دوبارہ تختہ دار پر ہے۔ میں پاکستان شادی کرنے کے لیے نہیں بلکہ نیلوفر کے لیے آئی ہوں آپ جانتی ہیں کہ اب جب وہ بوڑھا شخص مر چکا ہے تب بھی وہ اس کی قید سے آزاد نہیں ہوئی بلکہ اس کے گھر والے دوبارہ اس کے دیور سے اس کا نکاح کرنے والے ہیں ایسے میں میں عظیم کے سنگ خوشیوں کی سیج سجالوں ایسا کیسے ممکن ہے۔ آپ جائیں ناں بتا دیں عظیم کے گھر والوں کو کہ اس کی منگیتر کسی غیر مرد کے لیے قاصد رہ چکی ہے اور یہ کہ فاریہ کا کریکٹر اچھا نہیں تھا۔ یہاں یہ حال تھا تو باہر جا کر جانے کیا گل کھلائے ہوں گے۔ جائیں بتائیں ناں یہی تو کیا تھا آپ نے نیلوفر کے ساتھ۔ بتائیں ناں جا کر پھر دیکھتی ہوں کہ کیسے ہوتی ہے یہ شادی اور کون بناتا ہے مجھے اپنے گھر کی بہو۔ کھڑی کیوں ہیں آپ جاتی کیوں نہیں۔ ثبوت کا وہ خط بھی دوں کیا آپ کو۔ آپ کا تو پرانا تجربہ ہے ناں دیسے۔ جائیں چلی

جائیں یہاں سے۔" وہ ہذیانی کیفیت میں چلا رہی تھی اور میں ہک دک آنکھیں پھاڑے اسے تکے جا رہی تھی۔

سارے مناظر کسی فلم کی طرح میرے سامنے تھے اور فاریہ کی آواز میرے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔ وہ روئے جا رہی تھی اور پھر میں اسے بنا کوئی دلاسہ دیئے چپ چاپ باہر نکل آئی کیونکہ میں جانتی تھی کہ میری وجہ سے جو گھاؤ اس کے دل پر لگے ہیں وہ لفظوں سے مندمل نہیں ہو سکتے۔ انہیں مرہم کی ضرورت تھی اور مجھے وہ مرہم ڈھونڈنا تھا۔

❁.....❁.....❁

فاریہ کینیڈا میں صرف نیلوفر کی بھابی سے رابطے میں تھی اور میں سکندر سے۔ پہلی محبت انسان کبھی نہیں بھلا سکتا۔ سو نہ میں سکندر کو بھولی تھی اور نہ وہ نیلوفر کو۔ سکندر کو یہ شہر ظالم لگتا تھا اور مجھے اپنا آپ سو سکندر نے یہ شہر چھوڑا اور دوسرے شہر ٹرانسفر کروالیا اور میں اپنے ظلم کے ساتھ تنہا رہ گئی' سو اب مجھے دو کام کرنے تھے سکندر کے پرانے آفس سے ان کا موجودہ پتہ نکالنا تھا اور دوسری طرف نیلوفر کے والد کو سکندر کے لیے قائل کرنا تھا اور سچ کہتے ہیں کہ اگر ارادے مضبوط ہوں تو راستے خود بخود آسان ہو جاتے ہیں۔ سکندر ایک چھوٹے سے شہر میں رہائش پذیر تھے۔ پہلے سے کمزور ہو گئے تھے مگر ان کی آنکھوں میں آج بھی نیلوفر کا عکس واضح تھا میرا دل انہیں دیکھ کر غمزدہ ہو گیا تھا۔ ہم برسوں بعد مل رہے تھے مگر مجھے رسمی گفتگو کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی اور میں انہیں اپنے ساتھ انہی کے آفس کے ویٹنگ لاؤنج میں لے آئی تھی جہاں نیلوفر کے والد ہمارے منتظر تھے۔

سکندر کے نئے آفس کا پتہ نکال کر میں نیلوفر کے والد سے ملنے ان کے گھر گئی تھی جو اپنی بیٹی کے لیے بہت پریشان تھے ان کی پوری برادری میں کوئی بھی نیلوفر سے رشتے کے لیے تیار نہ تھا اور نیلوفر کے سسرال میں ہونے والے مظالم دیکھ کر وہ اسے دوبارہ زندہ درگور نہیں کرنا چاہتے تھے۔ سو ایسے میں جس شخص کے بارے میں وہ اسے بتا رہی تھی اس سے زیادہ انہیں اپنی بیٹی کے لیے کوئی موزوں نہیں لگا تھا سو گلے انہیں سکندر سے ملوانے لے آئی تھی۔

"میں نیلوفر کی زندگی کے وہ ماہ و سال نہیں لوٹا سکتی تھی اس لیے سکندر سے معافی مانگنا چاہتی تھی وہ بھی نہ مانگ سکی مگر اب اسے بہتر مستقبل ضرور دے سکتی تھی۔" پھر سارے مراحل طے ہوتے گئے اور فاریہ کی شادی سے ٹھیک ایک ہفتے پہلے سکندر اور نیلوفر کا نکاح ہو گیا تھا۔ عین اسی روز کچھ ضروری کام کی وجہ سے گلے نکاح کی تقریب میں شریک نہ ہو سکی مگر چشم تصور سے دیکھ سکتی تھی کہ دونوں آج ایک دوسرے کو پا کر مکمل ہو گئے تھے دونوں مطمئن اور شاداں تھے سو ہمیشہ خوش رہنے کا پیغام اس نے ہوا کے دوش پر سکندر تک پہنچا دیا تھا۔

پھر اگلے ہی ہفتے فاریہ بھی عظیم کے ساتھ رخصت ہو گئی۔ آج بھیا اور بھابی دونوں ہی کے چہروں پر بے حد اطمینان تھا رخصتی کے وقت بھابی گل رعنا کے گلے لگ کر رو پڑیں۔

"بیٹی کو دعائیں دے کر رخصت کیجیے بھابی۔" میرا ضبط بھی ٹوٹنے لگا تھا۔

"فاریہ تم سے واقعی بہت محبت کرتی ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ ایک بیٹی کو تو رخصت کر دیا اب دوسری کی فکر کیجیے گا اور وہ صحیح تو کہہ رہی تھی اب دیکھو میں تمہارے لیے عظیم سے بھی اچھا لڑکا ڈھونڈوں گی۔ وہ بہت مان سے کہہ رہی تھیں۔" میرے بھی آنسو بہہ نکلے اور ان کے گلے لگ گئی مگر انہیں کیا بتلاتی۔

چر کے وہ دیئے دل کو محرومی قسمت نے
اب ہجر بھی تنہائی اور وصل بھی تنہائی

راہِ عمل

عائشہ پرویز صدیقی

"حماد! قسم سے تمہاری دلہن تلاش کرتے ہوئے ہماری جوتیاں گھس گئیں لیکن تمہیں کوئی لڑکی بھاتی ہی نہیں۔ بس بھئی بہت ہوگیا۔ اب ہم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اب تم اپنی دلہن خود ہی ڈھونڈو گے۔" حماد میاں کی سب سے بڑی بہن عائشہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ تو امی نے بھی تائید میں سر ہلادیا۔

"ہاں بھیا! ایک تو تم لڑکوں کی پسند کا پتا ہی نہیں چلتا، وہ یمنیٰ تمہاری کلاس فیلو ہر وقت بہانے بہانے سے تمہیں فون کرتی ہے مگر جب امی نے اس سے شادی کے لیے تمہاری مرضی پوچھی تو تم نے صاف انکار کردیا کہ وہ تو صرف کلاس فیلو ہے۔" حمنیٰ بھی بڑی بہن کا ساتھ دینے کے لیے بول اٹھی اور پھر بھلا اس موقع پر دشمہ کیسے چپ رہتی اس نے بھی فوراً لقمہ دیا۔

"ویسے بھیا! تمہیں لڑکیاں پسند کیسی ہیں؟ کیونکہ خاندان میں تو صرف چچا کا گھرانہ رہ گیا ہے باقی تو امی نے تقریباً ہر لڑکی کے بارے میں تم سے پوچھ لیا اور تم نے کسی کے لیے بھی رضامندی ظاہر نہ کی۔" تینوں بہنوں اور چھوٹے بھائی عباد اور سعد کا بڑا بھائی حماد سب کی باتیں خاموشی سے سنتا رہا پھر تینوں بہنوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم سب پریشان نہ ہو مجھے جب کوئی لڑکی پسند آئے گی تو خود ہی بتادوں گا۔" یہ سنتے ہی امی تڑخ کر بولیں۔

"دیکھو حماد اب تک تو تمہیں نہ خود کوئی لڑکی پسند آئی اور نہ ہی ہماری پسند میں سے کوئی اچھی لگی۔ یہ ڈرامہ زیادہ دن نہیں چلے گا۔ کل حمنیٰ کے سسرال والے آئے تھے اور جلد شادی کا تقاضا کررہے تھے اور تمہارے پاپا نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ حماد کے لیے جلد ہی کوئی لڑکی ڈھونڈ لو تاکہ دونوں بچوں کی شادیاں ایک ہی وقت میں نمٹالیں۔"

"جی امی! ان شاء اللہ یہ معاملہ جلد ہی نمٹ جائے گا۔" یہ کہہ کر حماد تو کمرے سے باہر چلے گئے مگر پھر تینوں بہنیں کافی دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتی رہیں۔

❁......❁......❁

پرویز صاحب کا گھرانہ چھ بچوں پر مشتمل تھا۔ سب سے بڑی عائشہ پھر حماد پھر حمنیٰ، عباد اور ان سب سے چھوٹے سعد اور دشمہ۔ امی کی خالہ کو شوخ و شنگ سی حمنیٰ بہت پسند تھی لہٰذا فوراً ہی اپنے بیٹے عدنان کے لیے اس کا ہاتھ مانگ لیا اور منگنی بھی کردی۔ عائشہ کے بھی دو تین رشتے آئے ہوئے تھے مگر وہ اپنا ماسٹر مکمل کرنے تک منگنی یا شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اور بقول اس کے وہ اپنی بھابی کے ساتھ بھی کچھ عرصہ رہنا چاہتی ہے۔ باقی تینوں چھوٹے بہن بھائی زیر تعلیم تھے۔ لڑکیاں دیکھنے کا سلسلہ جاری تھا اور ساتھ ہی پاپا کا الٹی میٹم بھی۔

پہلے تو بھیا حسب عادت ٹال مٹول سے کام لیتے رہے مگر جب انہیں معاملے کی نزاکت کا احساس ہوا تو ایک روز ڈرتے ہوئے اپنی پسند کا اظہار کرہی دیا اور ان کی پسند کا سن کر امی سمیت تینوں بہنیں ششدر ہی رہ گئیں۔

"بھیا تم چچا کے برقع پوش گھرانے میں شادی کرو گے؟" حمنیٰ تو تقریباً چیخ اٹھی۔

"ہاں تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔" حماد بالکل پُرسکون تھا۔

"حرج تو کوئی نہیں مگر وہ عبایا......" عائشہ کا جملہ ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ حماد بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"کیا برقع، عبایا، حجاب، اسکارف شرم و حیا اور پردہ غیر اسلامی باتیں ہیں؛ کیا مذہب عورت کے پردے کا حکم نہیں دیتا؟ اور پھر چاچا کی بیٹی انابیہ میں ایسا کیا ہے جو آپ سب اس قدر حیران ہورہے ہیں یہی ناں کہ وہ حجاب پہن کر خود کو نامحرموں سے چھپا کر رکھتی ہے۔" ان کے نسبتاً سخت اور کھرے انداز پر سب ہی کو جیسے چپ سی لگ گئی اور پھر جب پاپا نے حماد بھائی کو گلے لگایا اور ان کے فیصلے کی تائید کی تو پھر تو ان کی پسند کی مخالفت کرنے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہی تھی۔ چچا کے گھر والے نے بھی رشتہ قبول کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا، چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا اور انابیہ ان کی بھابی اور اس گھر کی بہو کی حیثیت سے صدیقی ہاؤس میں آبسی۔

Digitized by Google

[illegible]
[illegible]
تین ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا اور ان تین ماہ میں پتا ہی نہیں چلا کہ انابیہ کب گھر کے ہر ایک فرد سے انتہائی گھل مل گئی وہ صرف اپنے شوہر کا خیال نہ رکھتی بلکہ ساس سسر کی خدمت کے ساتھ ساتھ نندوں اور دیوروں سے بھی بے انتہا چاہت والفت برتتی گھر کے کسی فرد کو اس سے کوئی شکایت نہ تھی۔ جو ملتا حماد بھیا کی پسند کو داد دیے بغیر نہ رہتا۔ ویسے یہ مردوں کی نگاہ انتخاب بھی خوب ہے دوستی گپ شپ کتنی ہی آزاد خیال لڑکیوں سے کیوں نہ کرتے رہیں شادی کے لیے نظر انتخاب ایسی لڑکی پر جا ٹھہرتی ہے جس پر کبھی کسی اور کی نگاہ نہ پڑی ہو۔

حمنیٰ کچھ دنوں کے لیے میکے آئی تھی گھر میں ہر وقت خوب ہلا گلا رہتا تھا' گرچہ انابیہ کو ہر کام ہر بات ایک خاص تہذیب کے دائرے میں رہ کر کرنے کی عادت تھی مگر وہ اپنی نندوں کی تمام سرگرمیوں میں بھی پوری دل وجان سے شریک رہتی۔ تینوں نندیں قریبی پارک جانے کا پروگرام بنا رہی تھیں مگر کپڑے استری کرنے' تیار ہونے اور پھر نکلنے میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ شام اتر آئی۔ سو پروگرام ملتوی کرنے کا سوچا ہی جا رہا تھا کہ انابیہ نے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں مشورہ دیا کہ اگر سب عبایا یا چادر اوڑھ کے چلیں تو ان تمام چیزوں کا تردد ہی نہیں کرنا پڑے گا۔ جواباً دشمہ نے سب سے پہلے چہکتے ہوئے کہا۔

"تو ٹھیک ہے بھابی' آپ اپنا ایک عبایا مجھے دے دیں۔"

[illegible]
[illegible]
ہی لیا کرتی تھی ان کی دیکھا دیکھی تسنیٰ نے بھی اپنا عبایا لے لیا۔ وہ چاروں نماز مغرب تک پارک میں گھومتی پھرتی رہیں اور واپسی میں بھی بڑے سکون سے ٹہلتی ہوئی گھر آ گئیں انابیہ تو گھر آتے ہی کچن کے کاموں میں مصروف ہوگئی اور وہ تینوں امی کے پاس بیٹھ کر تفریح کی روداد سنانے لگیں۔ سب سے پہلے دشمہ نے ہی زبان کو حرکت دی۔

"امی..... آج عبایا پہن کر میں باہر جا کر بھی میں خود کو بہت محفوظ سا تصور کرتی رہی' میں تو سوچ رہی ہوں کہ کالج آنے جانے کے لیے ایک عبایا خرید لوں۔"

"تم خریدو گی تو میں بھی خریدوں گی۔" حمنیٰ نے بھی دشمہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ تو عائشہ نے بھی فوراً دونوں کی تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں امی' انابیہ بھابی عبایا میں کس قدر پیاری لگتی ہیں۔ ہمارے ساتھ چلتی ہیں تو ان کی وجہ سے ہمیں بھی احساس تحفظ ہونے لگتا ہے اور پھر پردے کا حکم تو ہمارے رب نے بھی دیا ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں اور امی تینوں بیٹیوں کی اس بدلی سوچ پر بس ایک خوش گوار حیرت سے انہیں تکے جا رہی تھیں۔

Digitized by Google

عشق میرا ایمان

ام اقصیٰ

یو پی ایس کی ختم ہوتی چار جنگ کی مخصوص ٹون اور ختم ہوتی روشنی نے اسے ہاتھ روکنے پر مجبور کردیا تھا۔ سر اٹھا کے دیوار گیر گھڑی کی جانب نگاہ کی چار بجے کا عمل تھا...... مسلسل لکھنے سے اس کا ہاتھ تقریباً اکڑ چکا تھا۔ عشاء کی نماز ادا کر کے، چائے پیتے ہی وہ لکھنے بیٹھ گئی تھی۔ چشمہ اتار کے سامنے بکھرے کاغذات پر رکھا اور دونوں ہاتھوں سے آنکھیں مسلیں۔ آخری صفحہ رہتا تھا...... آخری سین...... بس پھر اختتام۔ ایک ایک لفظ اس کے اندر جاگ رہا تھا مگر اب ہمت ہی نہ تھی لکھنے کی...... مسلسل دکھتا ہاتھ آخری صفحہ تو کیا مزید ایک لفظ بھی لکھنے کی اجازت نہ دے رہا تھا، آنکھیں بند کر کے اس نے آخری سین تخیل میں زندہ کیا تھا۔

❁......❁......❁

"دلاور بھائی نے لکڑی کے پھاٹک سے اندر لاتے ہوئے بیلوں کی جوڑی کو احاطے کی جانب موڑا اور پیچھے آتا ملازم تیزی سے بیلوں کو لیے احاطے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"سلام بے جی......" سفید گھا گھرے چولی میں ملبوس گلے میں پان دبائے دادی نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ بانو باجی جھٹ سے لسی کا گلاس بھر لائیں۔ اماں پیڑھی پر بیٹھی دیے کی بتیاں بنانے میں محو تھیں۔ چاچی چولہے کے آگے پیڑھی رکھے کچھ پکا رہی تھیں۔ دور جامن تلے بیلا اور صفی جامن کے تنے کو تھامے گول گول گھوم رہے تھے۔

"ابا نہیں آئے ابھی؟" ایک نظر سب کی مصروفیت کا جائزہ لینے کے بعد دلاور نے دور بیٹھی ماں سے پوچھا۔

"کب کے آچکے، اب تیرے تائے اور چاچے کے ساتھ راج پورہ گئے ہیں کچھ سامان لینے۔" پان چباتی بے جی نے جواب دیا۔

"اچھا......" سر ہلاتے دلاور نے لسی کا گھونٹ بھرا۔ دفعتاً چونکا' گلاس وہیں بے جی کے پاس تخت پر رکھا اور تیزی سے باہر گیا...... بتیاں بناتی اماں نے سر اٹھا کے ایک نظر دلاور کو باہر جاتے اور ہنوز لسی کے بھرے گلاس کو دیکھ کر افسوس سے سر ہلایا اور پھر سے مصروف عمل ہوگئیں۔

"ساجی آپا کہاں ہیں؟" دلاور واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک سات آٹھ سالہ بچہ بھی تھا۔

"یہ کون ہے؟" بے جی نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اونچی آواز میں پوچھا۔ بتیاں بناتی اماں' ڈوئی ہلاتی چاچی اور الگنی سے کپڑے اتارتی بانو آپا تک نے سر اٹھا کے دیکھا، جب کہ دور کھیلتے بیلا اور صفی بھی پاس چلے آئے تھے۔

"یہ علی لدا او ہے۔" پُرسوچ انداز سے بولتے ہوئے وہ بچے کو تخت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئے اور لسی کا گلاس پھر سے اٹھالیا۔

"لدا او حسین کا بیٹا؟" بے جی نے حیرت سے پوچھا۔

"جی......" دلاور کے یک لفظی جواب پر اماں سب چھوڑ چھاڑ اس کے پاس چلی آئیں اور چٹ چٹ بلائیں لینے لگیں۔ ہانڈی ادھوری چھوڑ کے چاچی بھی قریب چلی آئیں۔

"ہک ہا...... کتنا سوہنا بیٹا ہے...... بس لدا او بھائی کی قسمت میں ہی نہ تھا بیٹے کا سکھ دیکھنا۔" بے جی کی آنکھیں نم جب کہ لہجہ گلوگیر ہوگیا تھا۔

لدا او حسین لاں کا کزن تھا۔ بیوی تو بیٹے کی پیدائش کے بعد ایک سال تک زندہ رہی جب کہ لدا او حسین ابھی پچھلے مہینے گڑ بناتے ہوئے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

"کتنا پیارا ہے ناں' میں خود اسے پالوں گی۔" لدا او کو سینے سے لگائے قدرے بین کرنے والے انداز میں روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ پاس کھڑے قدرے حیرت سے دیکھتے پانچ سالہ بیلا اور چار سالہ صفی سنتے ہی ننگے پاؤں باہر دوڑے۔ سامنے سکھ دیو سنگھ کھڑا تھا۔ بیلا کو وہ ایک آنکھ نہ بھاتا تھا مگر خیراتی چٹ پٹی اور روزنی تھی کہ اس کے سامنے سکھ

Digitized by Google

دیو کا برا لگنا ہلکا پڑ گیا۔

''سکھو! ہمارے گھر ایک لڑکا آیا ہے وہ اب ہمارے ساتھ ہی رہے گا اور میرے ساتھ کھیلے گا بھی......'' ناک چڑاتے صفی کی انگلی تھامے اس نے فخر سے بتایا۔

''کون لڑکا؟'' سکھو نے برا سا منہ بنا کے پوچھا' اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی سامنے سے چمپا آتی نظر آئی۔ وہ سکھو کو نظر انداز کرتی چمپا کی جانب لپکی۔

''اور ہاں' میرے ساتھ اسکول بھی جایا کرے گا۔'' چمپا کی جانب بھاگتے ہوئے مڑ کے سکھو کو بتانا اس نے ضروری سمجھا۔

''ساجی آپا کے لیے لایا ہوں۔'' دلاور نے ماں سے کہا۔

''ارے تو ساجی کون سا دور ہے یہ دیوار سے دیوار ملی ہے۔ پھیروں ادھر ہی پائی جاتی ہے وہ تو۔'' دلاور خاموشی سے اٹھا نلکے کے نیچے بالٹی رکھی اور پانی بھرنے لگا۔ اماں' چاچی سے روٹی پکانے کا کہنے لگی جبکہ بانو باجی جھٹ سے اندر سے نئی نکور چنگیر اور خوان پوش لے آئیں۔

❁......✿......❁

''تم سکھدیو کو کیوں کچھ نہیں کہتے اس نے کل پھر مجھے مارا تھا۔'' ناک بسورتی وہ علی امداد سے گلہ کررہی تھی۔

''کل کب؟''

''چھٹی میں گھر آتے ہوئے۔'' روٹھی آواز اور بھیگا لہجہ تھا۔

''تب تو میں ساتھ تھا تیرے۔'' علی الجھا۔

''تم موہن سے بات کررہے تھے تو اس نے مجھے چٹکی بھری تھی۔''

''تم نے اسی وقت بتانا تھا ناں پھر دیکھتی میں کیسی پھینٹی لگاتا...... خیر میں پوچھوں گا اس سے۔'' علی نے تسلی دی۔

''امرت نے بھی چھڑی ماری مجھے زور کی۔'' اس نے کلائی دکھائی۔

''کیوں؟'' بے ساختہ آگے آ کر علی امداد نے کلائی دیکھی۔

''میں نے بھجن نہیں گایا تھا۔'' اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

''لیکن استانی جی کو پتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں' انہوں نے تمہیں ایک طرف کھڑا نہیں کیا۔'' بھجن گاتے مسلمان بچوں کو ایک طرف کردیا جاتا تھا۔

''استانی کلاس میں نہیں تھی...... امرت مانیٹر ہے ناں۔''

''بس دو ہی مہینے ہیں پھر میں ہائی اسکول چلا جاؤں گا تو تمہیں بھی وہیں ساتھ لے جایا کروں گا اور صفی کو بھی۔'' اس نے تسلی دی۔

''ٹھیک ہے۔'' اس کی طرف دیکھتے بیلا نے مطمئن سر ہلایا، یکبارگی اسے علی کی آنکھوں میں ڈھیروں ستارے اترتے دکھائی دیے۔ ایسے ستارے بانو باجی کی آنکھوں میں روشن رہتے تھے۔ ہمہ وقت گویا قندیلیں جلی ہوں۔ دلاور بھائی کے گھر آتے ہی ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھلی رہتی۔ لرزتی پلکیں اور مسکاتے ہونٹ' اس سمے اسے بانو باجی دنیا کی حسین لڑکی لگا کرتی تھیں۔

ان دنوں بانو باجی اور دلاور بھائی کی شادی کی تیاریاں چل رہی تھیں' چچی اپنی اکلوتی بہو کے سب ارمان پورے کرنا

Digitized by Google

چاہتی تھیں۔ بانو باجی اور ان کی سکھیاں دن بھر چہلیں کرتیں اور دلہن کے سوٹ کو گوٹا لگاتیں...... رات بھر ملن کے گیت گائے جاتے۔ ان کے محلے میں زیادہ تر سکھ رہتے تھے ان کی بھی لڑکیاں آجاتیں تو مل کر سب گدیں ڈالتیں' بے جی پان کلے میں دبائے ہنستی رہتیں۔

"بیلا! میری بچی' ضد نہ کر...... یہ کھالے دو دن سے بھوکی ہے۔" اماں نے آلو کی بھجیا اور پراٹھا اس کے آگے لاکر رکھا۔

"تو آپ لوگ مان جاؤ ناں میری بات۔"

"کیا کہہ رہی ہے کیوں نہیں کھا رہی کھانا۔" ساجی آپا گھا گھرہ اٹھائے اندر آئیں۔

ساجی آپا' بے جی کی بہن تھیں' بیوہ اور بے اولاد علی امداد ان ہی کے گھر رہتا زیادہ تر وہ دونوں ماں بیٹا ادھر ہی پائے جاتے تھے۔

"کہتی ہے آگے پڑھے گی' علی گڑھ جائے گی یا دہلی بھجوا دو آپ ہی بتاؤ آپا' لڑکی ذات کو اتنی دور کیسے بھیجیں اوپر سے ملک کے حالات' کب کیا ہو جائے خبر نہیں' اپنے محلے میں تو سب سے بنی ہوئی ہے کچھ اس کے ابا کا رعب ہے تب ہی امن ہے۔ گھاٹ کے ساتھ جو امین صاحب ہیں ان کو نکال دیا ہے سکھوں نے کہ تمہارا دیس بن رہا ہے نکلو یہاں سے۔" اماں بے بس سی بولیں۔

"ارے دیس بن رہا ہے ناں ابھی...... بنے گا تو چلے بھی جائیں گے۔" ساجی آپا نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

"اری میٹرک تو کرلیا اور کتنا پڑھے گی...... ایسا ہی شوق چڑھا ہے تو عرضی بھیج دے استانی بن جا لکھت پڑھت ہوتی رہے گی تمام عمر۔"

"کہاں مانتی ہے۔" اماں عاجز آئی ہوئی تھیں۔

"علی امداد سے کہتی ہوں' آکر سمجھائے اسی کی مانے گی۔" پڑھنا اس کا شوق ضرور تھا مگر درحقیقت وہ اس محلے' اس گلی سے دور جانا چاہتی تھی' اسے سکھ دیو سے ڈر تو ہمیشہ سے لگتا تھا مگر اب باقاعدہ خوف آنے لگا تھا۔ دن بدن اس کی جرأت اور جسارت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ صرف اسی کی وجہ سے بیلا نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ایک خوف کے حصار میں آ گئی تھی۔ جس عزم سے وہ بیلا کو دیکھتے ہی کہتا۔

"وو ہٹی تے میں تینوں ہی بناواں گا۔" (تجھے میں اپنی دلہن بناؤں گا) اس سے بیلا خوف زدہ رہتی تھی۔

سکھ دیو کا باپ بچپن میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ ماں کا ابھی چند مہینے پہلے انتقال ہوا تھا گھر میں اکیلا ہی رہتا تھا۔ ہندو مسلم فسادات جب سے شروع ہوئے تھے وہ کرپان لیے گھومتا پھرتا۔

"یہ لیگی تو دھن کا پکا نکلا' لگتا نہیں تھا اتنا بڑا کام کر جائے گا۔" ابا رات کھانا کھاتے ہوئے محمد علی جناح کے قصیدے پڑھ رہے تھے۔

"پرکھوں کے اثاثے اور لاشے (زمین میں دفن بزرگ) کیسے چھوڑ کر جائیں گے۔" ساجی آپا متفکر تھیں۔

"جانا تو پڑے گا ہی آپا...... اپنا دیس ہوگا...... اپنا وطن...... یہاں کے روز روز کے دنگا فسادات سے تو جان چھوٹے گی۔" چچا میاں کا انداز تسلی آمیز تھا۔

"رجنی نے یوں تو عہد کیا ہے یہاں سے بحفاظت نکالنے کا مگر مجھے ان سکھوں پر زیادہ بھروسا نہیں' میں نے اپنے طور بھی کچھ انتظامات کر رکھے ہیں۔ آپ سب لوگ اپنی قیمتی اشیاء باندھ لیں...... فیصلے سے پہلے ہی نکل چلیں گے۔" ساجی آپا اور بے جی کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔

یوں تو انہوں نے تیاریاں پہلے ہی کرلی تھیں مگر حالات ایسے ہوتے چلے گئے کہ نکلا ہی نہ جاسکا...... بانو باجی نے صبح ہی ایک بیٹے کو جنم دیا تھا۔ جس کا نام محمد علی رکھا گیا...... ساجی آپا نے پتیلا بھر کھیر بانٹنے کے لیے بنائی تھی۔

علی امداد اور چچا میاں گھاٹ تک گئے تھے۔ کسی کام کے سلسلے میں' بیلا صبح سے اداسی سے ہر چیز کو دیکھ رہی تھی۔ یہ گھر اسے بہت پیارا تھا۔ جہاں اس کا بچپن گزرا تھا' اس کی اور علی امداد کی شرارتیں اور صفی کا ساتھ دینا' علی امداد کے نام پر

Digitized by Google

ڈھیروں ستارے اس کی آنکھوں میں اتر آئے..... اس رمضان اس نے علی امداد کے لیے بہت سی دعائیں مانگی تھیں۔ علی امداد کی لمبی زندگی کی، صحت کی، خوشیوں کی اور ہاں ملن کی بھی، وہ وہیں برگد کے بوڑھے درخت سے ٹیک لگائے خوش کن خیالات میں کھو گئی..... ایک نیا دیس..... ایک نیا وطن..... جہاں گھور کر دیکھنے والا کوئی سکھ دیو نہ ہوگا۔

"آہ....." کسی کیڑے نے اچانک سے کاٹا تھا۔ بیلا ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔ ظہر کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ کمرے سے کپڑے اٹھا کے وہ دیوار پار ساجی آپا کے غسل خانے میں چلی آئی..... ساجی آپا بے جی کے پاس بیٹھی تھیں۔ وہ بیرونی دروازے تک آئی عادتاً گلی میں جھانکا۔ سکھ دیو پھر رہا تھا اسے دیکھتے ہی زیر لب بڑبڑا کر مونچھوں کو تاؤ دینے لگا۔

"بدتمیز....." بیلا نے لکڑی کے دروازے کو اندر سے کنڈی لگائی اور غسل خانے میں چلی آئی۔

غسل سے فارغ ہو کر برگد کے تنے کے ساتھ جاء نماز بچھا کر وہیں نماز ادا کرنے لگی۔ دو نفلوں کی نیت باندھی تھی جب اسے کسی کے کودنے کی آواز آئی۔ ابا میاں بے حد عجلت میں اندر آئے تھے۔

"نکلو جلدی بھاگو..... جتنی جلدی ہو سکے کوچ ان باہر کھڑا ہے۔" وہ بولتے ہوئے بھاگ بھاگ کے چیزیں اٹھٹی کر رہے تھے..... ساجی آپا بے جی کا ہاتھ تھامے باہر کو لپکیں..... صفی، اماں کا ہاتھ تھامے باہر نکلا۔ بانو باجی تیزی سے اٹھیں..... درد کی شدید لہر ان کے پیٹ میں اٹھی وہ وہیں بیٹھتی چلی گئیں۔

"عابدہ دلہن، تم بانو کو لے کر دروازے تک آؤ۔ دلاور دوسرا تانگہ لے کر آیا ہے۔ علی امداد اور اصغر اسٹیشن پر کھڑے ہیں۔" ابا تیزی سے بولتے ہوئے باہر نکلے۔

وہ تیزی سے پڑھتے ہوئے سلام پھیرنے ہی والی تھی کہ جب پیچھے سے کسی نے آ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور کھینچتا ہوا کمروں کے پیچھے لے گیا۔ وہ سکھ دیو تھا۔ وہ مزاحمت کی بھرپور کوشش کر رہی تھی..... اپنے گھر سے اسے بیلا بیلا چلانے کی آواز آ رہی تھی۔ دلاور بھائی اسے اونچی آواز سے پکار رہے تھے..... انہوں نے ساجی آپا کے گھر میں جھانکا اور آواز دی۔ کوئی نہیں تھا۔ برگد کے پیڑ تلے جاء نماز بچھی تھی۔ چلی گئی ہوگی بڑبڑاتے ہوئے وہ بھی الوداعی نظر گھر پر ڈالتے باہر کی جانب بڑھے۔

سکھ دیو سنگھ کو جب ان کے دور چلے جانے کا یقین ہوا تب وہ بیلا کو اسی طرح کھینچتا ہوا پچھلی گلی سے اپنے گھر لے آیا تھا۔

"سکھ دیوا اللہ کا واسطہ ہے مجھے جانے دے۔" وہ رسیوں سے باندھ رہا تھا جب بیلا چلائی۔

"کوئی فائدہ نہیں..... وہ سب چلے گئے۔ نئے دیس چلے گئے۔" وہ چلاتی رہ گئی، سکھ دیوا اسے باندھ کے کمرے کو تالا لگا کے باہر نکل گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

وہ سب الگ الگ بوگیوں میں افراتفری میں سوار ہوئے تھے موت کی آہٹ قریب سے سنائی دے رہی تھی جانے کب کیا ہو جائے، سب سہمے ہوئے تھے۔ ہر دل دھڑک رہا تھا۔ لاہور اسٹیشن پر اتر کر سب اکٹھے ہو کر سجدۂ شکر بجا لائے تھے۔

"بیلا کہاں ہے؟" ابا نے دلاور سے پوچھا۔

"وہ تو آپ کے ساتھ تھی ناں۔" دلاور پریشان ہوا۔

"میرے ساتھ تو نہیں آئی..... میں نے تو جلدی سے ان لڑکیوں کو سوار کرایا تھا باقی سب کو تمہارے ساتھ ہی تو آنا تھا۔"

"لیکن جب میں تانگہ لایا بیلا کہیں نہیں تھی۔ ساجی آپا کے گھر جاء نماز بچھی تھی مجھے لگا عجلت میں آپ کے ساتھ اٹھ بھاگی ہوگی۔"

"ہائے..... بیلا رہ گئی....." اماں دونوں ہاتھوں سے سر تھامے نیچے بیٹھتی چلی گئیں۔ سب کا صدمے سے برا حال تھا۔ علی امداد کے جسم سے جیسے روح نکل گئی تھی۔

"میں دیکھتا ہوں....." دلاور پریشانی سے واپس مڑا علی امداد بھی اس کے ساتھ ہو لیا تھا۔

ہر آنے والے قافلے کے بندے بندے کو دلاور اور علی امداد نے دیکھا مگر بیلا کہیں نہ تھی..... ریل گاڑی کی بھی تلاشی

لی، لٹے پٹے قافلے آرہے تھے..... اکثر ٹرینوں میں سے لاشیں نکلتیں..... مگر بیلا ان میں بھی نہ تھی..... دلاور اور علی لداد نے واپس جانے کی بھی بے حد کوشش کی مگر کوئی سبیل نہ بن سکی۔ علی لداد کو سو فیصد یقین تھا کہ وہ آئے گی ضرور آئے گی، وہ کوئی بچی نہیں تھی..... قافلے آرہے تھے کسی ایک قافلے کے ساتھ تو وہ ضرور ہی آئے گی۔ ہر نئی ٹرین کے آنے پر اس کا دل دھڑک اٹھتا..... دھڑکتے دل سے ایک ایک کا چہرہ کھوجتا اور پھر وہیں بیٹھ کر دعائیں کرنے لگتا۔

انہیں گھر الاٹ ہو گیا تھا۔ سب گھر میں چلے گئے تھے مگر علی لداد خود کو کھو بیٹھا تھا۔ ان کے سامنے شروع شروع میں ایک دو دن گیا گھر پھر چپکے سے نکل آیا۔

ایک دن اسے پتا چلا..... لڑکیوں اور عورتوں کا تبادلہ ہو رہا ہے..... ادھر جو ہندو عورتیں رہ گئیں، ادھر بھیجی جا رہی ہیں۔ ان کے بدلے میں مسلمان عورتیں ادھر سے آرہی ہیں..... اس نے بیلا کا نام بھی لکھوا دیا مگر انتظار..... انتظار ہی رہا۔ لٹی پٹی لڑکیوں کی کہانیاں اتنی خوف ناک تھیں کہ ساجی آپا، بے جی، اماں، چاچی دل چھوڑ بیٹھیں جو تھوڑی بہت امید تھی بیلا کے مل جانے کی وہ بھی جاتی رہی۔ اب تو سب یہی دعا کرتیں کہ اسے موت نصیب ہو گئی ہو عزت کی۔

❁.....❁.....❁

بیلا کو اس اندھیری کوٹھڑی میں بند ہوئے چار دن گزر گئے تھے۔ سکھ دیو دن میں تین چار بار آتا اسے کھانا وغیرہ دینے۔ روروکے بیلا نے اپنا برا حال کر لیا تھا۔ اب تو مزاحمت کے لیے بھی ہمت نہیں رہی تھی۔ شام کو سکھ دیو نے اسے اپنی ماں کی ساڑھی باندھنے کو دی، تھوڑی دیر بعد وہ اندر آیا تو بیلا جوں کی توں بیٹھی تھی۔ سکھ دیو کا پارہ ایک دم ہائی ہو گیا تھا۔

"اسے آرام سے پہن کے ساتھ چل میرے..... عزت تجھے یوں بھی راس نہیں آرہی، چار دن سے رونا برداشت کر رہا ہوں تیرا مسلی..... مجبور مت کر مجھے۔" بیلا کے بالوں کو بے دردی سے جھٹکے دیتے ہوئے وہ غرایا تھا..... بیلا کا بے ساختہ دل چاہا اس کے منہ پر تھوک دے۔

"عزت سے بیوی بنانے جا رہا ہوں تجھے موتیا، تیری سہیلی بھی ادھر ہی ہے۔ رویندر کے تینوں بھائیوں کی اکلوتی بیوی بن کے رہ رہی ہے وہ۔ مجھے ایسی کسی حرکت پر مجبور مت کر....." اس کی خباثت بھری آواز پر بیلا کا روم روم کانپ اٹھا..... خاموشی سے اٹھ کر اس نے ساڑھی باندھی اور سکھ دیو کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"گھونگھٹ نکال لے" دروازے سے باہر نکلتے ہوئے اسے سکھ دیو کی آواز آئی۔

اسے ساتھ لیے سکھ دیو پچھلی گلی کی جانب آیا اور سڑک پار کر کے پگڈنڈی پر لے آیا۔ یہ پگڈنڈی جنگل کی جانب جاتی تھی۔ بیلا کا سارا خوف دم توڑ چکا تھا۔ اس سے برا اور کیا ہو سکتا تھا بھلا وہ چپ چاپ سکھ دیو کے پیچھے چلتی رہی۔ اس کے پاؤں کے نیچے کچھ تھا۔ انگلیوں سے محروم پھیلا ہوا ہاتھ شاید اپنا قصور پوچھ رہا تھا۔ بیلا کو بانو باجی کا علی لداد بے ساختہ یاد آیا۔ اس کے اندر سے سسکیاں سی اٹھنے لگیں۔ یہ سلسلہ محض ہاتھ تک نہ تھا جوں جوں وہ آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ مختلف اعضاء کٹے پھٹے راستے میں نظر آرہے تھے۔

"وہ دیکھ..... یہ حال ہونا تھا تیرا۔ بچا لیا تجھے میں نے....." سکھ دیو نے اس کا ہاتھ ایک دم اپنی جانب کھینچ کے سامنے اشارہ کیا۔

"یا اللہ....." بیلا کا رواں رواں کانپ اٹھا۔

سامنے آم کے پیڑوں سے دس بارہ لڑکیوں کی برہنہ لاشیں لٹکی ہوئی تھیں۔ خون میں نہائی..... کٹے اعضاء اور اکڑے ہوئے بازو..... قیامت سی قیامت تھی۔ سکھ دیو ان کے پاس جاتا ایک ایک لاش کو زور سے ہاتھ مار کر چلاتا۔

"بچا لیا پھر بھی روتی پھرتی ہے تو۔" دو انگلیوں اور انگوٹھے سے اس کا چہرہ دبوچے وہ احسان مند لہجے میں گویا تھا۔

بیلا کا رواں رواں کانپ رہا تھا آنکھیں سختی سے بند تھیں اور پورے وجود پر لرزہ طاری تھا..... وہ یوں ہی آنکھیں بند کیے الٹے پلٹے قدموں سے سکھ دیو کے پیچھے ہولی۔ آگے بڑھتے ہی ذرا سی آنکھیں کھولے اس نے سامنے دیکھا، وہاں ایک نہایت خوب صورت کم سن سی لڑکی کی لاش تھی۔

"جس کے لیے اتنے خوب صورت لوگوں نے قربانیاں

ویں، وہ دیس کیسا ہوگا' میرا دیس..... میرا وطن..... میرا ملک..... میں جاؤں گی ایک دن وہاں ضرور جاؤں گی۔" ایک عزم تھا جس نے بیلا کی ہمت بندھائی تھی۔

آگے پورا ایک قافلہ لٹا پڑا تھا..... بوڑھے..... بچے..... عورتیں..... کہیں کہیں ایک دو نوجوان بھی..... وہ بظاہر آنکھیں نیچی کیے ایک ایک چہرے کو کھوج رہی تھی۔ کہیں اس کا کوئی پیارا۔

"تیرے ہوتے سوتے نہیں ہیں ان میں..... نکل گئے تھے وہ پہلے ہی۔" پیچھے مڑتے سکھ دیو نے اس کا چہرہ پڑھا تھا۔

چہار اطراف سے فصلوں میں گھرا وہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں ایک کچا گھر سکھ دیو کی نانی کا تھا سکھ دیو اسے یہاں ہی لایا تھا۔

"کسے پکڑ لایا ہے رے؟" سکھ دیو کی نانی' کہانیوں کی نانی جیسی تھی۔ سفید بال' جھریوں سے اٹا سفید چہرہ' خمیدہ کمر اور عشق زدہ ہاتھ۔

"نوں (بہو) ہے تیری بے جی۔" سینہ چوڑا کیے پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے وہ کسی فاتح کی طرح بولا۔

"مسلی ہے کیا؟" ہاتھوں سے بیلا کو ٹٹولتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی۔

"اس سے کیا بے جی جو بھی ہو..... ہمارے ساتھ ہماری طرح رہے گی۔"

"ارے ان مسلیوں کے دل سے ان کا دھرم نہیں جاتا۔"

"نہ جائے..... ہمیں دھرم سے کیا لینا..... تو یہ بتا رکھ تو لے گی ناں۔"

"ارے واہے گرو کی کرپا سے یہ تمہارا ہی تو ہے' جم جم آؤ..... رہو..... پھولو..... بڑھو....." نانی بھی اپنی تنہائی سے اکتائی ہوئی لگتی تھی۔

❁.....❁.....❁

دوپہر کو وہ چولہے کے پاس بیٹھی تھی جب سکھ دیو اس کے قریب آیا۔

"کہا تھا ناں..... تجھے ہی دیش بناؤں گا۔" اسے بغور دیکھتا اس نے کہا۔ بیلا چپ رہی۔ وہ چپ ہی رہتی تھی زیادہ تر اب۔

"کچھ بولے گی نہیں۔" سکھ دیو نے بغور اسے دیکھا۔

"ایک بات پوچھوں۔" بیلا نے بے حد آس سے پوچھا۔

"ہاں پوچھ۔"

"اگر میں اپنے وطن جانا چاہوں تو اس کی کیا قیمت لو گے تم۔"

"تیری زندگی..... پوری زندگی..... دن رات..... صبح' شام اگر تو میرے ساتھ ہنسی خوشی بتائے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ مرنے کے بعد تجھے تیرے دیش پہنچا دوں گا....." بیلا کو اس کا لہجہ نہایت سفاک لگا تھا۔

"ایک بات سن بیلا' یہ دیش ویش کچھ نہیں ہوتے۔ سب مٹی، درخت، ہوا، پانی ایک سے ہیں..... جس جگہ آپ ہو وہی دیش ہے۔ واہے گرو نے سب ایک جیسا بنایا ہے۔ جہاں آپ خوش وہی آپ کا دیش..... بھلا بتا' یہاں کیا تنگی ہے تجھے۔ پہلے نانی تھی' کبھی کبھار بول دول لیتی تھی پر اب تو ہی مالکن ہے..... سیاہ سفید کی..... پھر بھی خوش نہیں رہتی۔"

وہ خوش کیسے رہتی بھلا اس کا دل اس کے وطن میں دھڑکتا تھا۔ جہاں اس کے گھر والے جا چکے تھے' جانے وہ کبھی ان سے مل پائے گی یا نہیں۔

ہمت کرتی تو وہ یہاں سے نکل بھاگتی..... پر اس کے بعد..... اسے جنگل میں آم کے پیڑوں سے لٹکتی برہنہ کٹی پھٹی لاشیں یاد آتیں..... کنوئیں سے پانی بھر کے لاتے وہ چہار اطراف دیکھا کرتی۔ کہیں کوئی راستہ، سرنگ، پگڈنڈی نہ ملتی جو سیدھی اس کے وطن کو جاتی ہو..... بیلا کا دیس دور تھا..... بہت دور۔

❁.....❁.....❁

اینٹیں ڈھوتے علی امداد نے دور بہت آس سے دیکھا۔ سرحد کے اس پار اس کی زندگی' اس کا دل تھا' جینے کا سامان تھا' اسے یقین تھا اس کی بیلا زندہ ہے۔ وہ آئے گی..... ایک دن ضرور آئے گی۔ لاہور ریلوے اسٹیشن پر اس نے کتنے ہی دن

گزارے تھے۔ قافلے کی آخری ٹرین تک..... آخری فرد تک کو کھو چکا تھا لیکن بیلا نہیں تھی۔ اسے بیلا سے صرف محبت ہی نہیں اسے تو بیلا سے عشق تھا اور اب وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح پھرا کرتا تھا۔ ابھی بھی سرحد کے اس طرف بارڈر کے قریب آرمی کی کوئی عمارت بن رہی تھی وہ وہاں مزدوری کر رہا تھا۔ بار بار وہ ایک نظر ادھر بھی ڈال لیتا کہ شاید کوئی جھلک ہی نظر آ جائے۔

وہ پاس تھی تو کبھی احساس تک نہ ہوا کہ وہ زندگی کے لیے اتنی ضروری ہے۔ اب پاس نہیں تھی تو رگ رگ کتنی محسوس ہوتی تھی۔ وہ اٹھا اور سامان باندھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ دونوں ممالک کے تعلقات کشیدہ ہیں وہ قانونی طور سے کبھی اسے ڈھونڈنے وہاں نہیں جا سکتا لیکن یہ طے تھا کہ اسے بارڈر کے قریب کسی علاقے میں جانا ہے..... جہاں بیلا کے ہونے کا احساس رہتا تھا۔

❁.....❁.....❁

گاؤں میں سے کبھی کبھار کوئی عورت اس کے پاس آ کر بیٹھ جایا کرتی تھی..... بیلا تو چپ رہتی وہ خود ہی باتیں کرتی اور بیزار ہو کر اٹھ جاتی۔ گیتی تو ہر دوسرے دن آ جاتی چکی پر دانے پیسنے کے بہانے..... بیلا بھی پاس بیٹھی مدد کروا دیا کرتی۔ آج بھی دونوں چکی کے قریب بیٹھی تھیں..... گیتی مٹھی بھر بھر دانے اندر ڈالے جاتی، بیلا چکی گھماتی جاتی..... گیتی نے ایک ہاتھ سے ہتھی بھی پکڑ رکھی تھی۔ دوپٹا ایک طرف رکھا تھا۔ چکی کی ہتھی گھماتے بیلا کی نظر اس کے وجود پر پڑی تو اسے الجھن ہونے لگی..... عجیب سی گھن کا احساس اس کے اندر جاگا تھا۔ وہ وہیں سب چھوڑ چھوڑ کے اندر کی جانب آ گئی..... کتنے ہی سال ہو گئے تھے اپنوں کو دیکھے بے جی اور ساجی آپا تو جانے زندہ بھی ہوں گی یا نہیں..... اماں، ابا، چاچا، چاچی، صفی، ولاور بھائی، بانو باجی اور علی اللہ ڈو سب اسے بہت یاد آ رہے تھے۔

”علی اللہ ڈو جس کی آنکھوں میں دن میں بھی جگنو اترتے، ستارے چمکتے تھے اور وہ سب خواب جو دونوں نے ایک دوسرے سے کہے نہیں تھے، مگر مل کے بنے تھے..... ان کئی خواہشیں جو دونوں کو مل کر پوری کرنا تھیں۔“

”آہ میرا دیس..... میرے دیس کے باسی.....“ وہ سب کو یاد کرتے ہوئے بلک رہی تھی..... روتے ہوئے اس کے پیٹ میں ٹیس سی اٹھی، تکلیف کا احساس جاگا..... نفرت کا بھرپور احساس اس کے اندر اٹھا وہ باہر لپکی..... گیتی آٹے کی پرات اٹھائے جا رہی تھی۔ اس کے وجود کو بیلا نے نفرت بھری نگاہ سے دیکھا اور کچی سیڑھیوں کی جانب آ گئی۔ آخری سیڑھی پر بیٹھتے ہی اس نے قلابازی کھائی۔ دس بارہ سیڑھیوں سے لڑھکتی وہ نیچے آ گری..... تکلیف حد سے سوا تھی۔ نیچے آنے تک ہی جگہ کی وجہ سے کوئی گہری چوٹ نہ آئی تھی۔ اسے سکھ دیو سنگھ کی نسل نہیں بڑھانا تھی۔ وہ سکھ دیو کو نا جانے کیسے برداشت کر رہی تھی۔ یہی تکلیف بہت تھی۔

❁.....❁.....❁

ملگجے اندھیرے نے ابھی سویرے کا چولا نہ پہنا تھا' آنکھیں ملتی بیلا اٹھی تو بان کی چارپائی چرچرائی۔ سکھ دیو نے آنکھیں کھول کے ایک نظر بیلا کو دیکھا..... چند لمحوں بعد وہ واپس آ کر لیٹ گئی۔ سکھ دیو نے اس کی بھیگی کلائیوں اور چہرے کو دیکھا آنکھیں بند تھیں البتہ ہونٹ ہل رہے تھے۔ دائیں ہاتھ کی انگلی کھڑی تھی۔ سکھ دیو کو ہنسی آ گئی۔ بے چاری چپکے چپکے اپنے رب کی پوجا کر رہی ہے سکھ کی پتنی ہو کر..... سکھ کے گھر میں بیٹھ کر۔

”بیساکھی کا تہوار شروع ہو رہا ہے کل سے چلو گی؟“ اس نے اچانک پوچھا تو بیلا نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں۔

”تمہاری مرضی.....“ بیلا آہستگی سے بولی۔

شروع دنوں میں سکھ دیو کا اس کے ساتھ برتاؤ اچھا تھا، حالانکہ تب بیلا مزاحمت بھی بہت کیا کرتی تھی..... اس کے بعد آہستہ آہستہ جارحانہ ہوتا گیا۔ بات بہ بات مار کٹائی، گالم گلوچ..... اب آہستہ آہستہ پھر نارمل ہوتا جا رہا تھا۔ ابھی بھی غصہ آتا تو وہ بیلا کو دھنک کے رکھ دیتا مگر پہلے والا حساب نہ تھا۔

”کل صبح تیار رہنا۔“ آنکھیں دوبارہ موندنے سے پہلے اس نے بیلا کو ہدایت دی۔

اگلے دن بیلا کو ساتھ لیے وہ پیدل ہی چل پڑا۔ تین کلو

Digitized by Google

میٹر کے فاصلے پر میلہ لگا تھا۔ ہر سو چہل پہل سی تھی..... ڈھول کی آواز دور سے ہی آرہی تھی۔ زیادہ تر لوگ ننگے پاؤں ہی تھے۔ عورتیں شوخ رنگوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ جشن کا سا سماں تھا۔ سکھ دیو جو بھی چیز لینے کو کہتا بیلا انکار کردیتی..... اسے ایسے منظر اب خوشی نہ دیتے تھے۔ عجیب وحشت اس کے وجود میں برپا تھی۔ دل چاہتا ابھی یہاں سے بھاگ جائے لیکن ایک خوف تھا اس کے اندر بیٹھا ہوا..... اسے پکڑ لیا جائے گا۔

"مسلی ہے..... مسلی ہے۔" کہہ کر سنگسار کردیا جائے گا یا اسے جنگل میں درختوں سے لٹکتی لاشوں کے ساتھ لٹکا دیا جائے گا۔

❁.....❁.....❁

ماہ وسال نے ایک سا چولا پہن رکھا تھا۔ دن ایک سی چھب روز دکھلاتا اور گزر جاتا۔ راتیں ایک سی تاریک اور طویل بیلا کے سر میں چاندی جھانکنے لگی تھی۔ وجود خزاں زدہ ہوا جاتا تھا لیکن اپنے پیاروں سے ملنے کی امید ابھی بھی اس کے اندر نہ صرف زندہ تھی بلکہ جوان تھی۔

سکھ دیو کا دوست آیا ہوا تھا۔ بیلا اس کے کھانے کے انتظام میں لگی ہوئی تھی۔ آلو پیاز چھیل کے مٹی کی ہانڈی میں ڈالے' چولہے کے نیچے سرکنڈوں میں آگ سلگائی اور چھلکے پھینکنے کو چوکی سے اٹھی..... سکھ دیو اور اس کا دوست باتوں میں محو تھے۔

"ارے ایویں بکواس کرتے ہیں سفارتی تعلقات والے..... یہ آلو جو اس بار کم ہوئے ہیں تو ادھر سے منگوائے ہیں..... یہ مسلوں کے ہاتھوں کی محنت ہے، جس کی ہم بھاجی بنا رہے ہیں۔" آلو کے چھلکے کوڑے میں پھینکتی بیلا ایک دم ٹھٹھکی' سب چھلکے آنچل میں چھپائے' اندر چلی آئی۔

میرے وطن کی مٹی..... میرے دیس کی مٹی کا ہنر..... وہ آلوؤں کے چھلکوں کو چومتی اور روتی جاتی تھی۔

رات اس نے روٹی نہایت رغبت سے کھائی تھی۔ اسے لگا تھا شاید صدیوں بعد کوئی لقمہ حلق سے اترا ہے۔ آلوؤں کے چھلکے بیلا نے نہایت تقدس سے کاغذ میں لپیٹ کے کپڑوں میں چھپا دیے تھے۔ رات کتنے ہی موتی اس کی پلکوں سے ٹوٹ کر بکھرے تھے۔

"کیا کبھی کسی قلم کار کے نوک قلم سے میرے جذبے لکھے جائیں گے؟ میری کہانی پڑھی جائے گی یا میں بھی ان درجنوں لڑکیوں کی طرح گمنام بھلا دی جاؤں گی۔ وطن کے لیے میری قربانی پوشیدہ ہی رہے گی۔" رات اس کے سوالوں سے نظر چراتی گزر رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

کھانسی کا ایک شدید دورہ تھا، جس کی زد میں اس وقت سکھ دیو آیا ہوا تھا۔ آٹا گوندھتی بیلا بھاگ کر آئی۔ گھڑونچی سے گلاس میں پانی نکالا اور سکھ دیو کے لبوں سے لگایا دوسرے ہاتھ سے پیٹھ سہلائی۔ کافی دنوں سے سکھ دیو کو کھانسی ہو رہی تھی۔ حکیم سے پڑیا لایا تھا مگر کوئی خاص فرق نہ پڑا تھا کھانستے کھانستے وہ دہرا ہو جاتا..... بیلا پانی لبوں سے لگاتی' پیٹھ سہلاتی..... مگر اب تو کھانسی کے ساتھ بلغم اور خون کا فوارہ سا نکلتا..... غلاظت سے کپڑے بھیگ جاتے۔ بیلا خاموشی سے سب صاف کردیتی۔ کپڑے تبدیل کرواتی..... خود اس کے بوڑھے ہاتھوں میں اب استقلام نہ ہا تھا مگر جتنا ہو سکتا ضرور کرتی۔

"تجھے مجھ سے گھن نہیں آتی' نفرت محسوس نہیں ہوتی؟" سکھ دیو پوچھتا۔

"میرے دین نے مجھے بیمار سے نفرت نہیں سکھائی۔"

"اور حالات نے؟"

"حالات کا کیا بھروسا' حالات میں مذہب جتنی طاقت نہیں ہوتی۔"

"ایک بات سن....." وہ جانے لگی تھی کہ سکھ دیو نے اپنے بوڑھے کانپتے ہاتھوں سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ایک بار تو نے پوچھا تھا ناں..... اپنی رہائی کی قیمت' میں نے زندگی کہا تھا..... تو نے چکا دی قیمت بیلا..... تو نے قیمت چکا دی..... میں رہائی کا پروانہ دیتا ہوں۔ جا تجھے قید سے آزادی کی نوید دیتا ہوں..... تجھے تیرے دیس کی مٹی مبارک ہو بیلا..... جا اپنے دیس چلی جا۔" یہ ایک ایسی بات تھی جسے سننے کو بیلا کے کان برسوں ترسے تھے۔ امید کے

Digitized by Google

دیے کو اس نے بجھنے نہیں دیا تھا..... خوشی سے بیلا کا جسم رعشہ زدہ ہو گیا تھا۔

❁.....◉.....❁

سہ پہر ڈھلی تو ریت نے گرم لبادہ آہستہ آہستہ بدلنا شروع کیا۔ کیپٹن احمد نواز نے پردہ سرکا کر باہر جھانکا۔ بوڑھا اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے خیمہ ٹھیک کر رہا تھا۔ آج ریت کا طوفان آیا تھا۔ جس نے ہر چیز تلپٹ کر دی تھی۔ چھوٹے موٹے ریتیلے طوفان اکثر ہی آیا کرتے تھے۔ صد شکر کہ بڑا طوفان کبھی نہ آیا تھا۔ ورنہ بوڑھا ریت کے اندر دھنسا ملتا۔ اپنی پہلی پوسٹنگ سے بھی پہلے اس نے بوڑھے کو یہاں پایا تھا۔ تنہا ہر چیز سے بے نیاز۔ یہاں تعینات افراد کے لیے جو کھانا آتا اس میں اسے بھی شریک کر لیا جاتا۔ وہ نہایت کم بولتا بس پہروں بارڈر کے اس جانب تکتا رہتا تھا۔

بارڈر کے اس جانب بھی صحرا ہی تھا، کسی ذی روح کا نظر آنا ناممکنات میں سے تھا۔ پھر جانے بوڑھا کسے تکتا رہتا تھا کل سے شدید بخار کی لپیٹ میں تھا۔ صبح ناشتے کے بعد احمد نواز نے اسے دوائی کھلائی' بے حد لاغر ہو رہا تھا۔ آج احمد نواز چھٹی پہ جا رہا تھا۔ اپنے سب ساتھیوں سے زیادہ وہ ہی بوڑھے کا خیال رکھتا تھا۔ آج بھی ضرورت کا تمام سامان، پانی اور خوراک کے ڈبے وہ بوڑھے کے خیمے میں رکھ کر جا رہا تھا۔ افسردہ دل سے اس نے بوڑھے کو اللہ حافظ کہا۔ اسے نجانے کیوں بوڑھے سے اپنائیت سی محسوس ہونے لگی تھی۔

❁.....◉.....❁

پچھلے دو دن سے سکھ دیو کہیں غائب تھا۔ بے حد خراب طبیعت میں اسے آزادی کی خوش خبری سنا کر خونجانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ بیلا کا رواں رواں خوشی سے کانپتا رہتا تھا۔ اسے لگتا یہ خوشی اس کی جان ہی لے لے گی۔ وہ اپنے دیس جا رہی تھی۔ اپنے وطن..... اپنے ملک اپنے پاکستان میں..... خوشی سے اس کا دل گویا پھٹا جا رہا تھا۔ وہ اپنوں میں جا رہی تھی..... نجانے کون کون زندہ ہوگا۔ وہ خود بوڑھی ہو گئی تھی..... اس کے بوڑھے تو قبروں کو سدھار چکے ہوں گے۔ چلو قبریں دیکھ ہی لے گی فاتحہ ہی پڑھ لے گی۔

دلاور بھائی تو ہوں گے ہی۔ بانو باجی اور اس کے بچے صفی اور علی امداد بھی تو..... اس کی دھڑکنیں علی امداد کے نام پہ رک سی گئیں۔ کیا امداد علی میرا منتظر ہوگا؟ پھر خود ہی مسکرا دی۔ ایک امداد علی ہی کیوں سارا ملک میرے انتظار میں ہوگا۔ سب کھڑے ہو کر میرا استقبال کریں گے۔ جشن منائے جائیں گے، چراغاں ہوگا..... میں اپنی جوانی، اپنے ماہ و سال اس ملک کے لیے قربان کر کے آ رہی ہوں۔ استقبال میرا حق ہے..... بیلا آ گئی۔ بیلا اپنے دیس آ گئی، کی صدائیں ملک بھر میں گونجیں گی۔ سوچتے سوچتے وہ تھک کے کرسی گئی۔

"نہیں نہیں مجھے ابھی نہیں مرنا..... مجھے اپنے دیس جانا ہے....." ہانپتی کانپتی وہ تمام توانائیاں جمع کر کے اٹھی اور پانی پینے لگی۔ زندگی میں پہلی بار وہ موت سے خوف زدہ ہوئی تھی۔

شام سے ذرا پہلے سکھ دیو آ گیا تھا اور اسے ساتھ چلنے کو کہا تھا۔ بیلا ان ہی کپڑوں میں ان ہی قدموں سے چل پڑی تھی۔ وہ اپنے وطن جا رہی تھی۔ اپنے دیس..... اپنے پیاروں کے پاس۔ رات انہوں نے کسی جنگل میں بسر کی تھی۔ مسافت ایسی طویل ہوئی جا رہی تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی یا شاید بیلا ہی زیادہ پُرجوش ہو رہی تھی..... گھر سے پیدل نکلے تھے۔ پھر ایک لوکل بس میں سفر کیا تھا۔ تڑکے اٹھ کے پیدل چلے تھے۔ وہاں سے تانگہ لے کے سکھ دیو کے دوست کے گاؤں آئے تھے اور اب پھر سے سفر جاری تھا۔

بیرونی طور سے بیلا کا تھکن سے بڑا حال تھا اور اندرونی طور سے خوشی سے۔ زیادہ تر وہ گھر میں ہی رہی تھی۔ عرصہ دراز بعد سفر کر رہی تھی۔ تب ہی سفر نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔ بوڑھا جسم حرارت زدہ ہو رہا تھا۔ یہ اس کی اندرونی خوشی ہی تھی۔ جس نے اس کے اندر توانائی بھر دی تھی۔ ورنہ جسمانی طور سے تو وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔

یہ اس سے بھی اگلے دن صبح کی بات ہے۔ جب دونوں صحرا میں جا پہنچے تھے..... بیلا سے قدم اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا۔ سکھ دیو کی کھانسی کا بھی برا حال تھا۔ خون تھوک تھوک کر وہ نڈھال ہوا جا رہا تھا۔

"بس بیلا ذرا سی اور ہمت..... تیرا دیس بلا رہا ہے

Digitized by Google

تجھے....." ہانپتے سکھ دیو نے اس کی ہمت بندھائی تھی۔ چند ہی قدم آگے چلے تھے کہ ایک باڑ سی نظر آنے لگی۔

"دیکھ بیلا..... وہ باڑ کے اس طرف تیرا دیس ہے..... میں نے سب پتا کروالیا ہے کوئی تجھے کچھ نہ کہے گا ادھر..... ادھر تو تیرے اپنے لوگ ہی ہوں گے ناں، یہاں زیادہ سخت پہرہ نہیں لیکن پھر بھی جلدی نکل لے....." ہانپتا ہوا سکھ دیو نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ سکھ دیو کی حالت خراب ہو رہی تھی..... بیلا تذبذب میں پڑ گئی تھی۔

"جا بیلا جا....." بیلا نے مڑ کے دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ باندھے ہوئے تھا۔ آنکھوں سے آنسو پونچھے..... لفظوں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

وہ شخص تھا جس سے اس نے بے پناہ نفرت کی تھی اور یہی وہ شخص تھا جو اسے زندگی کی سب سے بڑی خوشی دینے چلا تھا۔ آنسو صاف کرتی وہ آگے بڑھی..... چند قدم عبور کر کے پھر پیچھے دیکھا۔ سکھ دیو وہیں بیٹھا تھا..... بیلا کی اپنی سانس گلے میں اٹکنے لگی مگر ہمت، موت کو شکست دینے والی تھی۔ لرزتے ہانپتے اس نے باڑ عبور کر کے اس نگری کو الوداع کہا۔ توانائی مجتمع کر کے چند قدم آگے بڑھ کے سجدہ ریز ہو گئی..... اس دھرتی کو چومنے کی خاطر کتنے سال بتا دیے تھے..... وہ اپنے دیس آ گئی تھی..... اپنے وطن میں..... اپنے ملک میں..... اپنی نگری میں..... اس سا خوش قسمت بھی کوئی ہو گا۔

ریت کی خوشبو اس نے اپنے اندر بسائی..... آس سے اٹھا نہیں گیا۔ وہ یونہی لیٹے لیٹے آگے رینگنے لگی..... وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔ اس کا ایمان مکمل ہونے جا رہا تھا..... وہ سرکتے سرکتے ہانپنے لگی تھی کہ اسے سامنے سبز ہلالی پرچم لہراتا نظر آیا..... ایک نئی توانائی اس کے اندر ابھری تھی وہ پھر سے رینگنے لگی۔

❁.....❁.....❁

بوڑھے بے ہوش پڑے وجود میں جان کی ذرا سی رمق باقی تھی..... وہ خیمے سے ذرا دور بے سدھ پڑا تھا۔ صبح سے وہ اسی حالت میں تھا۔ یونہی ریت پہ الٹا چت لیٹے اس نے بازو پھیلا رکھے تھے۔

"تو پھر یہ طے ٹھہرا بیلا کہ میں جیتے جی دوبارہ تمہیں نہیں دیکھ سکتا....." نیم جاں آنکھوں سے سامنے دیکھتے وہ بڑبڑایا اور اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اس سے ذرا سے فاصلے پر اسی کے انداز میں کوئی نسوانی وجود لیٹا تھا۔

"بیلا.....؟" علی لداد کی بوڑھی، انتظار کھائی آنکھوں میں بے یقینی ابھری۔

"بیلا....." وہ چٹخا۔ بند ہوتی پلکوں کو پوری ہمت سے دوبارہ کھول کر بیلا نے سامنے دیکھا۔

"علی لداد....." بند ہوتے ہونٹ ذرا سے ہلے تھے۔ خوشی کی ایک زوردار لہر اس کے بے جان ہوتے وجود میں دوڑ گئی تھی۔

علی لداد پوری جان لگا کر آگے سرکا مگر ہانپتے ہوئے ریت میں دھنس سا گیا۔ آخری بچی کھچی ہمت اس نے جمع کی اور ہاتھ آگے سرکایا اور بیلا کے بوڑھے استخوانی ہاتھ کو اس کے ہاتھ نے ڈھانپ لیا..... بند آنکھ کی جھری سے بیلا نے دیکھا اور مسکائی..... وہ اپنے وطن میں اپنے پیاروں کے پاس پہنچ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

قلم کار نے دکھتے ہاتھ کو دبایا..... بھیگی گزری رات سے آنکھ چرائی اور اختتام کو سوچنے لگی مگر محبت کا اختتام کہاں ہوتا ہے؟ محبت وطن سے ہو یا محبوب سے، چاہنے والے فنا ہو جاتے ہیں، محبت باقی رہتی ہے، اس کا سفر چلتا رہتا ہے، محبت جو کائنات کی اساس ہے، اس کا کوئی اختتام نہیں۔

شہادت گہ الفت

خدیجہ جلال

آرمی ہیڈ کوارٹر کے وسیع و عریض گراؤنڈ میں پُروقار اور شاندار تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ پنڈال کی سجاوٹ میں ایک حزن سا تھا جو سب کو محسوس ہو رہا تھا۔ بوڑھے، جوان، بزرگ عمر رسیدہ، پڑھے لکھے دیہاتی ملک کے ہر خطے اور شہر و دیہات کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ہر چہرہ کچھ سنجیدہ، کچھ غم زدہ، کچھ ملول مگر اس حزن میں وقار اور سنجیدگی و متانت میں مروت عیاں تھی۔ مجھے روشن اور چمکدار چہروں کے پیچھے ایک عزم و ہمت اور کچھ کر گزرنے کا جذبہ نظر آرہا تھا۔ مجھے چہرے پڑھنے کا شوق ہے اور یہی اندر کی اِن کہی کہانیاں سننے کا جذبہ صحافت میں لے آیا تھا۔

جرنلزم میں ماسٹر کرنے کے بعد ایک جریدہ میں ملازمت اختیار کی اور اسی جریدہ کی رپورٹر کی حیثیت سے میں اس تقریب میں شامل تھی اور یہ شاندار تقریب مادرِ وطن پر جان نچھاور کرنے والوں کی یاد اور اعزاز میں منعقد کی گئی تھی جس میں ان کے لواحقین اور وارثین نے شرکت کرنی تھی۔

دنیا کے نقشے پر بننے والے اس نظریاتی اسلامی ملک پر اللہ کی خاص عطا ہے۔ مدینہ منورہ کے بعد دوسرا نظریاتی ملک ہے، یہ عہد کیا گیا اللہ کی حاکمیت قائم کی جائے گی اور کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی کی جائے گی، اس وقت قریہ قریہ اور بستی بستی یہ نعرے بلند ہو رہے تھے۔ ”پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ“

ان نعروں کی بازگشت آج بھی سنی جا رہی ہے مگر وہ مقصد تشنہ تکمیل ہے۔ جتنا بڑا مقصد اور جتنا بڑا دعویٰ ہو قربانی بھی اتنی بڑی دینی پڑتی ہے۔ یہ دعویٰ آزمائش اور امتحان کا مطالبہ کرتا ہے۔

”تم کہو ایمان لائے اور آزمائے نہ جاؤ گے۔“

ہر محبت امتحان لیتی ہے، پھر وہ محبوب حقیقی بھی محبت کا دعویٰ کرنے والوں کو آزمائش کی کٹھالی میں ڈال کر کھرا اور کھوٹا الگ کرتا ہے اور پھر خالص سونا قبول کرتا ہے، اسے کھوٹ اور ملاوٹ پسند نہیں، اور ہم روز اول سے امتحان ہی تو دے رہے ہیں قیام پاکستان کے لیے..... جوانوں کی زندگیاں قربان ہوئیں، بچے ذبح کیے گئے، عورتوں نے عزتوں کی قربانی دی، خون ہی خون لاشیں ہی لاشیں، مسلمانوں کی دوسری بڑی ہجرت گھر بار، لولا ڈال، جان ہر چیز کی قربانی دے کر لٹے پٹے قافلے اترے..... مگر اس بے سروسامانی میں بھی عزم جوان تھے اور پھر وہ ملک دنیا کی چھٹی بڑی اور اسلامی دنیا کا پہلا ایٹمی ملک بنا جو سوئی بنانے پر قدرت نہ رکھتا تھا۔

لیکن اپنوں کی غداریوں اور دشمن کی ریشہ دوانیوں نے کبھی چین کا سانس لینے نہ دیا۔ ابھی سر اٹھایا ہی تھا کہ دشمن نے شب خون مارا اور جنگ چھیڑ دی۔ ابھی اس جنگ سے سنبھلے بھی نہ تھے اور ملک دولخت ہو گیا۔ خون ہی خون، لاشیں ہی لاشیں، قربانیاں ہی قربانیاں..... ہم اپنے کن کن محافظوں کو یاد کریں اور پھر ایک ایسی جنگ چھڑ گئی جسے سپر پاور نے صلیبی جنگ کا نام دیا اور اسے ہمارے ملک میں لے آیا۔ جو ہم پر مسلط کی گئی۔ ہمارے شہروں پر خودکش حملے ہونے لگے اور ہمارے بارڈر محفوظ نہ رہے، یہ چوتھی جنگ ہم سے کتنا بڑا خراج وصول کر رہی ہے..... ہمارے پُرامن سویلین ہزاروں کے حساب سے مارے گئے..... تعلیمی اداروں کے معصوم بچے کس بے رحمی سے ذبح کیے گئے اور شہر شہر گاؤں گاؤں، بستی بستی شہدا..... ملک میں ہر طرف یہی آوازیں تھیں اور آج ان ہی شہدا کو خراج تحسین پیش کرنے ہم اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہ کیپٹن جواد کی بیوہ ہیں۔

”شادی کے دو مہینے بعد جواد نے مادرِ وطن پر جان قربان کر دی..... ہمارا ساتھ بہت مختصر تھا مگر وہ شہادت کے جذبے سے سرشار تھا۔ اسے صلاح الدین ایوبی سے انتہائی عقیدت تھی، اس کے پاس اس عظیم سپوت پر کئی کتابیں تھیں۔ ساری زندگی ایوبی نے جہاد میں گزاری، اسے امن میسر نہ ہوا تھا اور اس نے وصیت کی تھی کہ میری تلوار کو میری قبر میں میرے ساتھ دفن کیا جائے۔ روزِ حشر میں اس تلوار کو گواہ بنا کر اللہ سے معافی کا خواستگار بنوں گا اور نبی آخر

الرسول ﷺ سے شفاعت کا طلب گار ہوں گا کہ آپ ﷺ کی امت کے لیے ساری زندگی میں نے اس کے ساتھ جہاد کیا۔ جس کی ساری زندگی جہاد میں گزری اور جس کی خواہش تھی کہ اسے حج کی سعادت ملے اور جب فرصت میسر آئی تو اس کے پاس حج کے لیے زادِ راہ نہ تھا۔

کیپٹن جواد اپنے ہیرو کے نقشِ قدم پر چلتے جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور اپنی جان قربان کردی۔ شہید مرتے نہیں ہمیشہ کی زندگی پاتے ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اس کا بیٹا ہوا اس کے ہیرو کے نام پر اس کا نام صلاح الدین رکھا۔ میں اسے لوریوں میں اپنے شہیدوں کی داستانیں سناتی ہوں میں بڑے ہونے پر اسے پاک فوج کے حوالے کروں گی۔"

یہ جذبے مجھے اپنی تاریخ کے گمشدہ باب یاد دلاتے ہیں۔ وہ کیسے لوگ تھے دیو مالائی داستانیں ناقابلِ یقین قربانیاں وہ قادسیہ کے میدان میں ہیں دشمن کہتا ہے دیو آمد..... دیو آمد اور وہ دیو بے سروسامان فاقہ مست پُرجوش جنہوں نے سپر پاور کو تاریخ میں دفن کردیا۔

وہ بھی مدینہ منورہ کی نوبیاہتا دلہن ہی تھی کہ اس کے دولہا کو جہاد کا حکم ملا۔ وہ اپنے گھوڑے پر جہاد کے لیے نکلا اور جمع پونجی جو تیس ہزار درہم تھی اپنی دلہن کے حوالے کرکے اسے اللہ کی حفاظت میں دے کر روانہ ہوگیا۔ وہ براعظموں پر براعظم کوسوں اور میلوں کا جہاد کرتا دریا عبور کرتا پہاڑ روندتا برسوں بیت گئے جوانی نے بڑھاپے کا روپ دھارا اور وہ تھکا ہارا مسافر رات کو گھر لوٹا۔ دروازے پر دستک ہوئی اندھیرا ہر سو پھیلا ہوا تھا ایک خوبرو جوان دروازہ کھولتا ہے وہ مسافر گھوڑے سمیت اندر آنا چاہتا ہے جوان اسے روکتا ہے اندر سے ماں کی آواز آتی ہے بیٹا اجنبی کو آنے دو، وہ گھر میں آتا ہے اور صبح دم مسجد نبوی ﷺ میں جاتا ہے، نماز ادا کرنے کے لیے کچھ دیر حدیث کے درس میں شریک ہوتا ہے اور پھر گھر لوٹ آتا ہے۔ ناشتہ کرنے کے بعد گھر کی طرف دیکھتا ہے گھر میں کوئی تبدیلی اسے نظر نہیں آتی۔ وہ بیوی سے پوچھتا ہے جو اتنی بڑی رقم دی تھی تو نے اس کا کیا کیا؟

بیوی کہتی ہے تم مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنے گئے تھے حرم میں تم نے درسِ حدیث کو سنا ہے وہ کہنے لگے ہاں نوجوان بہت بڑا عالم تھا متاثر کن درس تھا۔ بیوی بتاتی ہے وہ تمہارا بیٹا ہے اس کا شمار وقت کے نمایاں محدثین میں ہوتا ہے۔ میں نے وہ سرمایہ تیرے بیٹے کے علم پر لگادیا۔

ہماری تاریخ میں کتنے بڑے بڑے روشن اور نمایاں مینار ہیں۔ میں کس کس کا ذکر کروں میری تاریخ آج بھی بانجھ نہیں۔ وہ باہمت خاتون سب کے دلوں کو گرماتی اپنے شوہر کی یادوں کو دہراتی نیچے اتر آتی ہے۔ اب حوالدار احمد خان کا باپ اسٹیج پر آتا ہے بیٹے کا تمغہ لیتا ہے اور یوں اپنی بہادری کا آغاز کرتا ہے۔

"میرے تین بیٹے ہیں۔ میں نے پاک فوج میں انہیں بھیجا آج میرے بڑے بیٹے نے شہادت کا رتبہ پاکر اپنی مراد کو پا لیا..... مجھے اپنی فوج پر فخر ہے اپنے جاں بازوں پر ناز ہے اور میرے بیٹے نے مجھے سرخرو کیا ہے۔

ایسے پتر ہٹاں تے نہیں وکدے۔

اور مول بھی نہیں خریدے جاتے۔

Digitized by Google

آج بھی دشمن حیران اور پوری دنیا انگشت بدنداں ہے کہ یہ کیسے جان فروش ہیں کہ ہر ایک موت کا آرزومند ہے اور کیسے والدین ہیں، کیسے بہن بھائی، عزیز، رشتہ دار اور دوست لواحقین ہیں جو موت کو شہادت اور ابدی حیات کہتے ہیں۔ مبارک بادیں وصول کرتے ہیں اور آرزو کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جان دینا کچھ بھی نہیں۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ جان دی ہوئی اسی کی تھی، اس کی امانت اس کو سونپ دی۔ اس کے مقابلے میں دشمن کے سپاہ کو دیکھیں، بھگوڑے بن جاتے ہیں، نفسیاتی مریض اور جب میت گھر پہنچتی ہے تو کہرام مچا دیتے ہیں۔ طوفان اٹھتا ہے۔ ہر طرف احتجاج ہی احتجاج، ہر کوئی سراپا احتجاج۔ یہود، ہنود و نصاریٰ نے ریسرچ سینٹر بنائے، تحقیق کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان سے حب رسول ﷺ لے لو تو پھر یہ بھی عام انسان بن جائیں گے۔

جب ان کے حبیب ﷺ کی بات آتی ہے تو ہر ایک سراپا احتجاج بن جاتا ہے۔ اس میں پڑھے ان پڑھ، دانشور عالم فاضل سب برابر ہو جاتے ہیں۔ مغرب کی یونیورسٹیوں کا انتہائی پڑھا لکھا شاعر مشرق پکار اٹھتا ہے۔

"آج لوہار اس دا پتر بازی لے گیا۔"

اور جب قائداعظم نے کہا میں تمہارا کیس لڑنا چاہتا ہوں، ایک دفعہ تم انکار کر دو وہ نیم خواندہ جس نے لڑکپن کو عبور ہی کیا ہے، کہتا ہے میں اتنی بڑی سعادت پانے پر اس کا شکر گزار ہوں، اس کا انکار کیوں کروں اور تاریخ میں امر ہو گیا۔

علم الدین شہید کلمہ گو قیامت تک تمہیں سلام کہتے رہیں گے۔ آیئے اس سیف اللہ کو یاد کرتے ہیں جو کفر میں بھی جری معاملہ فہم اور بہادر تھا، جس نے احد کی ہاری ہوئی جنگ کو جب اس کے ساتھی زخم چاٹتے بھاگ رہے تھے اور مسلمان مال غنیمت کو اکٹھا کرنے میں مصروف تھے اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور وار کر کے ہاری ہوئی جنگ کو اپنے حق میں کر لیا۔

وہ مسلمانوں کے عظیم سپہ سالار جس نے روما امپائر کو شکست دی، جو سالار اعظم تھا، حضرت عبیدہ بن جراح کو میدان جنگ میں خلیفہ وقت حضرت عمر فاروقؓ کا آرڈر ملتا ہے، خالد کو معزول کر کے کمان سنبھال لو وہ خط کو پڑھتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں۔ اور جنگ میں فتح کے بعد خالد بن ولید کو تنزلی کے آرڈر دیتے ہیں۔ وہ سپہ سالار اعظم کہتا ہے جب آرڈر آپ کو موصول ہوئے اسی وقت مجھے کیوں نہیں بتایا۔ لیجیے آپ میرے کمانڈر انچیف ہیں، میں آپ کا ماتحت سپاہی اور پھر اسی جوان مردی سے داد شجاعت دیتے رہے۔

کہنہ تو کمان عہدے کی تھی
نہ سپہ سالاری دنیا کی تھی وہ اللہ کا سپاہی تھا

اگلی لائن سے پچھلی لائن میں کھڑا ہو گیا اور جب بستر مرگ پر تھا تو آبدیدہ ہو کر کہنے لگا۔ میرے جسم پر ایک بھی حصہ ایسا نہیں جس پر زخم کا نشان نہ ہو اور میری حسرت و خواہش تھی کہ میدان جنگ میں شہادت ملتی، مگر بستر پر جان دے رہا ہوں...... وہ جو اللہ کی تلوار تھی جسے اللہ کے حبیب ﷺ نے سیف اللہ کا خطاب دیا وہ کیسے ٹوٹتی اور کوئی کیسے توڑ سکتا تھا۔ عظیم ماضی کو یاد کرتے اپنے بیٹے کی شہادت کو سراہتے وہ بوڑھا باپ آبدیدہ تھا۔

شہید میجر نثار کی بیگم اپنے تین بیٹوں کی ماں جس کے بڑے بیٹے کا نام خالد اور چھوٹے دونوں کا معاذ اور معوذ ہے...... وہ الوہی جذبے سے سرشار اپنے جیون ساتھی کے ساتھ گزارے وقت کا ذکر کر رہی تھی۔

"میجر نثار کو حضرت خالد بن ولید سے انتہائی عقیدت تھی اور جب بڑا بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام خالد رکھا، ان کے پاس حضرت خالد بن ولید پر مبنی کتابوں، رسالوں اور مضامین کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، ان کی جنگی حکمت عملی ان کی سرفروشی، بہادری اور حضرت عمر فاروقؓ سے رشتہ داری کے قصے سناتے۔ ہماری تاریخ کا ہر تابندہ ستارہ ایسا روشن اور چمکتا دمکتا آفتاب ہے کہ بہت کچھ ہیچ ہے۔

یہ لانس نائیک عامر کی بیوہ ہیں، وہ بتا رہی تھی۔

"عامر میرا تایا زاد تھا، ہم پنجاب کے گاؤں میں رہتے تھے۔ ایک ہی گھر میں پلے بڑھے، زمین سانجھی، زمینداری سانجھی اور کام بھی سانجھے۔ وہاں پر بڑے بوڑھے بچوں کے پیدا ہوتے ہی انہیں ایک دوسرے کے ساتھ منسوب کر دیتے

Digitized by Google

ہیں۔ ایک ہی گھر جہاں جوائنٹ فیملی سسٹم جب فصل اچھی ہو مال مویشی اچھی قیمت پر بک جائے تو ایک کمرہ بنا کر شادی کردی جاتی ہے۔ بس لڑکی اور لڑکے کے لیے کچھ نیا نہیں ہوتا ایک ہی چار دیواری میں ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں منتقل ہونا ہوتا ہے اور وہاں نہ تو سیٹ ہونے کے لیے کوئی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں نہ ساس نندوں کی روایتی لڑائیاں سب سانجھے کے کام..... ایک دوسرے کے مزاج سے آشنا اور کچھ بھی اجنبی نہیں ہوتا' میں عامر کے ساتھ بیاہی گئی ہمارا پانچ سالوں کا ساتھ تھا' مگر ہماری تو حیاتی ایک گھر میں گزری ایک ہانڈی اور پرات میں پکا سب دکھ سکھ سانجھے تھے اور پھر میرا سہاگ چل بسا اس کا ساتھ نہیں رہا' مگر سب کا پیار اور محبت اسی طرح تھی' نہ میرے بچوں کے سر سے سایہ چھینا' دادا دادی' چاچا چاچی سب بھائی کی نشانی سمجھ کر پہلے سے بڑھ کر پیار کرتے ہیں مگر اندر کی کسک تو اندر ہی رہتی ہے اور رشتوں کا بدل کوئی نہیں ہوتا۔ وہ جب وہاں جا رہا تھا تو اس نے مجھے کہا تھا میرے لیے دعا کرنا مجھے شہادت کا رتبہ ملے اور پھر اپنی ماں سے بھی یہ درخواست کی تھی' یقین کریں اس دن اس کے چہرے پر ایک ایسا نور تھا جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور مجھ سے وعدہ لے رہا تھا۔ میرے بیٹوں کو پڑھانا اور انہیں پاک فوج میں بھیجنا..... میرے دل میں اسے یہ عہد دیتے وقت کچھ ٹوٹا تھا اور اسی شکست و ریخت میں زندگی گزری ہے۔ جب پرچم میں لپٹی اس کی میت آئی' گاؤں میں فوجی آئے' اسے پورے فوجی اعزاز سے سپرد خاک کیا گیا' شیشے میں اس کا پُرسکون چہرہ اسی طرح مسکرا رہا تھا۔ وہی خوشی جو کسی خواہش کے پورے ہونے پر اندر سے پھوٹتی ہے اور چہرے پر آ کر ٹھہر جاتی ہے۔ اس کے ساتھی اس کی بہادری کے قصے سنا رہے تھے اور سارے گاؤں والے اس کی شرافت کی گواہی دے رہے تھے۔ پاک فوج اپنے جوانوں کی فیملی کو بے آسرا نہیں چھوڑتے' ان کے جو کچھ بس میں ہوتا ہے' کرتے ہیں مگر یہ بچھڑنا تو عارضی ہے۔ قیامت آئے گی اور ایمان ہے وہ ہمارا سفارشی بنے گا' میرے لیے اس دنیا میں بھی اس کا ساتھ ایک اعزاز ہے۔ ان شاء اللہ یہ اعزاز ہمیشہ رہے گا۔ میں نے اس سے عہد کیا کہ اس کے بچوں کی اچھی تربیت کروں گی اور پاک فوج میں بھیجوں گی' باقی جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔"

وہ بریگیڈیئر افضل کی باوقار نحیف و نزار والدہ ہیں' مسز افضل آئیں اور کہا۔

"اس میڈل کی حق دار ان کی والدہ ہیں۔ انہوں نے پاک بھارت جنگ میں اپنے سہاگ کی قربانی دی' وہ پاک آرمی میں جونیئر کمشنر آفسر تھے۔ بریگیڈیئر اس وقت اسکول میں پڑھتے تھے ماں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو تعلیم دی' اچھی تربیت کی اور پاک فوج کے حوالے کردیا کہ اس کی امانت تھی' باپ کی طرح بیٹے نے شہادت کا رتبہ پایا۔ وہ پاکستان کی دفاع کی جنگ تھی۔ یہ پاکستان کے تحفظ اور بقا کی جنگ ہے۔ بریگیڈیئر افضل کے چار بیٹے ہیں۔ انہوں نے اپنے پوتوں کو دین کی تعلیم دی، اسلام کے اصولوں پر چلنے کا درس دیا۔ بریگیڈیئر افضل گھر سے جاتے تو ماں سے دعا لے کر جاتے اور واپس آتے تو سب سے پہلے انہیں سلام کرنے جاتے۔ ان سے دن بھر کی مصروفیات کا حال سنتے اور اپنا سناتے' ماں بیٹے میں بے حد احترام اور اپنائیت کا رشتہ تھا' یہ ماں..... ماں ہے۔ سراپا ایثار و محبت۔"

"میں کیسے بتاؤں کہ اس تقریب نے مجھے کیسا سحر زدہ کردیا ہے۔ میں سحر زدہ بیٹھی سوچ رہی ہوں' یہود' ہنود و نصاریٰ کا وہ جو ٹرائیکا بنا کہ وہ پاک فوج کو نشانہ بنانے میں عراق' شام' لیبیا کی طرح اس کا حشر کریں' مگر میرے اللہ کا وعدہ ہے وہ اپنے رستے پر چلنے والوں کو سرفراز کرتا ہے۔ آئیں ہم بھی عہد کریں' ہم بھی اپنے آپ کو بدلیں گے۔ اور ان شاء اللہ فتح ہماری ہوگی اور ہندوستان کی طرف سے ٹھنڈی ہواؤں کی بشارت ہم پوری کریں گے۔"

Digitized by Google

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

سمندر میں فقط ایک قطرہ

پروین اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپس اپنے وطن آ گئی اور سرکاری رہائش گاہ کے لیے درخواست دے دی۔ اسے تیسری منزل پر ایک فلیٹ الاٹ ہو گیا اس آفر کو اس نے مسترد کر دیا کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ ایسا گھر جس تک میری عمر رسیدہ بیمار ماں کی رسائی نہ ہو اس کا مجھے کوئی فائدہ نہیں حالانکہ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وقتی طور پر وہ اسے غنیمت سمجھ کر قبول کر لے بعد میں کسی سرکاری گھر کے حصول کی کوشش کرنے میں کامیابی ضرور ہو گی لیکن اس نے مجھے بتایا کہ ایک بار میں اس الاٹ شدہ فلیٹ میں شفٹ ہو گئی تو پھر گھر کا ملنا ناممکن ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر گھر کرائے پر لینے کا فیصلہ ہوا اور ہم دونوں نے چند گھر کرائے کے دیکھے۔ آخر سیکٹر ایف ۸ میں مارگلہ روڈ پر دو روم کی ایک انیکسی کرائے پر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ پروین قادر آغا (آپا) سے مشورہ لیا تو انہوں نے بھی لو کے کا سگنل دے دیا اور یوں پروین آپا کی طرف سے اس کا پرانا سامان جو امریکا جاتے وقت اسٹور میں محفوظ کر دیا گیا تھا اور کچھ نئی اشیا جو امریکا سے لائی تھی' تمام انیکسی کے ڈرائنگ روم میں ڈبوں سے نکال دی گئیں' اس سامان میں فرنیچر نہیں تھا۔ میں نے پروین کے پاکستان آتے ہی نوشہرہ سلاج فرنیچر کو پروین کے تمام فرنیچر کا آرڈر دے دیا تھا' اس وقت انڈیا سے ہماری پوسٹنگ کمانڈنٹ سی ایف ٹی رسالپور اکیڈمی ہو چکی تھی۔ میں اپنے گھر میں اور بچے اپنے اسکولوں میں سیٹ ہو چکے تھے۔ پروین کی مدد کرنے کے لیے میرے پاس بہت وقت تھا جسے میں اپنی پیاری پسندیدہ شاعرہ اور بہترین دوست پر صرف کرنا چاہتی تھی۔ نوشہرہ سے بہت جلد فرنیچر پہنچ گیا اور میں نے پروین کے گھر کو پیار' لگن چاؤ اور قرینے و سلیقے سے سجا دیا تھا۔ پروین نے گھر کو پرستائش نظروں سے دیکھ کر میرا ہاتھ پکڑ کر حسرت و یاس بھرے لہجے میں نم آلود آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔ رف جب میرا گھر اجڑ رہا تھا تو اس وقت آپ کہاں تھیں؟ کاش اس وقت آپ کا ساتھ ہوتا تو میرا گھر بچ گیا ہوتا۔"

میں نے اس پر ہمدردانہ نظر ڈالی لیکن اس سے اس بات کی تفصیل نہ پوچھ سکی کیونکہ وہ بہت افسردہ لگ رہی تھی۔ رسالپور' اسلام آباد سے زیادہ دور نہ تھا۔ پروین کو میں نے تسلی دی۔ خوش قسمتی سے میری چھوٹی بہنیں اسلام آباد میں ہی رہائش پزیر تھیں اور میری ایک شاعرہ دوست جو مجھے اپنی بہنوں کی طرح عزیز تھی۔ اس لیے آئے دن میری ملاقات کی امید نے اسے کافی حد تک مطمئن کر دیا۔

پروین کو پی ایچ ڈی کرنے کا بہت شوق تھا۔ اسے اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھنے کی دیرینہ خواہش ہر وقت اکساتی رہتی تھی۔ اپنی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس نے اپنے بیٹے مراد کو بھی نیورو سرجن بنانے کا تہیہ کر رکھا تھا اور وہ مراد کے ساتھ ہی اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اب وہ شہرت و عزت اور حاصل شدہ بے شمار ڈگریوں سے لطف اندوز ہو تو اس نے ہنستے ہوئے مجھ پر وار کر دیا" رف آپ! ابھی ذرا ہوش میں آ جائیں۔ بہت عیش کی زندگی گزار لی۔ اب آپ کو بھی پڑھائی کی طرف آنا پڑے گا۔"

"پروین! میری زندگی میں ایسا معجزہ رونما ہونے والا نہیں۔ میں ماضی میں شعر بھی لکھتی تھی اور افسانے بھی ان کی اشاعت بھی ہوتی رہی' پھر میرا یہ شوق شادی کے بعد ایک خواب ہی بن کر رہ گیا۔ اب قلم میں طاقت نہیں۔ ذہن پر بھی چربی کی تہیں جمی ہوئی ہیں' دل بھی اس طرف مائل نہیں۔"

میرے لہجے کی مایوسی اسے بہت بری لگی تھی۔ مجھے تسلی دینے کے انداز میں بولی۔ "بات نصابی تعلیم کی ہو رہی ہے آپ نے لکھنا چھوڑ کر بہت اچھا کیا' آپ ایک بہترین بیوی اور لاجواب ماں کے روپ میں بہت بہتر ہیں بہ نسبت میرے میں نے نام تو پا لیا اپنی ذات کے ہونے کو بھی منوا لیا لیکن آپ جیسی پرسکون' پروقار اور قابل فخر عورت نہ بن سکی' میں اس معاشرے میں مس فٹ تھی رف اور آپ نے اپنے نام پر

Digitized by Google

جاوید کے نام کی ہر خواہش کی قلمی چڑھا کر خود کو زمانے کی تند و تیز آندھیوں اور طوفانوں سے بچالیا۔ آج کے بعد کبھی آپ کے لہجے میں پچھتاوا اور حسرت نہیں ہونی چاہیے۔"

وہ مجھے سمجھاتے ہوئے خود بہت مضطرب اور بے تاب نظر آنے لگی تھی پھر ہم دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے لگیں میں نے اسے کالج کے زمانے کے اپنے تحریر کردہ چند اشعار دکھائے تو اس نے میری حوصلہ افزائی نہ کی مجھے اس کا یہ رویہ بہت برا لگا تھا کہ معمولی حوصلہ افزائی کر دیتی تو اس کا کیا بگڑ جانا تھا۔

چند دنوں بعد وہ پی ایچ ڈی کی تیاری کرنے لگی امریکا کی یونیورسٹی میں اسکالرشپ کے بغیر پڑھنا ناممکن لگا تو برطانیہ میں کامن ویلتھ اسکالرشپ کمیشن کے ذریعے وظیفہ مل گیا اور ۱۹۹۴ء میں اسی مقصد کے لیے برطانیہ گئی ستمبر ۱۹۹۴ء میں کورس شروع کرنے کی تمام تیاریوں پر توجہ دینے لگے رسالپور میں پروین اپنا ویک اینڈ میرے ساتھ ہی گزارا کرتی تھی وہ اپنی عادات و اخلاقیات کی وجہ سے میرے گھر میں ایک اہم فرد کی حیثیت رکھتی تھی مراد کا درجہ تو تھا ہی بہت اعلیٰ عمر حمزہ اور سفیان کا وہ بھائی پیار کرنے والا دوست بھی تھا اپنی ہر چھٹی ہمارے ساتھ گزار کر بہت خوش رہتا تھا جب اس کے واپس جانے کا وقت آتا تو اس کا چہرہ لٹک جاتا ناخن کترنے لگتا میں اسے اپنے ساتھ چپکا کر جلد ہی اپنے پاس واپس بلانے کا وعدہ کرتی تو وہ اچھل کر مجھے پیار کرتا اور خوشی سے گاڑی میں جا کر بیٹھ جاتا وہ بچپن سے ہی اتنا خوددار بچہ تھا کہ اپنی اداسی کو چھپا لیا کرتا تھا کچھ عرصے بعد ہماری پوسٹنگ پشاور ہوگئی وہاں کا سیٹ اپ ایسا تھا کہ میری پلو اور لیڈیز کلب میں مصروفیات نہ ہونے کے برابر تھی مجھے پروین نے مشورہ دیا کہ پشاور تو کپڑے کا گھر ہے آپ اپنے ٹیلنٹ سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں مجھے مشورہ بہت فائدہ مند لگا اور میں نے ایک سو کے قریب ڈریسز تیار کر لیے پروین نے تمام ڈریسز فاروق اکرام جس کا بوتیک Adam کے نام سے جناح سپر مارکیٹ میں تھا وہاں رکھوا دیے وہی پروین کے کپڑے کی ڈیزائننگ بھی کرتا تھا کپڑے بکنے میں تو چند دن لگے اور مجھے آرڈر کے فون آنے لگے میں نے خوشی اور شوق سے ہفتوں میں ہی پھر سے کپڑوں کا انبار لگا دیا جو مجھے میری بہنوں اور پروین کو ہی پہننے پڑے کیونکہ جاوید کو میرا کام قطعاً پسند نہ تھا انہوں نے مجھے ان کپڑوں کی تمام لاگت بمعہ منافع کے ادا کی اور ہمارے دامن نیارے ہو گئے پھر بھی اس کا مجھے افسوس تو تھا ہی پروین نے اس کا اظہار نہ کیا تھا اس نے میری خفگی کو شہہ دینا مناسب نہ سمجھا پانچ ماہ بعد ہماری پوسٹنگ کامرہ ہوگئی ان دنوں کامرہ جنگی طیارہ ایف ۱۶ کا بیس تھا جاوید بیس کمانڈر کی حیثیت سے وہاں مقرر ہوئے تھے پروین ہمارے اسلام آباد کے نزدیک ہونے پر بے حد خوش تھی مراد تو ہمی دن میں بیسیوں بار فون کر کے اپنی خوشی کا اظہار کرتا رہا۔

پروین آپا شہر سے باہر گئی ہوئی تھی جب پروین کو اچانک ہی فوڈ پائپ نگ نے آدبوچا اور پروین اسپتال داخل ہوگئی مجھے جب پتا چلا تو میں اسی وقت اسے لینے پہنچ گئی' پروین بھی بلا تامل میرے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگئی پروین کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا کر اس کا سر میں نے اپنی گود میں رکھ لیا اور خود گہری سوچ میں پڑ گئی پروین تمہارے جیسا تجربہ اور اکیلا کوئی نہ ہو تم ہر وقت دنیا کے ہجوم میں ہوتی ہو لیکن باطنی طور پر تم بہت تنہا ہو میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گی میرا گھر تمہارا میکہ ہوگا جہاں مکمل طور پر آرام نے بیٹیاں آتی ہیں۔

میں دل ہی دل میں باتیں کر رہی تھی ہمدردی و انس کا پیمانہ اتنا ہمہ گیر تھا کہ خود سے ہی عہد و پیماں کرتی رہی' مجھے پروین کی دلفریب و پرکشش شخصیت سے خوف نہ آیا تھا اس کی اعلیٰ تعلیم میرے لیے تھریٹ نہ تھی اس کی شہرت پر کبھی حسد نہ ہوا تھا بلکہ میرے رگ و ریشہ میں فخر و مسرت سرائیت کیا کرتی تھی ہم جنس ہونے کے ناتے میں اس کی قربت میں خود کو مکمل سمجھا کرتی تھی یہ ایسا خوش آئند احساس تھا جو بتدریج مجھے اس کے قریب کرتا جا رہا تھا۔

Digitized by Google

بزم سخن

سمیہ عثمان

گلناز ابراہیم...... جلالپور پیروالا

ایک زندگی تھی جسے جینے نکلے تھے
پھر روز مرے ہیں اس جینے کی خواہش میں

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس...... مانسہرہ

انا بضد ہے کہ روٹھنے والے کو جانے دو
کوئی اندر سے کہتا ہے منا لیتے تو اچھا تھا

نادیہ ناز غوری...... کراچی

بادشاہ گر کا گداگر ہوں یہی کافی ہے
مجھ کو شاہوں کا ثنا خواں نہ بنایا جائے

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

سوچتا ہوں کہ غریبوں پہ ہی کیوں لازم ہے
زندہ رہتے ہوئے مرنے کی ریاضت کرنا
کاش ارباب سیاست کو نظر آجائے
کھردرے ہاتھ سے مزدور کا محنت کرنا

شازیہ ہاشم میواتی...... کھڈیاں خاص

ایک لمحے میں کٹا ہے مدتوں کا فاصلہ
میں ابھی آیا ہوں تصویریں پرانی دیکھ کر

ذکاز رگر...... جوڑہ

کھڑکیاں کس طرح کی ہیں اور در کیسا ہے وہ
سوچتا ہوں جس میں وہ رہتا ہے گھر کیسا ہے وہ

مہ جبین تاج ارزانی...... کراچی

میں عمر بھر نہیں رویا مگر ہنسا بھی نہیں
یہ دل کسی کا نہیں تھا مگر کسی کا رہا

مریم ناز...... مانسہرہ

تاراج کر گیا، فصل بہار کو
موسم کی چار دن بھی گلوں سے بنی نہیں

رخ تاج حیدر...... کراچی

کچھ جہد مسلسل سے تھکاوٹ نہیں لازم
انساں کو تھکا دیتا ہے سوچوں کا سفر بھی

فرح ندیم...... گجرات

شاید کسی لکیر میں لکھا ہو میرا نام
اے دوست اپنا ہاتھ مجھے دیکھنے تو دے

یمنیٰ نور...... حیدرآباد

آنکھوں سے نیند چھیننے والوں کو کیا خبر
کیسے گزارتا ہوں میں شب انتظار کی

شبانہ کوثر...... کہروڑپکا

تھک گیا ہے دل وحشی میری فریاد سے بھی
جی بہلتا نہیں اے دوست تیری یاد سے بھی
اے ہوا کیا ہوا جواب نظم چمن اور ہوا
صید سے بھی ہیں مراسم تیرے صیاد سے بھی

مصباح فرید...... جہلم

اے اجل ایک دن آخر کو تجھے آنا ہے
آج آتی شب فرصت میں تو احساں ہوتا

نازش افضل...... کراچی

اس کے بغیر آج بہت جی اداس ہے
جالب چلو کہیں سے اسے ڈھونڈ لائیں ہم

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

اداس تھے سو تیرے در پر آ کر بیٹھ گئے
فقیر ہیں سو چلیں جائیں گے صدا کر کے

لاریب نور...... کراچی

مجھے احساس ہے سب کا میں سب کے کام آتا ہوں
مگر جو کینہ رکھتے ہیں میں ان رشتوں سے ڈرتا ہوں

نبیلہ لمان، شگفتہ بشیر...... حال جدال

ہوا کے لہجے میں درد اتنا تھا
ساری خوشبو لٹا دی پھولوں نے

شگفتہ خان...... بھلوال

تیری آنکھوں میں سدا پیار کے جگنو چمکیں
تیرے ہونٹوں پر سدا دھیمی سی مسکان رہے

وقاص عمر...... حافظ آباد

جو آنے والے ہیں موسم انہیں شمار میں رکھ
جو دن گزر گئے ان کو گنا نہیں کرتے
نہ دیکھا جان کر اس نے کوئی سبب ہوگا
اسی خیال سے ہم دل برا نہیں کرتے

انجم...... برنالی

Digitized by Google

اک خوشبو کے روٹھ جانے سے
جہاں میں کچھ بھی باقی نہ رہا
اقرا جٹ......مچن آباد

دشمنی رسم جہاں ہے دوستی حرف غلط
آدمی تنہا کھڑا ہے ظالموں کے سامنے
اقرا رشید......مقام نامعلوم

مجھ کو میرے ہم سفر ایسا سفر درپیش ہے
راستہ کٹ بھی گیا تو فاصلہ رہ جائے گا
ندا گلناز......سرگودھا

زخم کھانے کی آرزو تھی ہمیں
آپ سے رسم و راہ کر بیٹھے
سعدیہ لیاقت......سرگودھا

بھر جائے گا یہ زخم بھی کیوں کر فکر مند ہو
گہرا تو ہے ضرور مگر زخم ہی تو ہے
رمشا ملک......تلہ گنگ

ہے یہ سچ کہ تیرے سامنے مجھے برسوں
کوئی رفیق کوئی کام بھی نہ یاد آیا
نہیں یہ جھوٹ بھی کہ کل جو تجھے میں نے دیکھا
تو کتنی دیر تیرا نام بھی نہ یاد آیا
اریشہ راج......تلہ گنگ

آنکھوں میں رہا دل میں اتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے سمندر نہیں دیکھا
پتھر مجھے کہتا ہے میرا چاہنے والا
میں موم ہوں اس نے مجھے چھو کر نہیں دیکھا
محسن عزیز......کوشاکس

ذرے جو گل ہیں وہ بن گئے بگولے
جو زینت چمن تھے وہ خاک رہ گزر ہیں
غم خانہ جہاں سے وقعت ہی کیا ہماری
اک ناشنیدہ اف ہیں اک آہ بے اثر ہے
سلیم اختر ملک......کراچی

شاید تم آؤ میں نے اسی انتظار میں
اب کے برس کی عید بھی تنہا گزار دی
نائمہ شیخ......گجرات

تحفہ دعاؤں کا تمہیں پہنچے میرا
سدا رہے تمہارے گرد خوشیوں کا گھیرا

مسرتیں تمہیں عید کی مبارک ہوں
تمہاری زیست میں نہ آئے کبھی غموں کا پھیرا
شیریں آفتاب......ڈگری، سندھ

تلخیاں چبھنے لگیں جب زیست کے پیمانے میں
درد کے ماروں نے کھول کے پیا عید کا چاند
ماہ رخ شاہ......میرپور خاص

سن کر تمام رات میری داستان غم
بولے تو صرف یہ کہ بہت بولتے ہو تم
فردوس رفعت......کراچی

کمال کا شخص تھا جس نے میری زندگی تباہ کردی
راز کی بات ہے کہ دل اس سے خفا آج بھی نہیں
اقصیٰ خان......پشاور

تیری توجہ شاید میرے نصیب میں لکھی ہی نہیں
چھوڑ دیا تجھے بھی یاد کرنا خود کو بے وفا سمجھ کر
عشرت نور......کراچی

آنکھ نم کر گیا بچھڑے ہوئے لوگوں کا خیال
وہ دیکھو درد دل دے کر چلی جا رہی ہے عید
سارہ ارسلان......جہلم

میری دعا ہے محبت میں یہ مجھے وہ حاصل ہو
لے جو خود سے نکالوں تو پاس کچھ نہ رہے
ملیحہ کاشف......ٹنڈو اللہ یار

جو دل کو اچھا لگتا ہے اسی کو دوست کہتا ہوں
منافق بن کر رشتوں کی سیاست میں نہیں کرتا
حدیقہ احمد......کراچی

میری آرزوؤں کی تمہید تم ہو
میرا چاند تم ہو میری عید تم ہو

bazsuk@aanchal.com.pk

Digitized by Google

کچن کارنر

زہرہ جبین

کھڑے مصالحے کا گوشت

اجزا:۔

گوشت	ایک کلو
ثابت گرم مصالحہ	ایک بڑا چمچ
ادرک	ایک ٹکڑا
سرخ مرچ ثابت	دس عدد
ہری مرچ	چھ عدد
ہرا دھنیا کاٹ لیں	آدھا کپ
دھنیا ثابت	چائے کا ایک چمچ
سفید زیرہ	چائے کا ایک چمچ
دہی	ایک کپ
پیاز	چار عدد
لہسن ثابت	ایک پوری چھیل لیں
گھی	ایک بڑا چمچ

ترکیب:۔

گھی میں گوشت بھون لیں گرم مصالحہ ڈالیں، ہری مرچ، ہرا دھنیا کے علاوہ سب چیزیں ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں جب گوشت گل جائے تو ہری مرچ، ہرا دھنیا ملا دیں، اتار لیں، بہت مزے دار بنتا ہے روٹی اور نان کے ساتھ نوش کریں۔

نورین کنول نورین.....کراچی

کورین بیف

اجزا:۔

گوشت (بغیر ہڈی کا)	ایک کلو
پیاز	چار عدد
سویا ساس	آدھا کپ
سرکہ	پانچ کھانے کے چمچ
چینی	چھ چائے کے چمچ
تلوں کا تیل	دو چائے کا چمچ
ادرک	دو کھانے کے چمچ
لہسن	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ	حسب ضرورت
نمک	حسب ضرورت

ترکیب:۔

گوشت کو دو انچ کے چکور ٹکڑوں میں کاٹ لیں ان کی چوڑائی ایک سینٹی میٹر سے زیادہ نہ ہو اب اس میں تمام مصالحے اور دوسری چیزیں ڈال دیں اس کو چار پانچ گھنٹوں کے لیے فریج میں رکھ دیں چار پانچ گھنٹوں کے بعد نکال لیں اور اس میں تلوں کا تیل ڈال دیں کوئلے دہکا کر انہیں اچھی طرح سرخ کر لیں اور ان کے اوپر جالی رکھ دیں، اب جالی کو چکنائی لگا کر ان گوشت کے ٹکڑوں کو دونوں طرف سے بھون کر سنہرا کر لیں جالی کوئلوں سے تقریباً چار انچ اونچا رکھیں تیار ہونے پر گرم گرم نوش فرمائیں۔

پروین افضل شاہین.....بہاول نگر

کلیجی

اجزا:۔

کلیجی	ایک کلو
پیاز	ایک عدد
لہسن پسا ہوا	ایک بڑا چمچ
نمک، مرچ	اندازے سے
ادرک	ایک ٹکڑا کاٹ لیں
سوکھی میتھی	ایک بڑا چمچ
گرم مصالحہ ثابت	ایک بڑا چمچ
ہری مرچ	دو عدد
گھی	ایک بڑا چمچ
دہی	آدھا کپ

ترکیب:۔

گھی میں پیاز لال کر لیں۔ نمک، مرچ، لہسن، پیاز، گرم مصالحہ ڈال کر بھونیں کلیجی ڈالیں، ہلکی آنچ پر پکنے رکھ دیں، پانی خشک ہو جائے تو دہی ملائیں، بعد میں بھون کر ہری مرچ کاٹ کر ملائیں سوکھی میتھی چھڑک کا اتار لیں۔

انجم انجم.....کراچی

چانپ روسٹ

اجزا:۔

بکرے کی چانپیں	ایک کلو

گھی	ایک بڑا چمچ
لہسن، پیاز پسا ہوا	آدھا کپ
نمک، مرچ، دھنیا	حسب پسند
گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچ
سفید زیرہ بھنا ہوا	آدھا چمچ
ڈبل روٹی کا چورا	ایک کپ
انڈے	دو عدد

ترکیب:

چانپوں میں لہسن، پیاز، نمک، مرچ، دھنیا، گرم مصالحہ ملا کر اس میں آدھا کپ پانی ڈالیں چانپوں کو گل جانے پر اتار لیں ٹھنڈا ہونے دیں دو انڈے پھینٹ لیں چانپ انڈے میں بھگو کر ڈبل روٹی کا چورا لگائیں اور تل لیں اس کے ساتھ ہی دہی، سلاد، ٹماٹو کیچپ رکھیے گرم گرم کھانے میں مزہ آتا ہے۔

نعیم انصر ہاشمی...... جھنگ صدر

ادرک	ایک درمیانہ ٹکڑا
لہسن (پسا ہوا)	ایک بڑا چمچ
پسا ہوا گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچ
کچری	چار عدد
نمک، لال مرچ	حسب ضرورت
گھی	حسب ضرورت
ہرا دھنیا، ہری مرچ	آدھا کپ کاٹ لیں

ترکیب:

گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں پیاز پیس لیں۔ کچری، پیاز، لہسن، نمک، مرچ لگا کر ٹکڑوں پر ایک گھنٹہ کے لیے رکھ دیں سیخ پر تکے لگا کر سینک لیں تھوڑا تھوڑا گھی ٹپکاتی جائیں پھر گرم مصالحہ اوپر سے چھڑک دیں سیخ نہیں ہے تو آپ گوشت کو ہلکی آنچ پر پکائیں پھر گھی میں تل کر گرم مصالحہ چھڑک کر ہرا دھنیا، ہری مرچ چھڑک دیں انار دانہ کی چٹنی کے ساتھ رکھیے۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

سادہ پسندے

اجزاء:

پسندے	ایک کلو
پیاز بڑے	دو عدد
لہسن پسا ہوا	ایک بڑا چمچ
دہی	ایک کپ
نمک، مرچ، دھنیا	حسب خواہش
گرم مصالحہ پسا ہوا	آدھا چائے کا چمچ
ادرک	ایک ٹکڑا کاٹ لیں
گھی	ایک بڑا چمچ
پانی	آدھا کپ

ترکیب:

گھی گرم کریں ایک پیاز پیس لیں اور گھی میں سرخ کر لیں، لہسن، نمک، مرچ، دھنیا، ادرک ڈالیں پسندے ڈال کر پانی ملائیں خوب گل جائیں تو دہی ڈال کر بھون لیں گرم مصالحہ ڈال کر اتار لیں سارے بھنے ہوئے پسندے تیار ہیں۔

انیلا طالب...... گجرانوالہ

بوٹیاں روسٹ

اجزاء:

بوٹیاں	ایک کلو
لہسن پسا ہوا	ایک بڑا چمچ
ادرک پسا ہوا	ایک چھوٹا چمچ
نمک، مرچ	حسب ضرورت
سرکہ سفید	آدھا چائے کا چمچ
اجینو موتو	آدھا چائے کا چمچ
گھی	حسب ضرورت

ترکیب:

سرکہ میں نمک، مرچ، اجینو موتو، لہسن، ادرک ملا دیں اور شیشے کے پیالے میں بوٹیاں مصالحے میں لگا کر رکھ دیں ایک گھنٹے بعد ہلکی آنچ پر رکھ لیں نہ گلے تو تھوڑا سا پانی ملا دیں جب گل جائیں تو اتار لیں گھی توے پر ڈالیں بوٹیاں تل لیں، اس کے ساتھ پودینہ انار دانہ کی چٹنی، چلی ساس دہی رکھیے۔

فریدہ فری...... لاہور

تکے

اجزاء:

گوشت	ایک کلو
پیاز	ایک عدد درمیانہ

کٹے مصالحے کا اسٹو

اجزاء:

گوشت	ایک کلو
پیاز	۳۰۰ گرام

دہی	ایک کپ
لہسن (باریک کاٹ لیں)	ایک گٹھی
ادرک (باریک کاٹ لیں)	ایک ٹکڑا
سرخ مرچ ثابت	بارہ عدد
ہری مرچ	چار عدد
ثابت گرم مصالحہ	ایک بڑا چمچ
گھی	ایک بڑا چمچ
پانی	آدھا کپ

ترکیب:۔
گھی گرم کریں، گرم مصالحہ ادرک ڈالیں گوشت ڈال کر بھون لیں پیاز، لہسن، نمک، مرچ ڈال کر آدھا کپ پانی ملائیں ہلکی آنچ پر پکائیں پھر دہی ڈال دیں گوشت گل جائے تو ہری مرچ اور ہرا دھنیا کاٹ کر ڈالیں بھون کر اتار لیں۔

عائشہ پرویز۔۔۔۔۔کراچی

کراری چانپ

اجزاء:۔

چانپ	ایک کلو
ثابت دھنیا	ایک بڑا چمچ
ثابت گرم مصالحہ	ایک بڑا چمچ
نمک، مرچ	حسب ضرورت
لہسن موٹا پسا ہوا	ایک بڑا چمچ
ادرک پسا ہوا	آدھا چائے کا چمچ
ڈبل روٹی کا چورا	ایک کپ
انار دانہ	ایک بڑا چمچ
گھی	حسب ضرورت

ترکیب:۔
چانپ کو ذرا سا پانی ڈال کر نمک مرچ ملا کر ابال لیں آدھا گلا گوشت ہو تو اتار لیں ٹھنڈا کر کے لہسن ملائیں، موٹا موٹا گرم مصالحہ دھنیا پیس لیں انار دانہ پیس کر ملائیں ڈبل روٹی کا چورا لگا کر گھی میں کراری چانپ تل لیں ٹماٹو کیچپ اور دہی کے ساتھ پیش کریں۔

تسنیم شیخ۔۔۔۔۔کراچی

حلیم

اجزاء:۔

گوشت	ایک کلو
گھی	ڈیڑھ پیالی
گیہوں یا دلیا	دو پیالی
مکئی	ایک پیالی
دال مسور پسی ہوئی	آدھی پیالی
چنے کی دال	آدھی پیالی
چاول	آدھی پیالی
پیاز	تین گٹھی
ٹماٹر	تین چار عدد
لہسن	ایک پوتھی
دہی	ایک پیالی
گرم مصالحے، کالی مرچ، زیرہ	ایک چمچ
بڑی الائچی	دو عدد
لونگ	دو عدد
دار چینی	بڑا ٹکڑا
سبز دھنیا، ہری مرچ	حسب ضرورت
سرخ مرچ، نمک، ہلدی	حسب ذائقہ
خشک دھنیا پسا ہوا	ایک چمچ
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا

ترکیب:۔
اگر گیہوں ڈالنے ہوں تو رات کو بھگو دیں، اگر دلیا ڈالیں تو دالوں کے ساتھ ہی سب کو یکجا بھگو دیں مکئی کو بھی کوٹ کر دلیا بنا کر شامل کر دیں آدھے آدھے مصالحے ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ چوڑے تلے کے بڑے دیگچے میں گھی کڑکڑائیں اور کترے ہوئے پیاز کے لچھے ڈال کر براؤن کر لیں، پانی کا چھینٹا دے کر باقی ماندہ مصالحے، پسا ہوا لہسن، ادرک کی ہوائیاں، ٹماٹر کے تین چار دانے ڈال کر بھونیں، پھر گوشت ڈالیں اور تین پیالی پانی ڈال کر دھیمی آنچ پر پکنے دیں پان خشک ہو جائے تو بھون کر الگ پکی ہوئی دالیں بھی اس میں ڈال کر چند منٹ چمچ چلائیں، اب دو پیالی پانی ڈال کر دھیمی آنچ پر پکنے دیں یہاں تک کہ گوشت گداز ہو کر دالوں کے ساتھ یک جان ہو جائے اب اس کو خوب گھوٹ لیں اتار کر پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک دیں۔

رمشا مسعود۔۔۔۔۔کراچی

Digitized by Google

عالم میں انتخاب

نزہت جبین ضیاء

خون

خون اپنا ہو یا پرایا ہو
نسل آدم کا خون ہے آخر
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں
امن عالم کا خون ہے آخر
بم گھروں پر گریں کہ سرحدوں پر
روح تعمیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں کہ اوروں کے
زیست فاقوں سے تلملاتی ہے
ٹینک آگے بڑھیں کہ پیچھے ہٹیں
کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ
زندگی میتوں پہ روتی ہے
جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے
جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشے گی
بھوک اور احتیاج کل دے گی
اس لیے اے شریف انسانوں
جنگ ٹلتی رہے تو بہتر ہے
آپ اور ہم سب ہی کے آنگن میں
شمع جلتی رہے تو بہتر ہے

شاعر: ساحر لدھیانوی

انتخاب: صباء ایشل...... بھاگووال

غزل

میرے فراق کے لمحے شمار کرتے ہوئے
بکھر گئے ہیں تیرا انتظار کرتے ہوئے
میں مسکراتے ہوئے آئینے میں ابھروں گا
وہ رو پڑے گی اچانک سنگھار کرتے ہوئے
تجھے خبر ہی نہیں کوئی ٹوٹ گیا
محبتوں کو بہت پائیدار کرتے ہوئے
وہ کہہ رہے تھے سمندر نہیں آنکھوں میں
میں ان میں ڈوب گیا اعتبار کرتے ہوئے

شاعر: وصی شاہ

انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

غزل

مجھے خبر تھی مرے بعد وہ بکھر جاتا
سو اس کو کس کے بھروسے چھوڑ کے جاتا
وہ کوئی نشہ نہیں تھا کہ ٹوٹتا مجھ کو
وہ سانحہ بھی نہیں تھا جو گزر جاتا
رکا ہوا تھا مرا سانس میرے سینے میں
اسے گلے نہ لگاتا تو گھٹ کے مر جاتا
شکستہ ہوگیا پندار آئینہ ورنہ
یقین کر میں تیرے عشق سے مکر جاتا
نہ جانے کتنے محاذوں پر جنگ تھی میری
بس ایک وعدہ نبھانے میں اپنے گھر جاتا

شاعر: سلیم کوثر

انتخاب: مدیحہ نورین مہک...... گجرات

غزل

اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کردو
میں کہ صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کرو
نہ تمہیں ہوش رہے اور نہ مجھے ہوش رہے
اس قدر ٹوٹ کر چاہو مجھے پاگل کردو
تم ہتھیلی کو میرے پیار کی مہندی سے رنگو
اپنی آنکھوں میں میرے نام کا کاجل کردو
اس کے سائے میں میرے خاب دہک اٹھیں گے
میرے چہرے پہ چمکتا ہوا آنچل کردو
دھوپ ہی دھوپ ہوں میں ٹوٹ کر برسو مجھ پر
اس قدر برسو میری روح میں جل تھل کردو
جیسے صحراؤں میں ہر شام ہوا چلتی ہے

Digitized by Google

اس طرح مجھ میں چلو اور مجھے تھل کردو
مجھ پہ چھا جاؤ کسی آگ کی صورت جاناں
اور میری ذات کو سوکھا ہوا جنگل کردو

شاعر: وصی شاہ
انتخاب: رمشا ملک.....ٹمن تلہ گنگ

کھلونا تو نہیں ہوں

کھلونا تو نہیں ہوں میں
کہ تم چاہو کہ ہم
اک دوسرے کو چھولیں
محسوس بھی کرلیں
پھر اپنے آپ کو دریافت کرلیں ہم
جہاں موقع ملے تم کو
عقابوں کی طرح تم کو
جھپٹ پڑنے کی عادت ہے
گریزاں تم سے گر ہوتی ہوں میں
ایسے طلاطم میں
تو تم ناراض ہوجاتے ہو
آخر خود کبھی سوچو
کھلونا تو نہیں ہوں میں

شاعر: جمال احسانی
انتخاب: عریشہ سہیل.....کراچی

غزل

مطمئن اتنا کہ رہتا ہوں ہجوم شہر میں
مضطرب ایسا کہ سائے سے بھی ڈر جاتا ہوں میں
کون سمجھے گا میری تنہائیوں کے کرب کو
پوچھنے والوں سے کترا کر گزر جاتا ہوں میں
کوئی ایسا ہے کہ مجھ کو زندہ کرلیتا ہے پھر
چند لمحے ایسے آتے ہیں کہ مرجاتا ہوں میں
کیوں مرے دیوار و در کرتے ہیں مجھ سے کلام
کتنے ارمانوں سے یاروں، اب گھر جاتا ہوں میں
دن تو یوں کٹتا ہے جیسے کوئی دکھ مجھ کو نہیں
رات ہوتے ہوتے جانے کیوں بکھر جاتا ہوں میں
دور تک پھیلا ہوا دشت جنوں ہے اور آج
کوچۂ جاناں سے پھر آشفتہ سر جاتا ہوں میں

شاعر: اطہر نفیس
انتخاب: کوثر ناز.....حیدرآباد

اجازت دو

اجازت دو تم تم کو پیار کرلوں
میرے جذبات امڈ آرہے ہیں
تمناؤں کے بادل چھارہے ہیں
جوانی کو میری تڑپا رہے ہیں
تمہارا حسن دعوت دے رہا ہے
مجھے دنیا کی دولت دے رہا ہے
گلے کا ہار کرلوں
دل پژمردہ کو گلزار کرلوں
اجازت دو تو تم کو پیار کرلوں

کلام: شاہدہ لطیف
انتخاب: جیا عباس کاظمی.....تلہ گنگ

غزل

بکھر گیا ہے جو موتی پرونے والا تھا
وہ ہو رہا ہے یہاں جو نہ ہونے والا تھا
اور اب یہ چاہتا ہوں کہ کوئی غم بٹائے میرا
میں اپنی مٹی کبھی آپ ڈھونے والا تھا
تیرے نہ آنے سے دل بھی نہیں رکھا شاید
وگرنہ کیا میں سر شام سونے والا تھا
ملا نہ تھا یہ بچھڑنے کا غم نہ تھا مجھ کو
جلا نہیں تھا مگر راکھ ہونے والا تھا
ہزار طرح کے تھے رنج پچھلے موسم میں
پر اتنا تھا کہ کوئی ساتھ رونے والا تھا

شاعر: مشتاق احمد قریشی
انتخاب: عثمان عبداللہ

کارل مارکس کی آواز

یہ علم و حکمت کی مہرہ بازی یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے دنیا کو اب گوارا پرانے افکار کی نمائش

تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوط خمدار کی نمائش، مریز و کجدار کی نمائش
جہان مغرب کے بتکدوں میں، کلیساؤں میں، مدرسوں میں
ہوس کی خونریزیاں چھپاتی ہے عقل عیار کی نمائش

شاعر: علامہ اقبال
انتخاب: حنا اشرف...... کوٹ ادو

فراق و وصال

وہ فراق اور وہ وصال کہاں
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں
فرصت کاروبار شوق کسے
ذوق نظارۂ جمال کہاں
دل تو دل، وہ دماغ بھی نہ رہا
شور سودائے خط و خال کہاں
تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہاں
ایسا آساں نہیں، لہو رونا
دل میں طاقت، جگر میں حال کہاں
ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق
واں جو جائیں گرہ میں مال کہاں
فکر دنیا میں سر کھپاتا ہوں
میں کہاں اور یہ وبال کہاں
مضمحل ہوگئے قویٰ غالب
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

شاعر: مرزا اسد اللہ غالب
انتخاب: ماورا طلحہ...... سعودی عربیہ

غزل

دل مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ
ترا بحر پر سکوں ہے یہ سکوں ہے یا فسوں ہے
نہ نہنگ ہے نہ طوفاں نہ خرابیِ کنارہ
تو ضمیر آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے
نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزۂ ستارہ
ترے نیستاں میں ڈالا مرے نغمۂ سحر نے
مری خاک پے سپر میں جو نہاں تھا اک شرارہ
نظر آئے گا اسی کو یہ جہان دوش و فردا
جسے آگئی میسر مری شوخئ نظارہ

شاعر: علامہ اقبال
انتخاب: ہالہ سلیم...... کراچی

غزل

لرزتا ہے مرا دل زحمت مہر درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خار بیاباں پر
نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر
فنا تعلیم درس بے خودی ہوں اس زمانے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوار دبستاں پر
فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے
بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر
نہیں اقلیم الفت میں کوئی طومار ناز ایسا
کہ پشت چشم سے جس کے نہ ہووے مہر عنواں پر
مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری، آتش برستی تھی گلستاں پر
بجز پرواز شوق ناز، کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاک شہیداں پر
نہ لڑنا صبح سے غالب کیا ہوا اگر اس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

شاعر: مرزا اسد اللہ غالب
انتخاب: جویریہ ضیاء...... کراچی

Digitized by Google

شوخی تحریر

ہماذوالفقار

نماز کی اہمیت

نبی اکرم ﷺ کے غلام سیدنا ثوبانؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ مجھے ایسا عمل بتادیں جس سے خوش ہو کر اللہ مجھے جنت میں داخل کردے۔" فرمایا۔

"تم اللہ کے لیے سجدوں کی کثرت (یعنی نماز) کو خود پر لازم کرلو، پس بے شک تم اللہ کے لیے ایک سجدہ کرتے ہو تو اللہ اس کے ذریعے تمہیں رتبے میں ایک درجہ بلند کردیتا ہے اور ایک تمہارا گناہ معاف فرمادیتا ہے۔"

معلوم ہوا کہ جنت کا داخلہ اور دوزخ سے چھٹکارا، اعمال بلکہ کثرت اعمال پر موقوف ہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا اور شفاعت کے باوجود عمل کی اہمیت کم نہیں ہونی چاہیے بلکہ زیادہ ہوجانی چاہیے کہ شافع کی شان کے بھی یہی لائق ہے۔

عثمان عبداللہ.....کراچی

ناپسندیدہ شخص

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے معلوم کیا کہ مخلوق میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کون ہے؟

ارشاد فرمایا۔ "جس کا دل متکبر، زبان سخت اور یقین کمزور ہو۔"

نجمہ نذیر.....ڈی جی خان

اچھی باتیں

❁ بعض اوقات الفاظ وہ کام نہیں کرپاتے جو آنسو کرجاتے ہیں۔

❁ حکمت ایک درخت ہے جو دل میں اگتا ہے اور زبان سے پھل دیتا ہے۔

❁ اگر تم صحت کی قدر کرو گے تو بیماری تم سے دور بھاگے گی۔

❁ دولت، حکومت، مصیبت میں انسان کی عقل کا امتحان ہوتا ہے۔

❁ صبر ایک ایسی سواری ہے جو کبھی ٹھوکر نہیں کھاتی۔

❁ تقدیر کو تدبیر سے ایسے سنوارو کہ تقدیر مسکرا اٹھے۔

❁ دولت مند بیوہ کے آنسو بہت جلد خشک ہوجاتے ہیں کہ اس کا نصف سہاگ قائم رہتا ہے۔

پروین افضل شاہین.....بہاولنگر

دستخط گھوڑا

ایک شخص نے گھوڑا لیا اور گھر کے باہر باندھ دیا۔ ہر کوئی اس کو کوئی چیز وغیرہ ڈال دیتا۔ مالک نے سوچا اس طرح تو گھوڑا بیمار پڑ جائے گا۔ اس نے گھر کے باہر بورڈ لگوایا جس پر لکھا تھا۔

"برائے مہربانی گھوڑے کو کوئی چیز نہ ڈالی جائے۔"

(دستخط مالک)

دوسرے دن ساتھ ہی دوسرے بورڈ پر لکھا تھا۔

"ساتھ والے بورڈ کی طرف دھیان نہ دیں۔" (دستخط گھوڑا)

عاصمہ بی.....طور جہلم

علم اور عمل

اگر آپ چاہتے ہیں کہ علم کا الاؤ روشن رہے تو اس میں عمل کا تیل ڈالتے رہیں ایسا نہ ہو تو اس کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔

ایک قول

گلاب کے پھول کی مانند ہو جاؤ جو ان ہاتھوں کو بھی خوشبو دیتا ہے جو اسے مسل دیتے ہیں۔

صائمہ مشتاق.....بھاگٹانوالہ سرگودھا

سیکرٹری

آشناؤں سے وہ رکھتی ہے قریبی رشتے
ہے کزن کوئی، سہیلی کا کوئی بھائی ہے
پرلے درجے کی ہے ہرجائی ہماری پی اے

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے

اقرار شید...... ثمن تلہ گنگ

باتوں سے خوشبو آئے

❖ جب دنیا تمہیں گرانے اور جھکانے میں مصروف ہو تو آپ کے لیے بہترین پوزیشن سجدہ ہے۔

❖ جب کچھ کہہ نہ سکو تو رو لیا کرو، بے شک وہ خاموشی بھی سنتا ہے اور دعائیں بھی قبول کرتا ہے۔

❖ انسان کی فطرت اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں سے ظاہر ہوتی ہے بڑے کام تو ہمیشہ سوچ سمجھ کر کرتا ہے۔

❖ زندگی میں پریشانیاں اور مشکلات صرف مکافات عمل کے تحت نہیں آتی ہیں۔ کچھ آزمائشوں کے طور پر، کچھ سبق دینے کچھ نیکیاں دینے اور کچھ مستقبل کی تیاری کے لیے بھی آتی ہیں۔

❖ زندگی کے سفر میں کبھی کبھی محنت اور ڈگریاں ہار جاتی ہیں قسمت اور دعائیں جیت جاتی ہیں۔

شگفتہ خان...... بھلوال

آنسو

آنسو کا ہر قطرہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ مہنگا ہے لیکن کوئی اس کی قدر اس وقت تک نہیں جان سکتا جب تک وہ اس کی اپنی آنکھوں سے نہ نکلے۔

نبیلہ، عظمیٰ، اقرا...... حال جدال

گونگا

ایک پٹھان ایک آدمی کو مار رہا تھا۔ برابر میں کھڑے ایک آدمی نے پٹھان سے پوچھا۔ "بھائی تم اسے کیوں مار رہے ہو۔"

پٹھان نے جواب دیا۔ "ہم اس سے ایک گھنٹے سے وقت پوچھ رہا ہے مگر یہ بتاتا ہی نہیں۔" اس آدمی نے کہا۔ "خان صاحب یہ بے چارہ گونگا ہے۔"

پٹھان بولا۔ "اگر یہ ہمیں پہلے بتا دیتا کہ میں گونگا ہوں تو قسم سے ہم اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا۔"

وقاص عمر...... حافظ آباد

کچھ گھڑے سے دریا پار کرنا

شکار ختم ہوا تو ہم پھر حرف مطلب زبان پر لائے۔ تمباکو کے بارے میں کبھی کچھ ہو جائے' کہنے لگے۔ "اس برگ حرام کے بارے میں ایک اہم بات یہ اور یاد رکھیے کہ یہ واحد پودا ہے۔ جس پر کوئی پرندہ چونچ نہیں مارتا۔ چنانچہ آج تک کوئی پرندہ حلق کے کینسر اور مالی مشکلات میں مبتلا نہیں پایا گیا۔ آپ نوٹس لینے کے شوقین ہیں بے شک نوٹ کر لیجیے۔"

ہماری ہمت بڑھی، پوچھا۔ "اور اس کی کاشت کے لیے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں۔"

فرمایا۔ "تمباکو کے پودا جات کے لیے مٹی اور پانی نہایت ضروری ہیں۔"

پوچھا۔ "اور آب و ہوا؟"

فرمایا۔ "ہاں وہ بھی ہونی چاہیے۔"

یہ تھی امرت کی وہ بوند جو سارے ساگر کو متھ کر ہم نے نکالی۔ واپس میں اِدھر اُدھر کے موضوعات کی کمین گاہ سے نکل کر ہم نے آخری وار کیا۔

"ضلع مردان میں تمباکو کو پہلے پہل کس سنہ میں اگایا گیا؟"

فرمایا "یہ کون سا سن ہے؟"

"یاد نہیں۔"

"نور جہاں کا باپ کون سے سنہ میں دختر نیک اختر کو رخت سفر میں باندھ بوندھ کر ہندوستان میں وارد ہوا؟"

"یاد نہیں۔"

"سکندر لودھی کی والدہ نے بابر کو کون سے سنہ میں کوہ نور ہیرے کی نذر گزارنی تھی؟"

"یاد نہیں۔"

"آپ کتنے سال پہلے پیدا ہوتے تو نادر شاہی قتل عام میں مارے جاتے؟"

"خبر نہیں۔"

"تو پھر تمباکو کی تخم ریزی کا سنہ جانے بغیر آپ اپنی مولی کی بھجیا ہضم کر سکتے ہیں علم کے زور سے آپ اسکول ماسٹری کر سکتے ہیں۔ بینک میں افسری نہیں کر سکتے۔ کچے

گھڑے سے یہ دریا پار نہیں ہونے کا۔ فلسفہ پڑھ کر آدمی صرف ایک کام کرسکتا ہے دوسروں کو فلسفہ پڑھا سکتا ہے۔ فلسفہ پڑھنے کے بعد سود کھانے سے ٹھنڈا گرم ہوجاتا ہے۔"

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے۔

زرگزشت: مشتاق احمد یوسفی

انتخاب: لاریب نور..... کراچی

باتیں یاد رکھنے کی

❁ اپنی ذاتی کائنات میں آپ نے جتنا حصہ اللہ تعالیٰ کا رکھا ہے اللہ تعالیٰ کی کائنات میں آپ کا بھی اتنا ہی حصہ ہے۔

❁ تعلق جذبے محبت سب اتنی ہی شدت سے جواب چاہتے ہیں جتنی شدت سے وہ کسی کے لیے پیدا ہوتے ہیں اگر انہیں ان کی طلب کے مطابق جواب نہ دیا جائے تو سب کچھ ختم ہوجاتا ہے۔

❁ بے وفائی کو مجبوری کا نام دے کر دنیا والوں کو بے وقوف بنایا جاسکتا ہے مگر ضمیر کو نہیں۔

❁ زندگی کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے اسے جاننا پہچاننا بھی مشکل ہے یہ ایک راز ہے جس نے راز جان لیا وہ مر گیا اور جو نہ جان پایا وہ مارا گیا۔

لاریب انشال..... لوکاڑہ

محبت

محبت کی عمارت کا
ہر اک پتھر انوکھا ہے
ہر اک دیوار خوش رنگ ہے

شاعرہ..... انا احب

سودا

ایک رات میں اپنے کمرے میں سو رہا تھا کہ آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔ سامنے موت کا فرشتہ کھڑا تھا۔ میں نے گھبرا کر پوچھا کہ "یہاں کیسے؟"

ملک الموت نے کہا کہ "تیری ماں کو لینے آیا ہوں میں ایک دم گھبرا گیا دل ہول گیا آنکھ نم ہوگئی میں نے کہا۔ "ایک سودا کرتے ہیں مجھے لے جاؤ میری ماں کی زندگی بخش دو۔" اس پر ملک الموت مسکرایا اور کہا "کہ لینے تو تجھے ہی آیا تھا پر تجھ سے پہلے تیری ماں نے سودا کرلیا ہے۔"

(اللہ اکبر) سبحان اللہ۔

طیبہ نذیر..... شادیوال گجرات

زندگی کی کتاب

زندگی ایک کتاب کی طرح ہے جس کے تین صفحے ہیں۔ پہلا صفحہ پیدائش اور آخری صفحہ موت اور درمیان والا صفحہ خالی ہے۔ یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اس صفحے کو کیسے اور کس طرح مکمل کرتے ہیں۔

مدیحہ نورین مہک..... برنالی

زندگی کے راز

○ شکست کھانا بری بات نہیں لڑے بغیر شکست مان لینا بری بات ہے۔

○ وقت اور محبت دونوں اہم ہیں وقت کسی کا نہیں ہوتا اور محبت ہر کسی سے نہیں ہوتی۔

○ تمہارے لیے سب سے مددگار ہاتھ تمہارے اپنے ہیں۔ اگر تم مشکلات برداشت نہیں کرسکتے تو دونوں ہاتھوں کو ملاؤ اور خدا سے دعا کرو۔

سیدہ لوبا سجاد..... کہروڑ پکا

خواہش

ایک مرتبہ مہاتما گاندھی نے اعلان کیا کہ وہ 125 برس تک زندہ رہیں گے اس پر بابائے اردو مولوی عبدالحق نے انہیں ایک خط لکھا کہ میری بھی دلی دعا یہی ہے کہ آپ 125 برس تک زندہ رہیں تاکہ آپ نے اب تک جو غلطیاں کی ہیں ان کی تلافی کے لیے مناسب وقت مل سکے۔

رحمت علی..... کراچی

shukhi@aanchal.com.pk

حسن خیال

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ اللہ رب العزت کے پاک نام سے ابتدا ہے جو بڑا مہربان رحم والا ہے، ہم ہر ماہ پوری محنت سے پرچا ترتیب دیتے ہیں اور آپ کے بے لاگ تبصرے ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب رہے۔ آپ سب بغیر کسی لگی لپٹی کے ہمیں اپنے تبصروں، تجزیوں سے مطلع کر سکتے ہیں ہم آپ کی رائے کے منتظر ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کس کس نے ہماری محفل کو رونق بخشی ہے۔

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر۔ اس بار حجاب 18 اگست کو ملا سرورق پر دلکش چہرے والی ایشا نور اچھی لگی۔ انہیں دیکھ کر یہ شعر گنگنانے کو جی چاہا۔

خاک سے تم ہو اور خاک سے ہم
پھر کیوں خاص ہو تم اور عام ہے ہم

حمد و نعت پڑھ کر روح سرشار ہوئی۔ بات چیت میں قیصر آپی آنے والے وزیر اعظم کے بارے میں فرما رہی تھیں کہ اللہ کرے آنے والے وزیر اعظم ملک و عوام سے مخلص ہو اور ملک ترقی کرے آمین، ملاقات میں خواتین کے سوالات اور حنا اشرف کے جوابات پسند آئے۔ میں اپنی پیاری آپی فریدہ جاوید فری کے لیے دعا کروں گی کہ اللہ تعالیٰ انہیں مکمل صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ اب تو ان کے پسندیدہ کھلاڑی عمران خان وزیر اعظم بن چکے ہیں ان ہی کے نام پر آپ نے اپنے بیٹے کا نام عمران خان یوسف زئی رکھا تھا۔

☆ پیاری پروین! ہمیشہ آپ بزم سخن میں شامل ہونے والی تمام بہنوں کا نام لکھ کر پسندیدگی کا اظہار کرتی ہیں۔ اس میں تو شک نہیں کہ ہماری قارئین اشعار ہوں یا کوئی اور سلسلہ عمدہ اور معیاری انتخاب بھیجتی ہیں مگر پرچے کی تیاری ہم بڑی محنت سے کرتے ہیں ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہماری محنت کس درجے کامیاب ٹھہری ہے ہمیں اچھا لگے گا اگر آپ پورے پرچے پر تبصرہ کریں گی تو ہم آئندہ تفصیلی تبصرے کے منتظر ہیں۔

تبسم بشیر حسین..... ٹنگہ۔ السلام علیکم حجاب اسٹاف، سب کو عید مبارک۔ پیارے حجاب تمہیں سالگرہ مبارک ہو میری طرف سے یہ نظم گفٹ سمجھو۔

ستاروں کا جہاں
خوشیوں کا جہاں
ہے تو

Digitized by Google

میرا پہلا اور
آخری پیار ہے تو
جو چڑھ کر نہ
اترے وہ خمار ہے تو
جو تو سمجھ سکے تو
میری شان ہے تو
حجاب میری جان ہے تو
تمہیں پا کر کھل اٹھتی ہوں
میری جان ہے تو
آخر تجھے احساس ہو
ہی جائے گا کبھی
کہ ابھی میری محبت
سے انجان ہے تو
تیرے لیے الفاظ کہاں
تیری شان کا تحفہ کہاں؟

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT

حمد و نعت تو سبحان اللہ' ملاقات' حنا اشرف ابھی بہت سی کامیابیاں تمہاری منتظر ہیں' آگے بڑھو۔ ذکر اس پری وش کا غائب تھا کیوں؟ سلسلہ وار ناولز ویسے نائلہ اتنے سارے کردار بہت خوب صورتی سے لے کر چل رہی ہیں جو قابل تعریف ہے ویسے قابل تعریف تو نادیہ بجو بھی ہیں کردار تو ان کی کہانی میں بھی خاصے زیادہ ہیں پر یہ تو ہماری رائٹرز کا کمال ہے کہ جھول محسوس نہیں ہوتا۔ ریحانہ سنا ہے کہ آپ خود بھی شاعری کرتی ہیں۔ ویل ڈن ریحانہ قابل تعریف لکھ رہی ہیں آپ۔ مکمل ناول عید نے زندگی سنواردی از شازیہ عمران کافی اچھی کاوش تھی ناولٹ میری عید تم ہونے بھی خوب مزہ دیا عید سے پہلے عید کے مزے ہوگئے۔ محبت گزیدہ قرۃ العین سکندر نے شروع سے آخر تک ایسا جکڑا کہ بس' ڈیئر قرۃ العین شاید یہ آپ کا پہلا سلسلہ وار ناولٹ تھا پر آپ نے شاندار لکھاری ویری گڈ افسانے کوئی میرے دل سے، پیا کا رنگ پیارا، گلابی عید، عیدیں ہزار باتی، تمام رائٹرز نے کافی عمدہ لکھا کہ تعریف کیا کروں۔ آرٹیکل میرے وطن تو عظیم ہے از اقرا حفیظ ویل ڈن مستقل سلسلے سارے سارے دن تھے۔ شازیہ اور گل کے تبصرے محفل کی شان رہے۔ کچن کارنر واؤ زبردست۔ گلشن، تابی کھرل، سدرہ کشف، پروین آپی آپ ہمارے پرنس بھائی پہ شک مت کریں وہ اور بھی ڈیشنگ لگنے کے لیے محنت کر رہے ہیں۔ خبردار جو منع کیا (پلیز ڈونٹ مائنڈ) او کے اللہ حافظ حجاب سالگرہ نمبر کا زبردست سا سروے تیار کرو جلدی سے اور ہم زبردست سے جواب تیار کرتے ہیں او کے۔

☆ پیاری تبسم! آپ لوگوں کا پیار اور خلوص ہی ہمارا سب سے بڑا اثاثہ ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارے اور آپ کے

Digitized by Google

درمیان یہ محبت وخلوص کا رشتہ یوں ہی برقرار رہے دعاؤں کے لیے شکریہ۔

ماہا حسین...... ٹنگہ۔ السلام علیکم سب کو عید مبارک ہو اور حجاب کو سالگرہ مبارک ہو۔ تو جناب اس ماہ کا ٹائٹل بورنگ تھا۔ کچھ لائٹ اینڈ کیوٹ دیا کریں۔ بات چیت ہمیشہ کی طرح عمدہ رہی۔ حمد و نعت کے تو کیا ہی کہنے اس ماہ جو سب سے اچھی تحریر مجھے لگی وہ ہے (میری عید تم ہو) کرن نعمان واہ مزہ آ گیا اتنی زبردست اسٹوری پڑھ کر۔ محبت گزیدہ کا اچھا اختتام ہوا۔ اب پلیز نازیہ کنول یا فاخرہ سے کہیں کہ ہمارے حجاب پر بھی دھیان دیں۔ مصباح علی سے بھی کہیں پلیز۔ مکمل ناول عید زندگی شازیہ نے بھی زبردست کوشش کی۔ ناکس افسانے سارے اچھے تھے خاص کر گلابی عید رابعہ میں آپ کی فین ہوں آپ ہی کوئی قسط وار لکھ دیں۔ آرٹیکل بھی اچھا تھا مستقل سلسلے اس دفعہ کچھ پھیکے پھیکے لگے ہاں ہم جو نہیں تھے اور کے بہت سر کھالیا۔

☆ پیاری ماہا! بہت جامع تبصرہ کیا اس لیے اس دفعہ "سر کھانے" والی حرکت سے درگزر کر رہے ہیں مگر خیال رہے اسے اور بھی بہت لوگ کھاتے رہتے ہیں آئندہ شاید کھانے کا موقع نہ ملے۔

سمرا گلزار...... کوٹلی گجرات۔ اس بار حجاب دیر سے ملا جس کی وجہ سے اداس رہے لیکن حجاب کی من موہنی صورت دیکھ کر ساری اداسی اڑان چھو ہو گئی۔ حجاب کے سب سلسلے بہت ہی زبردست ہوتے ہیں سب شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس دفعہ دو دن میں ہم نے حجاب پورا پڑھ ڈالا اور پڑھتے پڑھتے ڈانٹ بھی خوب کھائی کام نہ کرنے کی وجہ سے وہ بھی آپی سدرہ سے۔ زندگی رہی تو پھر حاضر ہوں گے۔

☆ پیاری سمرا! آپ کی لکھائی وقاص کی لکھائی سے سو فیصد سے بھی زیادہ ملتی ہے۔ یہ کیا معمہ ہے؟ حل تو کریں ذرا۔

وقاص عمر...... بنگز نو، حافظ آباد۔ اس دفعہ کا شمارہ جاذب نظر سرورق کے ساتھ ملا۔ سب سے پہلے ان تمام کا شکریہ جنہوں نے میری نگارشات کو تعریفی سند سے نوازا، کسی بھی لکھنے والے کے لیے قارئین کی رائے، تعریف تنقید اور حوصلہ افزائی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اور میں تمام احباب کا دلی طور پر مشکور ہوں کہ آپ سب نے مجھ جیسے انسان جسے شاید ابھی قلم تھامنے کا سلیقہ بھی نہیں اپنے قیمتی تبصروں سے نوازا۔ خاص کر اقراجٹ، سحر تبسم سحری اور سمیرا گلزار میری نگارشات پسند کرنے کا شکریہ۔ میں حجاب میگزین شروع دن سے پڑھ رہا ہوں۔ اتنا عمدہ اور فن سے بھرپور ایک مکمل ڈائجسٹ پڑھ کر مہینہ بہت اچھا گزرتا ہے اور اگلے شمارے کا بے صبری سے انتظار ہوتا ہے حجاب کی ہر تحریر عمدہ سے عمدہ تر ہوتی ہے۔ سب پروفیشنل اور منجھی ہوئی رائٹرز اپنی تحریروں کا بہت ہی عمدگی سے آغاز اور اتنی ہی عمدگی سے اختتام کرتی ہیں۔ بشریٰ کنول، گل مینا خان، مدیحہ نورین مہک، تبسم بشیر حسین، شازیہ ہاشم میواتی، فائزہ بھٹی، ارم کمال، شہزادی کھرل، ارم صابرہ، شمائلہ اکرم، یاسمین عندلیب، حنا ارشد آپ سب زبردست لکھتی ہیں۔

سنا لیاقت...... حافظ آباد۔ حجاب بہت شاندار میگزین ہے۔ پہلی بار میں نے خط لکھنے کے لیے قلم اٹھایا تو اس کی وجہ وقاص عمر ہیں۔ ان کا افسانہ ساون آیا تم نا آئے اتنا خوب صورت تھا کہ مجھے اپنی خاموشی ترک کرنا پڑی، میں نے حجاب سے بہت کچھ سیکھا اس کے سارے سلسلے بہت زبردست ہیں۔

☆ ڈیئر سنا! اس قدر مختصر تبصرہ؟ دیگر کہانیوں اور رائٹرز کے ساتھ بھی تو انصاف کرتیں صرف اپنے بھائی کا ہی تذکرہ

Digitized by Google

کیا ہے اور اپنا نام بھی غلط لکھا ہے شنا اس طرح لکھا جاتا ہے آئندہ خیال رکھنا۔

عریشہ زاہد عرشی...... ٹمن تلہ گنگ۔ ہمارے ہاں ڈائجسٹ لیٹ آتا ہے جس کی وجہ سے ہر ماہ تبصرہ کرنے سے محروم رہ جاتی ہوں اور دل کی خواہش دل میں ہی رہ جاتی ہے سو آج چند ماہ کا تبصرہ لیے حسن خیال میں شامل ہونے کی بھی جگہ تلاش کر رہی ہوں، کیونکہ کھڑا ہونے کی جگہ مل گئی تو بیٹھنے کی خود ہی بنا لیں گے (ہاہاہاہا) اب بڑھتے ہیں جنوری 2018 کی جانب تو اللہ پاک یہ تمام آنچل وحجاب امت مسلمہ کو مبارک ہو۔ جنوری کا ٹائٹل نازیہ بٹ کا سجا سنورا روپ دلکش تھا۔ پھر بڑھے قیصر آرا آنٹی کی طرف جن کی میٹھی میٹھی گفتگو جو ہمیشہ سے ہی کانوں میں رس گھولتی ہے۔ حمد ونعت سے دل کو منور کرنے کے بعد ذکر اس پری وش کا چاروں پرنسز کا تعارف اچھا لگا۔ گل مینا خان زبردست۔ رخ سخن میں نیل احمد سے ملاقات اچھی رہی، پھر آگے بڑھے ریحانہ آفتاب آپ نے تو خوش کر دیا لیکن آج لکھ رہی ہوں تو اس کی خاص وجہ آپ بھی ہیں۔ ریحانہ آفتاب کیا زبردست ناول ہے آپ کا میں ایسے ہی ایک ناول کے انتظار میں تھی ریحانہ آفتاب بیسٹ ہو آپ کے الفاظ آپ کی قلم کی نوک سے نکلا ہر لفظ ہمارے دل میں کھب سا جاتا ہے ہر کردار بیسٹ ہے ہر کردار کے پیچھے ایک کہانی ہے آپ کا ناول تو خیر بیسٹ ہے ہی آپ کے ناول کا نام اس سے بھی زیادہ بیسٹ ہے عشق دی بازی بس بازی ہی لے گیا۔ میرے خواب زندہ ہیں نادیہ فاطمہ رضوی، بہت جلد ہی حورین کو اپنی بیٹی لالہ رخ مل جائے گی فراز اور لالہ کی دوستی بہت پسند ہے، بہت اٹریکٹ کرتی ہے۔ کامیش کی پرسنلٹی کی کیا ہی بات ہے۔ شب آرزو تیری چاہ میں میں عرش کا کردار بہت پسند ہے دراج ہمیشہ یاد رہے گی۔ افسانے سارے ہی لاجواب تھے "محبتوں کا خراج" نزہت جبین ضیاء ویری نائس "عہد نشاط" صبا ایشل زبردست، بہت اچھا لکھا آپ نے "انا کا بت" بھی کسی سے کم نہیں تھا خاص طور پر "پھوپو کا بیٹا" صباحت رفیق چیمہ نے تو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ کوئی تو بتائے ہمارے تو ہنسی کے فوارے چھوٹ گئے۔ کیا زبردست طریقے سے نذیر فاطمہ نے محبت کے سائیڈ افیکٹس سے آگاہ کیا۔ "کارساز، سحر نو، دل نادان، نئے برس کی پہلی بارش" حیا بخاری چھا گئیں آپ تو۔ "دل آشنا" یمنیٰ اختر کا مکمل ناول "فنٹاسٹک" پیکر کا اظہار محبت بہت منفرد سا اسٹائل دل کو بھا گیا۔ "میں تو مر کر بھی تجھے چاہوں گا" نگہت غفار آپ نے تو کمال کر دیا۔ "شب ظلمت میں چاند" کرن نعمان، بہت زبردست موتی چنے "ڈھل گیا ہجر کا دن" نادیہ احمد کی بہترین کاوش۔

فروری 2018

ٹائٹل صلہ حسین ماشاءاللہ چمکتی ہوئی، بہت دلفریب لگیں۔ فہرست میں نظر ڈالی تمام نام جانے پہچانے لگے قیصر آرا کی خوب صورت بات چیت ہمیشہ کی طرح میٹھا میٹھا لہجہ نہایت دل کے قریب محسوس ہوا۔ حمد ونعت سے فیض یاب ہوئے بے شک خالق دو جہاں رب عظیم ہے ذکر اس پری وش کا چاروں پرنسز کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ لیلیٰ رب نواز آپ کی کچھ کچھ عادات میری جیسی ہیں تو ہو جائے دوستی (خوب نبھے گی) ملاقات (شبینہ گل) زبردست لاجواب رہی بہت اچھا لگا آپ کو روبرو دیکھ کر ہمیشہ ایسے ہی لکھتی رہیں اچھا اچھا اور پلیز زیادہ سے زیادہ لکھا کریں سب کچھ چھوڑ کر آنا تو ہاں جی ہاں ہم بھی سب کچھ چھوڑ کر بھاگے بھاگے "عشق دی بازی" کی طرف ریحانہ آفتاب کیا اسٹائل ہے آپ کا کیا زبردست ناول ہے جو برسوں یاد رہے گا اور آپ نے تو ناول کا اسٹارٹ ہی اتنا زبردست لیا کہ پڑھتے ہوئے سحر طاری

Digitized by Google

ہوجاتا ہے عیشال تو ہمیشہ یاد رہے گی شاہ زر شمعون اور سہان کی بھی کیا خوب پرسنیلٹی ہے اور حویلی بھی کیا شاندار ہے۔ ”میرے خواب زندہ ہیں“ زبردست جارہی ہے لگتا ہے بہت جلد اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔ باسل اور تاشو کو بھی ایک دوسرے کا بنا دیں اور مہرو کو بھی کا میش شاہ کے ساتھ کردیں۔ ”ڈھل گیا ہجر کا دن“ نادیہ احمد آخر کار ڈھل ہی گیا ہجر آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ کیا خوب صورت موتی چنے آپ نے اور بہت زبردست اینڈ کیا اور واقعی آپ نے معاشرے کی جیتی جاگتی کیفیت پیش کی ایک کریہہ صورت حال سے آگاہی دی ”تاج محل“ طیبہ عنصر مغل زبرست ”زمین زاد“ صبا ایشل آپ تو ہمیشہ کی طرح موتی پروتی ہیں۔ شبینہ گل ”سنڈریلا“ مزہ آ گیا۔ ”سراب رستے“ (عاصمہ عزیز) لاجواب لال رنگ مونا شاہ آپ نے نہایت اہم نقطے پر نظر ڈالی۔ زبردست ”کوئی ہمدم ہو“ رمیل آرزو اسلام اور آج کی دنیا اقرا لیاقت اکیسویں صدی اور مشرقی استاد عائشہ تنویر (ہمیشہ کی طرح لاجواب) ”رت آئی گلاب کی“ حمیرا علی زبردست قابل تعریف الفاظ نہیں (ونڈر فل)

مارچ 2018

سرورق ماشاء اللہ بہت ہی جاذب نظر پر بہت ہی مغرور ماڈل لیلیٰ منیز ے کیا ادا سے بیٹھی تھی مگر بہت ہی دلکش لگی دیکھتے ہی یہ شعر ذہن میں آیا۔

”خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے۔“

چاروں فرینڈز کے تعارف پسند آئے۔ مہتاب شاہ (نائس نیم) مہتاب شاہ آپ کا بھی حال کچھ میرے جیسا ہے۔ قرۃ العین سکندر سے ملاقات زبردست رہی اللہ پاک آپ کو ہمیشہ کامیاب کرے اور یونہی اپنے قلم سے روشنی بکھیرتی رہیں ”میرے خواب زندہ ہیں، عشق دی بازی، شب آرزو تیری چاہ میں“ تینوں سلسلہ وار ناول زبردست اپنی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ ”محبت بھیگتا جنگل“ زبردست (عابدہ سبین) ”محبت گزیدہ“ قرۃ العین سکندر (ونڈر فل) بہت بہت مبارک ہو آپ کو۔ ”میری تکمیل تم سے ہے“ (نظیر فاطمہ) جب بھی لکھتی ہیں چھا جاتی ہیں تمام افسانے زبردست رہے ”نامحرم“ سچ کہا ہانیہ درانی ”میرا گھر، محبت ذات، سوال، شاعری کا سز، بانو باجی“ ہلکی پھلکی تحریریں اچھی لگیں نہایت اچھے مضموں کے ساتھ چھا گئیں ”بیٹا“ زاہار ضوان ہماری آنکھوں میں نمی اتر آئی (زبردست) ”وجود زن“ اقرا حفیظ آپ تو کمال لکھتی ہو (اللہ آپ کو کامیاب کرے)۔

اپریل 2018

سرخ رنگ کا ٹائٹل سدرہ جبار سے سجا ہوا ملا۔ ”محبت بھیگتا جنگل“ جیسا سوچا تھا اختتام بالکل ویسا ہی ہوا۔ ”صراط مستقیم“ اس تحریر کو پڑھتے ہوئے آنکھوں کے گوشے نم ہوگئے کیا خوب صورت عنوان تھا ”اشک سحر گاہی“ شکر ہے ساس صاحبہ کو بھی کچھ عقل آئی ”جرم محبت“ محبت واقعی کچھ نہیں دیتی اپنی مرضی کی محبت میں خسارہ ہی خسارہ ہے ذلت کے سوا کچھ نہیں۔ ”تھپڑ“ ایمان عدیل کو اس کی اوقات دیکھا کر بہت اچھا کیا میرا دل خوش کردیا۔ مستقل سلسلوں میں ہمیشہ کی طرح ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ مدیحہ نورین مہک، سحر تبسم سحری کے تبصرے اچھے تھے (شوخئ تحریر) نجم انجم اعوان یو آر نائس فائزہ جٹ، طاہرہ منور کا انتخاب اچھا تھا عالم انتخاب میں کچھ خاص پسند نہیں آیا (سوری)۔ بزم سخن میں سب کے

Digitized by Google

اشعار اچھے لگے۔

مئی 2018

"وہ جو تیری چاہت ہے" نفیسہ آنٹی آپ تو چھا گئیں بہت زبردست موضوعوں پر آپ نے موتی بکھیرے اللہ تعالیٰ ہر انسان کو ہدایت دے بہت سبق آموز موضوعوں پر آپ نے لکھا۔ "فیس بک" عرشیہ ہاشمی واقعی فیس بک بہت فضول ہے "محبت گزیدہ" فنٹاسٹک دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے "عشق دی بازی" تو حجاب کی آن بان شان اور جان ہیں بہت زبردست جا رہی ہے کیا زبردست نام ہے۔ ماورا، ایشان جان، شنائیہ (ویری نائس) اور عیشال اور سہان تو میرے فیورٹ کردار ہیں مکمل ناول "چاند کے ہمراہ" بہت متاثر کیا ام ایمان قاضی نے زبردست۔ دہرا معیار لاجواب تحریر۔ "خسارہ" صائمہ مشتاق ہلکی پھلکی تحریر زبردست رہی "شب آرزو تیری چاہ میں"۔ "میرے خواب زندہ ہیں" دونوں قسطیں خوب رہیں اب زیادہ طویل نہ کریں ورنہ مزہ خراب ہو جاتا ہے مکمل ہونے پر تفصیلی تبصرہ کروں گی "کچن کارنر" کے سامنے سے گزرے تو مزے مزے کی خوشبوؤں نے استقبال کیا۔ "محسن عزیز، اقراجٹ، ہالہ سلیم، ڈشز تیار کر کے رکھیے گا ہم آ رہے ہیں۔ شوخی تحریر میں وقاص عمر شہزاد یہ شجاع الدین، سعدیہ شبیر چھا گئے اور تمام سلسلے ہی ہمیشہ کی طرح اچھے لگے۔

جون 2018

جون کا شمارہ عید نمبر تھا دلہن کا سجا سنورا روپ بہت دلکش لگا۔ "شب آرزو تیری چاہ میں" اور "میرے خواب زندہ ہیں" (زبردست) "محبت گزیدہ" (نائس جا رہی ہے) "سنو اے جان جاناں" عمارہ خان بہت خوشگوار اینڈ کیا بعض لوگ شازنے جیسے ہی ہوتے ہیں مگر سوٹو نے اپنا آپ منوالیا ساتھ ساتھ لطف اندوز بھی ہوئے۔ ام مریم اپنے ناول کے سنگ کافی عرصے بعد نظر آئیں پلیز آپ زیادہ سے زیادہ لکھا کریں (ریکوئسٹ) حرا قریشی کا عید کے حوالے سے لکھا آرٹیکل انفرادیت اور دلچسپی سے بھرپور تھا۔ "عشق دی بازی" ریحانہ آفتاب دل کرتا ہے آپ کے ہاتھوں اور انگلیوں کو چوم لوں ایک بات تو بتائیں آپ اتنا اچھا کیسے لکھتی ہیں (بتایئے گا ضرور) افسانے سب عید کے حوالے سے تھے سب ہی اپنی اپنی جگہ اچھے تھے سب سے اچھا مہ جبین تاج کا افسانہ تھا ہلکا پھلکا شگفتہ اور دلچسپی سے بھرپور تھا جون عید نمبر شمارہ اچھا رہا۔

جولائی 2018

سرورق اس بار اچھا نہیں تھا ماڈل فریحہ بس سو سو ہی تھی کچھ خاص متاثر نہیں کیا (حمد و نعت سے فیض یاب ہوئے) ذکر اس پری وش کا ہمیشہ کی طرح پریاں چھائی رہیں سحر تبسم سحری ہاتھ ملاؤ بھئی ہمیں بھی اسکوٹر چلانے کا بڑا ہی جنون ہے مگر ابھی مرنے کا بھی تو کوئی ارادہ نہیں ہے نا یار اور آپ کی فیورٹ رائٹرز تو ہیں ہی پسندیدگی کے قابل۔ بارش تو ہماری بھی کمزوری ہے اور آپ کو جانوروں سے بہت پیار ہے (ویری نائس) "رابعہ احمد بھٹی" اللہ آپ کو کامیاب کرے زندگی کے ہر امتحان میں خدیجہ ایمان واؤ کیا شاعری لکھی آپ نے آپ سے مل کر اچھا لگا۔ (تعارف اچھا لگا) اب یہ نہ سوچتے رہیے گا کہ پتا نہیں میں عریشہ کو کب ملی ہوں (ہاہاہا) عائشہ انور کا تعارف بیسٹ رہا (زبردست) ام ایمن آپ کے بارے میں جان کر بھی بہت اچھا لگا "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ فاطمہ رضوی" سونیا پر تو رحم کر غصہ آیا ایسی عورتیں تو بالکل بھی نہیں پسند دل کر رہا ہے اس کو شوٹ کر دوں نادیہ فاطمہ رضوی آپ ہی اس کو شوٹ کرا دیں فراز کا کردار دل کو بہت بھاتا ہے مہرو کو

اب مونچھوں والے سے شادی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتالالہ پرتو لگتا ہےابرام فدا ہو گیاباسل تو تاشو سے پیار کرنے لگا،باسل میاں یہ تو میری بھی خواہش تھی۔نادیہ فاطمہ رضوی ان محبت کرنے والوں کوملا دیں۔زرینہ رانی تم فکر نہ کرو تمہارا بھی کام سیدھا کر رہی ہے تمہاری جان سے پیاری عزیز دوست۔''میرے خواب زندہ ہیں'' دوستی کا رشتہ مجھے بہت انٹریکٹ کرتا ہے''شب آرزو تیری چاہ میں''بس ہونے کو ہے۔''عشق دی بازی''میں صدقے جاؤں عیشال تمہیں جب پتا بھی ہے کہ سہان تم کو کچھ نہیں ہونے دے گا تو کیوں آپ خودکشی کرنے لگی تھیں،پلیز ریحانہ آفتاب آپ بے چاری عیشال کے ساتھ کچھ برامت کیجیے گاوہی تو اس ناول کی رونق ہےاس کے ساتھ اگر کچھ ہو گیا تو میرا اور سہان آفندی کا کیا بنے گا مکمل ناول''چاند ہتھیلی پر''نزہت جبین ضیاء،ویری نائس کیا زبردست لکھتی ہیں آپ کو کتاب کی اشاعت پر بہت بہت مبارک ہو۔انوکھی عید(عمدہ)تم ملو تو عید ہو بس ہم تو فدا ہو گئے افسانے سارے ہی لاجواب تھے۔''میری عید تم سے ہے''زارارضوان''کاسۂ گدائی''خدیجہ جلال ہلکی پھلکی تحریر اچھی لگی۔''تم آؤ تو عید کریں''حمیرا شاہین،بہت ہی سبق آموز تحریر لاجواب رہی مشعال کو اس کی غلطی کا احساس ہوا یہ بہت بڑی بات ہے۔''پیاسنگ عید''تمثیلہ زاہد(لاجواب)''عید کا چاند''افشاں شاہد کیا خوب لکھا آپ نے(فنٹاسٹک)دوست کا پیغام آئے میں جیاعباس کاظمی تلہ گنگ اقراجٹ گل مینا(بلبل)مدیحہ نورین مہک چھائے رہے۔جیاعباس اللہ آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں جگہ اور لواحقین کو صبر عطا فرمائے واقعی ماں کے بنا تو اپنی ذات بھی ادھوری لگتی ہے۔حسن خیال میں تبسم بشیر(زبردست)تبصرہ لاجواب رہا پروین افضل شاہین،سحر تبسم سحری،ثنا فرحان،عنبر فاطمہ،وقاص عمر چھائے رہے ٹوٹکے سب ہی اچھے تھے۔''عالم انتخاب''میں پروین افضل شاہین،صبا ایشل،عظمیٰ فاروق،ندا افتخار،ارم صابرہ،بیسٹ چوائس۔شوخی تحریر میں محمد ندیم،علشبہ نور،مدیحہ نورین مہک،اقراجٹ،صدف اعوان،سعدیہ بنواز،نجم انجم اعوان،ندا افتخار،گلشن چوہدری،بنت امی عائشہ سب کا انتخاب لاجواب رہا''کچن کارنر''میں ہماری فیورٹ ڈش کو دیکھتے منہ میں پانی آ گیا۔عائشہ سلیم(زبردست)بزم سخن میں حنا ارشد، ارم کمال،سباس گل،رقیہ ناز نے تو بچپن یاد دلا دیا۔ذکازرگر،پروین افضل شاہین،آنٹی کوثر خالد زبردست رہیں۔''جیسا میں نے دیکھا''میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں ہمیشہ کی طرح لاجواب ہوتا ہے حجاب ہر لحاظ سے مکمل ڈائجسٹ ہے بس صرف ایک کمی ہے(ہم سے پوچھیے)یہ بھی ہونا چاہیے اگست کا شمارہ ابھی نہیں پڑھا انشاءاللہ اگلے شمارے کے ساتھ اگست کا تبصرہ بھی ساتھ ہوگا کیونکہ شرکت کی مجھے جلدی ہے،بہت محنت سے لکھا ہے،پلیز ضرور شائع کیجیے گا۔ورنہ میرا نازک دل ٹوٹ جائے گا۔زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔سب کو گزشتہ عیدالاضحیٰ کی خوشیاں اور گوشت مبارک ہو۔اللہ حافظ۔

شازیہ ہاشم میواتی ...... کھڈیاں،قصور۔

دیتا ہے جو جگنوں کو روشنی پھولوں کو عطر شاز
وہی میرے قلم کو الفاظ عطا کرتا ہے

کیا حال ہے ڈیئر مدیرہ حجاب اسٹاف رائٹرز اینڈ ریڈرز،امید ہے بفضل الٰہی سب خوش وخرم ہوں گے۔''ملاقات''ایڈمسن چینل حنا اشرف ماشاءاللہ اتنی چھوٹی سی عمر میں لکھنا شروع کر دیا۔اللہ آپ کے قلم کو مزید نکھار

Digitized by Google

عطا فرمائے، ڈیئر حنا۔ ”میرے خواب زندہ ہیں“ نادیہ آپی فنٹاسٹک بہت زبردست موڑ آیا شکر ہے فراز کی ماما نے بھی ہوش کی دنیا میں آنکھ کھول ہی لی اور سونیا کی گھٹیا اور رذیل سوچوں کے بارے میں پتا چل ہی گیا اور فراز کی بے گناہی ثابت ہوگئی۔ ”عشق وی بازی“ آنٹی ریحانہ ایکسیلنٹ بڑے زبردست موڑ آرہے ہیں۔ یہ بہت اچھا کیا آپ نے شاہ اور شانئیہ کے نکاح کا عندیہ دے کر۔ واہ عیشال مجھے لگتا ہے تو قسمت کی دھنی ہے۔ پیار رنگ پیارا فرح بھٹو بہت زبردست تحریر تھی حور عین اور اس کی بھابھیوں کا آپس میں پیار واؤ شاندار۔ گلابی ”عید“ حریم جیسے نجانے معاشرے میں کتنی ہی بیٹیاں اور بہنیں بے بسی اور والدین کی شفقت سے محرومی کے ساتھ اپنی زندگی کی سانسیں گن گن کر گزار رہی ہیں۔ ”جیسا میں نے دیکھا“ پروین آنی کی نظم بڑی خوب صورتی سے دل کے خانوں میں سماگئی۔ بزم سخن زبردست اشعار لیکن مجھے سب سے پیارے اشعار ریحانہ چوٹالہ کے لگے۔ کچن کارنر ڈیئر سحری دودھ دلاری بنا کر بھیج دینا اور پروین آنی آپ فرائی چکن۔ جلد از جلد سیدہ لوبا سجاد پہلے بنا کر کھلاؤ پھر میں خود ٹرائی کروں گی۔ آرائش حسن الیس این شہزادی آپ کے ٹوٹکے تو ڈائری میں نوٹ کرلیے اب دیکھتے ہیں عمل کب کرتے ہیں ہم اس پر، اس معاملہ میں ازل کی کاہل اور نکمی ہوں عالم میں انتخاب ارم صابرہ بہت اعلیٰ تانیہ گل شاندار، عریشہ سہیل زبردست طلعت نظامی نائس، ہما ویری فائس، افشاں خان واہ کیا خوب لکھا شاعر بدھد نے، ضوباریہ ساحر کمال ساغر صدیقی مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ کوثر ناز بہت اچھا جون ایلیا یعنی جویریہ ضیا کا انتخاب زبردست۔ داغ دہلوی کی نظم بہت اچھی لگی صائمہ شیرازی ویل، صبا ایشل ایکسیلنٹ آپی سدرہ شاہین، (داغ دہلوی)، عائشہ سلیم اور طیبہ ارشاد کے انتخاب بھی بہت اچھے لگے۔ سب کی تحریریں نہایت عمدہ تھیں۔

☆ پیاری شازیہ! آپ کا انتہائی طویل خط پورا پڑھا آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے کسی ایک موضوع کو منتخب کرکے پوری یکسوئی کے ساتھ اس پر طبع آزمائی کریں اور ہمیں سلسلہ ”آرٹیکل“ کے لیے بھیج دیں، رہی آپ کے نمبر کی بات تو ہم سے واقعی غلطی اس کے لیے معذرت چاہتے ہیں۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ کے لیے اجازت چاہوں گی کہ اللہ رب العزت ہم سب کا حامی وناصر ہو آمین۔

Digitized by Google

ہومیوکارنر

طلعت نظامی

ہیضہ (Cholera)

یہ آنتوں کا مقعد حار مرض ہے جو اکثر وبائی صورت میں پھیلتا ہے اس مرض کا باعث ایک قسم کا نباتی کیڑا' یہ بیکٹیریا چونکہ خمدار شکل کے ہوتے ہیں اس لیے اسے کاموبیکٹر یا (Common Bacteria) یا ہیضہ کا کیڑا (Colera Bacillus) کہتے ہیں یہ جرثومہ 1883ء میں دریافت کیا گیا تھا۔

اسباب مرض:۔

اس مرض کے بیکٹیریا گندے پانی میں موجود ہوتے ہیں۔ مکھیاں گندگی سے انہیں اپنے پروں اور ٹانگوں میں لگا کر آتی ہیں جونہی یہ مکھیاں کسی کھانے پینے کی چیز پر بیٹھتی ہیں تو جراثیم ان میں شامل کر دیتی ہیں۔ یہ جرثومہ مریض کے دست قے کے ذریعے پانی' دودھ یا دوسری کھانے پینے کی اشیا میں مکھی کے ذریعے داخل ہو جاتے ہیں اور پھر دوسرے صحت مند اشخاص کی آنتوں میں پہنچ کر یہ مرض پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔ ہیضہ کے جراثیم بستر یا کپڑوں میں لگ کر مدتوں اس مرض کے زہر کو قائم رکھتے ہیں بعض اوقات کنویں' چشمہ یا تالاب کا پانی ان جراثیم سے پر ہو جاتا ہے اور مرض کے پھیلانے کا باعث بنتے ہیں جن اشخاص کا ہاضمہ خراب ہوتا ہے یا جو نازک مزاج اور ڈرپوک ہوتے ہیں ان کو یہ مرض زیادہ ہوا کرتا ہے تیز تھکان' بے خوابی' ایام ہیضہ میں تیز مسہل لینا' گندی و ناپاکیزہ غذا کی بد پرہیزی مثلاً گلے سڑے پھل' سبزی' گوشت' مچھلی' اسی طرح تربوز' آم' کھیرے' خربوزے' ککڑیاں زیادہ کھانا' نیم پختہ غذا کا استعمال' ملائی دار برف یا قلفی یا زیادہ برف کا پی لینا یہ سب اس بیماری کے اسباب ہیں۔

زمانہ حضانت (Ineubation Period)

اس مرض کا زمانہ حضانت ایک سے چار دن تک ہے لیکن اکثر ایک دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اس دوران طبیعت سست' کاہل اور بے چین ہو جاتی ہے کبھی ہلکا سر درد دوران سر درد جسم میں گرانی محسوس ہوتی ہے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے اصل مرض شروع ہونے سے قبل مریض کو دو چار دست آتے ہیں جس سے وہ زیادہ فکر مند اور پریشان ہو جاتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ رات کو سوتے میں مرض کا حملہ شروع ہو جاتا ہے۔

مرض کی پیتھالوجی:۔

خوراک یا پانی کے ذریعے Vibrio Cholera نامی بیکٹیریا نظام انہضام میں داخل ہو جاتا ہے یہ بیکٹیریا زندہ حالت میں بھی کافی خطرناک ہوتا ہے مگر مرنے کے بعد یہ اور بھی خطرناک ہو جاتا ہے یہ بیکٹیریا مرنے کے بعد Endotoxins خارج کرتے ہیں اس کے علاوہ ایک انزائم خارج کرتے ہیں جسے Mucinase کہتے ہیں۔ اس انزائم کے اثر سے بلغمی جھلیوں Mucous Epithelium کے خلیات سوکھ جاتے ہیں اور چھلکے بن کر اترنے لگتے ہیں یہ Endotoxius چھوٹی آنت اور بڑی آنت میں موجود عروق شعریہ کو پھیلا دیتا ہے جس کے نتیجے میں خون میں موجود آبی مادہ Waste

Digitized by Google

prooduct دونوں کو پانی کی طرح پتلا کر دیتا ہے آنتوں کا موجودہ ماحول بیکٹریا کے واسطے بہت سازگار ہوتا ہے یہ تیزی سے تقسیم ہوتے ہیں اس طرح پانی کی طرح پتلے لاتعداد اسہال شروع ہوجاتے ہیں اور لفاوی غدود متورم ہوجاتے ہیں۔

علامات کے لحاظ سے اس مرض کو چار درجوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

درجہ اول (Initial Stage)

اس درجہ میں پیٹ میں درد ہو کر قے اور دست آنے لگتے ہیں جن میں فضلے کے ساتھ چاولوں کی پیچ جیسے دست آنے لگتے ہیں دستوں کے کچھ دیر بعد قے آنے لگتی ہے قے میں بھی پہلے غذا نکلتی ہے پھر چاولوں کی پیچ کی طرح قے آنے لگتے ہیں۔

درجہ دوم (Severe Diseased)

اس درجہ میں علامات شدید ہوجاتی ہیں دست و قے زیادہ آنے لگتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں میں اینٹھن شروع ہوجاتی ہے۔ سر اور پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ شدت کی پیاس لگتی ہے لیکن مریض ادھر پانی پیتا ہے ادھر قے کر دیتا ہے۔ بے چینی اور گھبراہٹ بڑھ جاتی ہے یہ صورت حال دس بارہ گھنٹے تک برقرار رہتی ہے۔

درجہ سوم (Collapse Stages)

دستوں اور قے کے ذریعے جسم سے رطوبت کے اخراج کے سبب خون گاڑھا ہوجاتا ہے اس لیے جسم کی حرارت کم ہوجاتی ہے۔ مریض بے حد کمزور ہوجاتا ہے سرد پسینہ آتا ہے اور سارا جسم ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ سانس لینے میں تکلیف ہوتی ہے مریض گفتگو نہیں کرسکتا آنکھیں پتھرا جاتی ہیں پیاس بہت لگتی ہے۔ آنکھوں کے گرد نیلگوں حلقے پڑ جاتے ہیں نبض کمزور اور اٹک اٹک کر چلتی ہے چہرے پر مردنی چھا جاتی ہے دست اور قے بند ہوجاتے ہیں۔ یہ حالت دو تین گھنٹے سے زیادہ نہیں رہتی اکثر مریض اسی درجے میں موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں اگر یہ حالت بخیر و عافیت گزر جائے تو مریض کی شفا کی امید ہوا کرتی ہے۔

درجہ چہارم (Reaction Stage)

اس درجہ میں علامات میں آہستہ آہستہ تخفیف ہوجاتی ہے۔ قے آنے بند ہوجاتے ہیں نبض کی رفتار بڑھ جاتی ہے بدن گرم ہوجاتا ہے کبھی بخار بھی ہوجاتا ہے چہرے پر رونق بحال ہونا شروع ہوجاتی ہے۔

انجام مرض (Prognosis)

اس مرض کا انجام اکثر خطرناک ہوتا ہے مرض کے ابتدا میں موت کا شکار ہونے کے زیادہ چانسز ہوتے ہیں البتہ آخر میں مرض کا زور ٹوٹ جاتا ہے کمزور قوت مدافعت رکھنے والے لوگ زیادہ دن تک اس مرض کو جھیلتے ہیں جن لوگوں کے گردے خراب ہوں وہ بھی اس مرض میں مبتلا ہو کر بہت کم شفایاب ہوتے ہیں۔

(جاری ہے)

دوست کا پیغام آئے

ملیحہ احمد

حجاب اور حجاب قارئین کے نام

السلام علیکم حجاب قارئین! کیا حال ہے امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ پہچانا مجھے؟ اوآپ مجھے کیسے پہچاننے لگے پہلی بار او نہیں دوسری بار جو شرکت کر رہی ہوں۔ اس سے پہلے میں نے تین سال پہلے تعارف بھیجا تھا آنچل میں جو جولائی ۲۰۱۸ء حجاب میں شائع ہوا' دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی (ایسے مت گھورو یار) خوشی سے یقین جو نہیں آرہا تھا۔ میں آنچل پچھلے پانچ سال سے پڑھ رہی ہوں اور اب حجاب بھی۔ ہر ماہ سوچتی تھی کہ کچھ لکھ کر بھیجوں پر یہ سوچ کر ہمت ہی نہیں ہوتی تھی کہ کیا پتا شائع ہو یا نہ ہو پر اب تعارف دیکھ کر ہمت آگئی ہے تو کیا آپ میری ہمت کو داد دیں گے یہ شائع کرکے قسم سے ملیحہ آپی! آپ کو بہت دعائیں دوں گی اللہ آپ کو ہمیشہ تندرست رکھے' آمین لو ابھی سے آپ کو دعائیں دینا شروع کردیں (ہاہاہاہا) سچ میں مذاق نہیں کر رہی تو اب بات ہوجائے قارئین کی میں آپ سب آنچل اور حجاب پڑھنے والیوں سے دوستی کرنا چاہتی ہوں حسینہ ایچ ایس' تمنا بلوچ' ذکا زرگر' مدیحہ نورین مہک' عائشہ پرویز' لاڈو ملک' دعائے سحر' انا سحر' ایس این شہزادی کھرل' حنا ارشد' سحر تبسم سحری' اقرا جٹ' اقرا حفیظ' دلکش مریم' فائزہ بھٹی' حنا ارشد اور وہ سب بھی جن کے نام رہ گئے ہیں کیا آپ مجھ سے دوستی کرنا چاہیں گی۔ آپ سب کے جواب کا انتظار رہے گا۔ او کے اللہ حافظ۔

ام ایمن...... ضلع مظفر گڑھ

اہل حجاب کے نام

السلام علیکم کیسی ہیں' سب یقیناً ٹھیک ہوں گی۔ میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔ تچی مچی اور جن پیاری پیاری بہنوں نے میری نگارشات کو پسند کیا ان کا بے حد شکریہ اور جنہوں نے میرے لیے پیغام دیا ان کا بھی بے حد شکریہ۔ ابھی ایگزام چل رہے ہیں اور وقت نہیں ہے کہ حجاب پڑھوں اسی لیے جلدی میں خط لکھ رہی ہوں۔ آپ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیے گا کہ میرے ایگزامز بہت اچھے ہوجائیں اور پھر انشاء اللہ اگلے ماہ سے باقاعدہ انٹری دوں گی' اب چلتی ہوں۔

زندگی رہی تو پھر ملیں گے
نہ رہی تو قیامت کے دن ملیں گے

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

تمام لکھنے والوں کے نام

تمام لکھنے والے اور انتظامیہ کو تہہ دل سے سلام۔ پیاری کزن مدیحہ! آپ کو جنم دن مبارک۔ حنا ارشد کہاں گم ہو آپ؟ پروین افضل شاہین' صبا ایشل' کوثر خالد' بشریٰ کنول کیسی ہو آپ سب' مدیحہ نورین تم اپنے نام کی طرح مہکتی رہو' دلکش مریم! آپ واقعی دلکش ہو۔ گل مینا' سمیرا سواتی آپ مجھے اچھی لگتی ہیں۔ وقاص عمر آپ کیسے ہیں آپ کو ایوارڈ ملنے پر بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے' آمین وقاص عمر! آپ جیسے اچھے اور عظیم انسان اس جہاں میں بہت کم ہیں۔ وقاص عمر آپ کے لیے ایک شعر

تیری تحریر کی سجاوٹ بنے تیرا مقدر
سج جائے تیری زندگی تیری تحریر کی مانند

پیاری رمشا آپ بھی ہمیشہ خوش رہو۔ امی ابو' دادو جان وجیہہ حرا' ایمن اور اریبہ آپ سب سے بہت پیار کرتی ہوں۔ تمام احباب کو میری طرف سے عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔ ابوبکر! آپ کی

Digitized by Google

وجہ سے ہمارے گھر میں رونق ہے۔ اللہ آپ کے خواب پورے کرے۔ آمین' اللہ حافظ۔

اریشہ راج.....ٹمن تلہ گنگ

تمام پڑھنے والوں کے نام

دل کی تمام تر گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ منفرد لفظوں کے ساتھ حجاب ڈائجسٹ اسٹاف حجاب ریڈرز' حجاب رائٹرز' حجاب ڈائجسٹ سے جڑے ہر فرد واحد کو اریشہ زاہد عرشی کا پیار و خلوص اور محبتوں بھرا سلام قبول ہو۔ امید ہے سب ٹھیک ٹھاک اور خیر و عافیت سے ہوں گے اور اللہ پاک سے دعا ہے جہاں بھی رہیں ہمیشہ سلامت رہیں۔ ظالمو! کسی نے بھی یاد کرنا گوارا نہیں کیا (چلو خیر کوئی بات نہیں) میری طرف سے سب کو گزشتہ عید مبارک ہو۔ کنجوسو! کسی نے بھی گوشت نہیں بھیجا میری طرف یہ بھلا کیا بات ہوئی۔ اب سب سے پہلے تو مبارک دیتے ہیں پیاری کزن مدیحہ ضیاء کو جو ماشاء اللہ سے ۱۷ ستمبر کو اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئیں بہت بہت مبارک ہو ڈیئر کزن! ہمیشہ خوش رہو تا شو اور ایمان تمہاری اگست میں سالگرہ تھی پیپی برتھ ڈے ٹو یو ارے ارے تم کو کیسے بھول سکتی ہوں پیاری بہن حرا تم کو بھی سالگرہ مبارک ہو۔ میری دعا ہے اللہ تمہیں زندگی کے ہر موڑ پر کامیابیاں نصیب کرے۔

''خدا کرے سلامت رہے کسی دعا کی طرح
اک تو اور دوسرا مسکرانا تیرا''

اریبہ دل لگا کر پڑھا کرو۔ رمشا ڈیئر! تم تو میری جان ہو۔ میری جان مجھ سے کبھی الگ مت ہونا۔ امی جان' ابو اینڈ دادو جان آپ ہمیشہ خوش رہیں کیونکہ آپ کی خوشیوں میں ہی میری خوشی ہے۔ ابو بکر شرارتی بوائے! اللہ تمہیں لمبی زندگی دے اور یونہی ہنستے مسکراتے رہو۔ حنا ارشد دعاؤں میں یاد کرنے کا بے حد شکریہ۔ نجم انجم اعوان آپ غائب مت ہو جایا کریں۔ میں آپ کی کمی کو بہت محسوس کرتی ہوں۔ نورین انجم آپ کیوں ناراض ہو کر بیٹھ گئی ہیں۔ چلیں شاباش راضی ہو جائیں ورنہ آنچل و حجاب آپ سے ناراض ہو جائیں گے' پروین افضل شاہین مجھے آپ بہت پسند ہیں' کیا کہتی ہیں آپ کو آئی لو یو نہ کہہ دوں (ہاہاہا)

عائشہ پرویز! آپ کو جنم دن اور شادی بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ کرے آپ ہمیشہ ہنستی مسکراتی مہکتی رہیں (کم سے کم مجھے تو انوائٹ کر لیا ہوتا) ویسے بھی میں حلوہ دکھائی ہی نہیں آپ کی بچت ہی تھی (ہاہاہا) لیلیٰ رب نواز' اقرا جٹ' گلشن چوہدری' انیلا طالب' دلکش مریم' مدیحہ نورین مہک' صبا ایشل' ارم کمال آپ کہاں غائب ہیں۔ ادیقہ احمد' ارم صابرہ' ریحانہ آفتاب' صبا' روا' ذکا زرگر' گل مینا (بلبل) نورین مسکان سرور آپ سب کو میری طرف سے خصوصی تہہ دل سے گزشتہ عید مبارک ہو آباد رہو' آخر میں بس اتنا کہنا چاہوں گی' جب ناکام ہو جائیں تو ناکامی سے ملنے والا سبق کبھی نہ بھولیں اینڈ کسی کو اتنا دکھ نہ دیں کہ اسے جینے سے نفرت ہو جائے' ان شاء اللہ پھر ملاقات ہو گی تب تک کے لیے اجازت۔ فی امان اللہ۔

اریشہ زاہد عرشی.....ٹمن تلہ گنگ

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

تخم بالنگا

تخم بالنگا کا پودا زیادہ بڑا نہیں ہوتا لیکن اس پودے کا شمار ان پودوں میں کیا جاتا ہے جو سب سے زیادہ فیٹی ایسڈ کی مقدار رکھتے ہیں۔ تخم بالنگا کی تاثیر ٹھنڈی ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے بیج ہوتے ہیں جنہیں پانی میں ڈالا جائے تو یہ پھول جاتے ہیں۔ انہیں فالودے میں ملا کر یا ٹھنڈے دودھ یا پانی میں ملا کر پیا جاتا ہے اس کا باقاعدہ استعمال جسم کی گرمی کو مارتا اور ٹھنڈک پیدا کرتا ہے۔ انسانی صحت کے لیے اس کا استعمال ہر لحاظ سے فائدہ مند ہے۔ تخم بالنگا کے چھوٹے چھوٹے بیجوں میں حدت یا گرمی سے مقابلہ کرنے کی طاقت پوشیدہ ہے۔ تخم بالنگا جسے تخم ملنگا بھی کہتے ہیں اس کا پودا قدرت کی طرف سے ہمارے لیے ایک نعمت عظیم ہے کہ اس میں کئی طرح کی معدنیات اور دیگر اجزاء پائے جاتے ہیں جن کی ہمارے جسم کو ضرورت ہوتی ہے۔

تخم بالنگا کے غذائی فوائد:۔

تخم بالنگا کے غذائی فوائد بے شمار ہیں جو اپنے اندر طبی خصوصیات بھی رکھتے ہیں گویا اس کا استعمال غذا اور دوا دونوں طرح سے مفید ہے۔ تخم بالنگا کے بیجوں میں ہر قسم کی سوزش اور خارش کو روکنے کی ایسی خصوصیات موجود ہیں جو جلد میں نمی کو برقرار رکھنے میں مدد دیتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ جلد پر ہونے والی سرخی کو کم کر کے دانوں کو پیدا ہونے سے بھی روکتی ہے جس سے حدت میں کمی واقع ہوتی ہے۔

تخم بالنگا میں اینٹی آکسیڈنٹ کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے جو جلد کے لیے مفید ہے۔ اس کے علاوہ تخم بالنگا میں اومیگا تھری بھی وافر مقدار میں پایا جاتا ہے یعنی اس میں دیگر چیزوں کی نسبت ساٹھ فیصد زائد اومیگا تھری پایا جاتا ہے۔ اس میں فیٹی ایسڈ کی وافر مقدار بھی موجود ہوتی ہے۔ یہ بائی کولیسٹرول سے محفوظ رکھتا اور دماغ کو مضبوط بناتا ہے۔ تخم بالنگا کی قدرتی ٹھنڈک ہر طرح سے مفید ہے۔

تخم بالنگا کے چھوٹے چھوٹے دانوں کو اس حوالے سے دوسرے تمام غذائی اجزا پر فوقیت حاصل ہے کہ اس میں پروٹین وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اس میں موجود پروٹین گندم اور چاول میں موجود پروٹین سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اس میں ایک اہم جز اسٹروجن پایا جاتا ہے جو پروٹین بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

تخم بالنگا کا روزانہ استعمال معدے کی تیزابیت کو دور کرتا ہے جس کی وجہ سے پیٹ کے جملہ امراض سے محفوظ بھی رہا جاسکتا ہے اور معدے کی گرمی کو ختم بھی کیا جاسکتا ہے۔ موسم گرما میں مختلف مشروبات میں اس کا استعمال لازمی کرنا چاہیے۔ فالودے میں تو اس کا استعمال ضرور کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دودھ کا شربت، شربت روح افزا، لیموں کا شربت اور لسی وغیرہ میں تخم بالنگا کا استعمال فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ اسے ٹھنڈے پانی میں بھی ملا کر پئیں تو مفید ہے۔

تخم بالنگا استعمال کرنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے ایک برتن میں ڈال کر پانی میں بھگو دیں، کچھ دیر میں اس کے بیج پھول جاتے ہیں۔ اب انہیں استعمال کریں۔ اطبا تو موسم گرما میں اس کے استعمال کی خاص تاکید کرتے ہیں۔

تخم بالنگا کے طبی فوائد

غذائی فوائد کی طرح تخم بالنگا کے طبی فوائد بھی بے شمار ہیں۔ کھانوں میں تخم بالنگا کا استعمال انہیں قوت بخش بناتا ہے کیونکہ اس میں کیلوریز کی مقدار نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے اس لیے اس کے کھانے سے وزن نہیں بڑھتا یعنی وزن کم کرنے کے لیے یہ بہترین ہے۔ تخم بالنگا جسم میں موجود انسولین کی سطح کو توازن میں رکھتا ہے کیونکہ انسولین وزن بڑھانے اور پیٹ پر چربی جمانے کی وجہ بنتا ہے اس لیے اگر موٹاپے کے شکار افراد روزانہ چار چمچ یا ایک مٹھی تخم بالنگا استعمال کریں تو ان کے وزن میں نمایاں کمی واقع ہوگی۔

تخم بالنگا میں موجود فیٹی ایسڈ خون میں کولیسٹرول کی مقدار کو متوازن رکھتے ہیں جس سے دل صحت مند و توانا رہتا ہے اور دل کے کئی امراض جیسے دل کی دھڑکن تیز ہو جانا اور دل کے جھٹکوں وغیرہ سے بچاتا ہے۔ تخم بالنگا کا روزانہ استعمال ہمارے جسم میں Systole اور Diastole کے دباؤ کو کم کرتا ہے جو دل کی دھڑکن کو معتدل رکھنے میں اہم

Digitized by Google

کردار ادا کرتا ہے یعنی تخم بالنگا دل کا محافظ بھی ہے۔

یہ ہمارے خون میں انسولین کی مقدار کو متوازن رکھتا ہے جس سے جسم میں موجود بلڈ شوگر لیول کو توازن میں رکھنے سے نہ صرف ذیابیطس کا خطرہ کم رہتا ہے بلکہ اسے انرجی بھی ملتی ہے جو ہمارے روزمرہ کے معمولات میں مدد دیتی ہے اس لیے دن بھر میں اگر دو چمچ تخم بالنگا استعمال کرلیں تو یہ انرجی حاصل کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اب یہ استعمال آپ سادہ پانی میں کریں یا کسی مشروب میں ہر طرح سے مفید ہے۔ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ تخم بالنگا ہماری ہڈیوں، پٹھوں اور ٹشوز کو مضبوط بناتا ہے۔ تخم بالنگا کا دن میں ایک بار استعمال ہماری روزانہ کی جسمانی ضرورت کے مقابلے میں اٹھارہ فیصد تک کیلشیم مہیا کرتا ہے۔ کیلشیم ہڈیوں کو مضبوط رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اس میں ایک ایسا جز ہے جو کیلشیم کو ہڈیوں میں جذب کرنے کے عمل کو تیز کرتا ہے اس میں موجود پروٹین اور امینو ایسڈ پٹھوں کے ماس کو برقرار رکھنے میں مدد دیتے ہیں اور ان کی کارکردگی کو بہتر بنانے میں معاون ہیں یوں تخم بالنگا کا باقاعدہ استعمال ہماری ہڈیوں، پٹھوں اور ٹشوز کی مضبوطی کے لیے بہت اہم ہے۔

جو افراد روزانہ تخم بالنگا کا استعمال کرتے ہیں انہیں کسی بھی قسم کی سوزش یا درد کی شکایت کم ہی ہوتی ہے کیونکہ اس میں اومیگا تھری کے فیٹی ایسڈ موجود ہیں جو جوڑوں کو مضبوط بناتے اور سوزش سے دور رکھتے ہیں اس کے علاوہ تخم بالنگا میں ایک اہم جز ٹرپٹوفین بھی پایا جاتا ہے جو ایک قسم کا امینو ایسڈ بھی کہلاتا ہے یہ اجزا پرسکون نیند لانے کا سبب بنتے ہیں۔ یوں پرسکون نیند جسم کو آرام پہنچانے کا باعث بنتی ہے جس کا مجموعی اثر ہماری صحت پر پڑتا ہے۔

بے شمار طبی خصوصیات کا حامل تخم بالنگا ہاضمے کے لیے بھی جادوئی اثر رکھتا ہے۔ اس کا استعمال نظام ہاضمہ کو بہتر بناتا ہے۔ کھانا جلد ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ تخم بالنگا کے دو کھانے کے چمچ ہمارے جسم کو دس گرام فائبر مہیا کرتے ہیں جو کہ ہماری روزمرہ کی ضرورت کا ایک تہائی ہے اس کے علاوہ تخم بالنگا کا روزانہ استعمال معدے اور آنتوں کی صفائی کرتا ہے جس کی وجہ سے بھی ہاضمہ درست رہتا ہے۔

تخم بالنگا حسن کی نگہداشت کے لیے۔

تحقیق سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ تخم بالنگا ہماری صحت کے ساتھ ساتھ خوب صورتی کے لیے بھی اہم ہے۔ اس میں شامل قدرتی معدنی اجزا مثلاً تانبا، آئرن، زنک وغیرہ ہماری جلد اور بالوں کے لیے بہت مفید ہیں، تخم بالنگا سے تیل بھی حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کا تیل جلد میں پانی کی کمی نہیں ہونے دیتا، تخم بالنگا سے حاصل ہونے والا تیل ہر طرح سے جلد کے لیے مفید ہے۔ خاص طور پر سردیوں میں جب چہرے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں، کہنیوں، پیروں اور ایڑیوں کی جلد خشک ہونے لگتی ہے تو ایسی صورت میں ان حصوں پر تخم بالنگا کا تیل لگانے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ نہ صرف سردیوں میں بلکہ عام موسم میں بھی جسم کے کسی حصہ پر یہ تیل لگایا جاسکتا ہے۔

تخم بالنگا کا تیل خواتین کے لیے خاص طور پر مفید ہے۔ اس میں اسے لیپوٹنک اجزا پائے جاتے ہیں جو چہرے اور ہاتھوں پر بڑھتی ہوئی عمر کے اثرات کو روکنے میں مدد دیتے ہیں اس کے تیل میں اینٹی آکسیڈنٹ اور پولیٹو نیوٹرینٹ کی بہت زیادہ مقدار پائی جاتی ہے۔ اس میں فیلفاٹیونک ایسڈ موجود ہوتا ہے جو کہ ایک طاقت ور اینٹی آکسیڈنٹ کے طور پر کام کرتا ہے اور جلد پر جھریوں اور لائنوں کو بننے سے روکتا ہے۔ اس طرح بڑھتی ہوئی عمر کے اثرات روکنے میں مدد دیتا ہے۔

تخم بالنگا میں قدرتی طور پر آئرن موجود ہوتا ہے جو بالوں کو گھنا اور لمبا رکھنے کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ آئرن بالوں اور بالوں کی جڑوں اور جلد کو آکسیجن فراہم کرنے کا سبب بھی بنتا ہے۔ آئرن کی کمی کی وجہ سے بال تیزی سے گرنے لگتے ہیں اور ان کا گھنا پن ختم ہوجاتا ہے اس لیے روزمرہ کی غذا میں تخم بالنگا کا استعمال اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ بالوں کو آئرن پہنچانے کا اہم ذریعہ ہے۔

Digitized by Google